بدلتی سماجی صورت حال اور اردو ادب: اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)

مقالہ نگار:

مبین عنایت

رجسٹریشن نمبر:URD.S22.176

نگرانِ مقالہ:

ڈاکٹر نعیم مظہر

ایسوسی ایٹ، پروفیسر، شعبہ اردو نمل

شعبہ اردو زبان و ادب، فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بدلتی سماجی صورت حال اور اردو ادب: اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)

مقالہ نگار:

مبین عنایت

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

شعبہ اردو زبان و ادب فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۵ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **بدلتی سماجی صورت حال اور اردو ادب: اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی**

پیش کار: مبین عنایت رجسٹریشن نمبر:URD.S22.176

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر نعیم مظہر _____

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی _____

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی، ہلال امتیاز (ملٹری) _____

ریکٹر

تاریخ _____

اقرار نامہ

میں، مبین عنایت حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کی پی ایچ ڈی (اردو) کی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

_____

مبین عنایت

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ کے دفاع کی منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	viii
اظہار تشکر	x
باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث	1
الف) تمہید	1
i. موضوع کا تعارف	1
ii. بیان مسئلہ	2
iii. تحقیقی مقاصد	3
iv. تحقیقی سوالات	3
v. نظری دائرہ کار	3
vi. تحقیقی طریقہ کار	6
vii. موضوع پر ما قبل تحقیق	7
viii. تحدید	7

ix. پس منظری مطالعہ 8
x. تحقیق کی اہمیت 8

ب) عائلی زندگی (تعارف اور بنیادی مباحث 9

ج) سماج اور خاندان اہمیت و باہمی تعلق 17

د) عائلی زندگی کی مختلف صورتیں: تاریخی مطالعہ 20

ہ) اسلامی تصور خاندان، طبقاتی نظام اور عائلی تصور 31

و) خاندان کی بنیاد کا اسلامی طریقہ کار 33

ز) اردو افسانے میں عائلی زندگی کا اظہار: اجمالی جائزہ 42

۔ حوالہ جات 68

باب دوم: معاصر اردو افسانوں میں عائلی زندگی کے مسائل (سماجی و نفسیاتی حوالے سے) 70

الف) رسم و رواج، طبقاتی تقسیم 72

ب) عورت کا مقام، جبر و استحصال 79

ج) سماج میں عورت اور مرد کا رشتہ اور عائلی مسائل 84

د) وراثت میں عورت کے مسائل 96

۔ حوالہ جات 116

باب سوم: معاصر اردو افسانوں کی بدلتی سماجی صورتحال میں عائلی زندگی کے مسائل
(معاشی و معاشرتی حوالے سے) 118

الف) مشترکہ خاندانی نظام اور ازواجی زندگی 119

ب) جدید زندگی کے تصورات اور نسائی تشخص کے مسائل 126

۔ حوالہ جات 155

باب چہارم: معاصر اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل کے اثرات

(داخلی، خارجی اور دیگر متفرقات کے تناظر میں) 157

۔ حوالہ جات 180

باب پنجم: مجموعی جائزہ 182

۔ نتائج 189

۔ سفارشات 191

۔ کتابیات 192

Abstract

This research thesis is titled *Metamorphosing social condiyions and Urdu literature: A portrayal of family life issues and changes in the*is 21st century short story writer. Family life form the foudational unit of human society and profoundly influences an individual personality behaviour and development. however in the modern area family life faces numerous challenges including economic , financial , stress , unemployment inflation , societal (decline in traditional values class disparity).

Psychological (mental stress , depersion , anxiety) and social (isolation , increasing divorce rates , introlerance) issue. This abstract is particulary use ful for reserch, psychologist's social worker and policymakers seeking to strengthen the family system and promote social harmony.

The first chapter outline the back ground and objectives of the study, the second chapter focuses highlighting the living conditions and societal interactions of the disolaced individuals , the third cgapter explores of displacement along with its influence on social inclu ding policy frame work and institional responses. The fifth and final chapter offers a robust evaluation of the reserch findings concluding with key insight and actionable recommendations. The reserch underscores that effective policies, institutional engagement and increased social awereness can significantly improve the quality of life for the idps in aili banki

Married life is not limited to just the relationship between husband and wife, it also involves the influence and involvement of extended societies external pressures and unfavorable conditio can create tension resentment even hatred between spouses. One signification issue is infertility, which is

often unjustly blamed solely on the women despite medical evidence that infertility can also be due to male factores however many cummunities are unwilling to accept this reality. additionally, when a women enters her husband home , she is expacted to endure all circumstances and adjust to every situation , regardless of the challenges she may face. this reflects a deep rooted societal mindset where women are held to rigid expectations, often at the cost of their well being and personal freedom .

اظہار تشکر

اس مقالے کی تکمیل میں اپنے رب کی سب سے زیادہ شکر گزار ہوں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ کیونکہ اس نے میری دعاوں کو شرف قبولیت بخشا اور مجھے کامیاب کیا۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کی صدر شعبہ اردو ڈاکٹر عنبرین شاکر جان، پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ڈاکٹر شفیق انجم اور انتہائی واجب الاحترام اساتذہ کرام اور خصوصاً اپنے نگران مقالہ جناب ڈاکٹر نعیم مظہر صاحب کی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے شفقتوں سے نوازا اور ہر لمحہ میری حوصلہ افزائی کی۔ اس مقالے کی تیاری میں شعبہ اردو کے محمد اعظم، محمد اعجاز اور دیگر دوست احباب اور عزیزوں کا تعاون حاصل رہا ان سب کی احسان مند اور شکر گزار ہوں۔ اپنی امی جان اور ابو جان کی بہت شکر گزار ہوں اپنے بھائی محمد شعیب خان کی شکر گزار ہوں جس نے ہر لمحہ میری مدد کی جس نے مجھے مبین عنایت سے ڈاکٹر مبین عنایت بننے میں بہت مدد کی۔ بھائی حامد علی خان اور جانزیب خان کی بہت شکر گزار ہوں۔ بہن مدیحہ عنایت کا بھی بہت شکریہ۔ اپنے ماموں جان امیر افضل خان کی بھی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے زندگی کے ہر لمحے میں میری بہت مدد کی۔ میں اپنے شوہر اسامہ احمد خان، ساس ثمینہ ناز اور شازیہ پروین، شرین، رانی پھوپھو، مائدہ، اسماء اور اپنے بیٹے ازلان احمد خان اور مرتضی احمد کی بے حد شکر گزار ہوں کہ جن کی محبت اور مسلسل دعاؤں سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

مبین عنایت

سکالر پی ایچ ڈی

باب اول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف: تمہید

1۔ موضوع کا تعارف (INTRODUCTION)

زیر نظر تحقیقی مقالے کا موضوع "بدلتی سماجی صورتحال اور اردو ادب: اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی" ہے۔ تسلسل سماجی زندگی کی حقیقت ہے بدلتی سماجی صورتحال زندگی کا عکس ہوتا ہے۔ سماج ماضی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور مستقبل کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ بدلتی سماجی صورتحال نے جہاں زندگی کے دیگر امور پر اثرات مرتب کیے وہیں عائلی زندگی پر بھی اثرات مرتب کیے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے سماجی تعلقات کا محتاج ہے انسان اپنے وجود، پرورش، تعلیم صحت اور ایک دوسرے کے سماجی تفاعل کا محتاج ہے۔ انسان بطور سماجی رکن اپنے وجود کے فوراً بعد جس معاشرتی ادارے کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ خاندان کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد ہے اس ادارے میں رہن سہن کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے۔ عائلی زندگی کی بنیادی اکائی کی حیثیت میاں بیوی کو حاصل ہے۔

شادی ایک سماجی ادارہ ہے اور اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ خود نسلِ انسانی۔ یہ ایک رشتہ (مرد اور عورتوں کے درمیان) کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے جو اپنی مرضی کے مطابق یا قانون کے مطابق پہچان لیا جاتا ہے۔ جس میں جوڑے اور ان کی اولاد کے مخصوص حقوق و فرائض شامل ہیں۔ ازدواجی زندگی اس طرح دو اہم کام کرتی ہے ایک یہ کہ انسانی معاشرے میں مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلق قائم کرنے کے لیے اور ایک نظام کو پیش کرتی ہے جس کے ذریعے ایک بچے کا تعلق معاشرے سے متعین ہوتا ہے۔

معاشرہ عائلی زندگی کو صرف ازدواجی تعلق تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس بندھن کو وسیع تر تناظر میں دیکھتا ہے۔ اس کے لیے وہ فریقین پر مختلف ذمہ داریاں اور فرائض عائد کرتا ہے۔ عائلی تعلقات ایک ہمہ گیر نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ صرف جسمانی تعلق تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان کا دائرہ

جذباتی، مذہبی، نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی تعلقات تک پھیلا ہوا ہے۔ البتہ مرد اور عورت کا انداز فکر اور ان کی سماجی ذمہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کا طرزِ عمل، اندازِ بیاں اور ترجیحات مختلف ہو سکتی ہیں۔ یہ اختلافات مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ گھریلو کشیدگی اور بہت سے نفسیاتی مسائل کا سبب بنتے ہیں۔

جاگیر دارانہ معاشرت کے اثرات کے باعث بعض مرد عورت کو پاؤں کی جوتی اور مرد کا کھلونا سمجھتے ہیں۔ نسائی شعور اس سوچ کے خلاف جب مزاحمت کرتا ہے تو نوبت لڑائی جھگڑوں سے ہوتی ہوئی طلاق پر منتج ہوتی ہے۔ جس سے اولاد بری طرح متاثر ہوتی ہے اور ایک ہنستا بستا گھر تنکوں کی طرح بکھر جاتا ہے۔ عصر حاضر میں گھریلو زندگی کے مسائل کی ایک وجہ اندھی ہوس ہے۔ اضافی خواہشات کے حصول نے گھروں میں طرح طرح کے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ سادہ زندگی گزارنے اور اپنے وسائل کے اندر رہنے کی بجائے دوسروں کو متاثر کرنے کی روش بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔ سوچ کا یہ کھوکھلا پن خاندان کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں، اولاد کی نافرمانی کی ایک بڑی وجہ اضافی خواہشات کا حصول ہے۔ اعلیٰ و ارفع انسانی اقدار جیسے اجتماعیت، بے غرضی، قربانی وغیرہ ختم ہو جاتی ہیں۔ گھر کا ہر فرد صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ بے حسی اور خود غرضی ان کا گھیراؤ کر لیتی ہے اور گھریلو نظام منتشر ہو جاتا ہے۔

عائلی زندگی کو درپیش مسائل میں ایک مسئلہ گھر کی سربراہی کا بھی ہے۔ شوہر اپنی جسمانی ساخت مردانہ طبیعت و جبلت اور عائلی ذمہ داریوں کے باعث اپنے آپ کو گھر کا قائد اور سربراہ منوانا چاہتا ہے۔ کیونکہ گھر ایک چھوٹا معاشرتی ادارہ ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے ادارے کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے نظام کو بہتر انداز میں چلانے، اس کے ممبران یا عملے کا خیال رکھنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انتظامی اور عقلی ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس ادارے میں کسی کو بھی کمتر نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ یہ ایک انتظامی ضرورت ہے جس کے بغیر ادارے کا چلنا مشکل ہے۔

2۔ بیان مسئلہ (STATEMENT OF PROBLEM / THESIS STATEMENT)

اکیسویں صدی میں پاکستان کو جہاں بہت سے چیلنجز درپیش ہیں وہیں بدلتی ہوئی سماجی صورتحال کی وجہ سے عائلی زندگی بھی مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ بدلتے ہوئے وقت اور سماجی صورتحال کی وجہ سے خانگی زندگی ٹوٹ پھوٹ، اس میں بڑھتی ہوئی دوریاں یا دراڑیں اور چور چور ہوتا ہوا روایتی مشترکہ خاندانی نظام

اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ شادی دو افراد کے درمیان نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس سے متاثر صرف دو فرد نہیں ہوتے بلکہ ارد گرد کے تمام افراد اس صورت حال کا سامنا کرتے ہے۔ اگر سماج کی بنیادی اکائی الجھی ہوئی ہو تو پورا سماج الجھاؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ پریشان حال خاندانی نظام اجتماعی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ اس سے نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ معاشرے میں نفسیاتی اور معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں۔ ایک عورت اور مرد ایک دوسرے کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ لیکن وہاں خاندانی زندگی نہیں ہو تی۔ کمزور معیشت سے عائلی زندگی میں اختلافات کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے معاشرے میں دیگر مسائل بھی جنم لے رہے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں خصوصیت کے ساتھ عائلی زندگی کے مسائل کو اجاگر کیا جائے گا، تاکہ ان افسانوں کی اہمیت و انفرادیت واضح ہو سکے۔

3۔ مقاصد تحقیق RESEARCH BJECTIVE

ا۔ بدلتی سماجی صورتحال میں عائلی نظام کے متعدد مسائل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا۔

2۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل کا معاشی و معاشرتی مطالعہ کرنا۔

3۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے سماجی و نفسیاتی مسائل کا جائزہ لینا۔

4۔ تحقیقی سوالات (RESEARCH QUESTION)

1۔ اکیسویں صدی کی بدلتی سماجی صورتحال نے اردو افسانوں میں عائلی زندگی پر کیا کیا اثرات مرتب کیے؟

2۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانوں میں عائلی زندگی کی پیشکش کس قسم کی ہے؟

2۔ عصر حاضر کے اردو افسانوں میں عائلی زندگی کے مسائل کی صورتحال کیا ہے؟

5۔ نظری دائرہ کار (THEORETICAL FRAMEWORK)

اللہ پاک نے ہر جاندار کا جوڑا بنایا اور نسل انسانی کو پروان چڑھایا۔ انسان باقی جانداروں کی نسبت منظم انداز میں زندگی کے سفر پر گامزن نظر آتا ہے انسان کی عائلی زندگی ہر طرح سے اہمیت کی حامل ہے لفظ عائلہ عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد گھر کے لوگ ہیں۔ اردو لغت میں عائلی سے زیادہ عیال کا لفظ ملتا ہے

عائلہ اور عائلی دونوں ایک ہی معنی دیتے ہیں۔عائلی سے مراد خاندان سے متعلق،خاندان اور نسلی وغیرہ خاندان ایک اجتماعی گروہ کانام ہے جس کا مقصد لوگوں کی روحانی،جسمانی اورذہنی سلامتی کو برقرار رکھنا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے معاشرتی تعلقات کا محتاج ہوتا ہے۔انسان کواپنے وجود پرورش ، تعلیم ،صحت الغرض زندگی کے تمام معاملات میں قدم بقدم اس کی ضرورت رہتی ہے۔انسان بطور سماجی رکن اپنے وجود کے فوراًبعد جس معاشرتی ادارے کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ خاندان کہلاتا ہے۔یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی،اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد رکھتا ہے اس ادارے میں زندگی گزارنے کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے بدلتی سماجی صورتحال نے جہاں زندگی کے دیگر امور پر اثرات مرتب کیے وہیں عائلی زندگی کو بھی متاثر کیا۔انگریزی زبان میں عائلی کے لیے "family" " کالفظ استعمال ہوتا ہے۔خاندان ہر انسان کی سماجی شناخت ہوتا ہے اور ایک خاندان کی بنیادی اکائی شوہر اور بیوی ہیں۔کامیاب خاندانی نظام کا انحصار ان دونوں کے باہمی تعلقات پر ہے۔اگر ان تعلقات میں خلل آجائے تو گھریلو نظام کے ساتھ ساتھ بچے بھی بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔انسان کی عائلی زندگی میاں بیوی اور اولاد کے باہمی تعلق کے نتیجے میں بننے والی معاشرتی، معاشی اور سماجی فضا سے عبارت ہوتی ہے۔عائل کے معنی مفلس، محتاج (فقیر، درویش) ہے اور عائلہ کے معنی خاندان، کنبہ، گروہ اور عائلی کے معنی خاندان سے متعلق خاندانی، نسلی۔عائلی زندگی ایک گھر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس میں پورا خاندان شامل ہوتا ہے۔قریبی رشتہ دار بھی عائلی زندگی میں شمار ہوتے ہیں فی زمانہ عائلی زندگی اور مشترکہ خاندانی نظام کو بہت سے مسائل درپیش ہیں۔سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کی آسان رسائی نے ان مسائل کو گھمبیر بنادیا ہے۔نہ صرف عائلی زندگی ان کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہے بلکہ اولاد بھی منفی اثرات کی زد میں ہے۔اس موضوع پر تحقیق کے لیے مرے باؤن کے خاندانی نظام کی تھیوری کا نظریہ Bowen) family system theory) جو کہ ان کی کتاب THE BOWEN FAMILY THEORY AND ITS USES میں موجود ہے کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مرے باون کا کہنا ہے کہ ہر سماج میں نظریے، جذبات، احساسات دوسرے سماج سے مختلف ہوتے ہیں۔خاندانی نظام کا نظریہ انسانی رویہ کا نظریہ ہے جو انسانی اکائی کو ایک پیچیدہ سماجی نظام کے طور بیان کرتا ہے جس میں اراکین ایک دوسرے

کے رویہ پر اثر انداز ہونے کے لیے بات چیت کرتے ہیں۔ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ جس میں نظام کو انفرادی عناصر کے بجائے مجموعی طور پر دیکھنا مناسب ہو جاتا ہے۔ فیملی سسٹمز تھیوری انسانی رویوں کا ایک ایسا نظریہ ہے جو فیملی کو ایک جذباتی اکائی کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہ ایک خاندان کی فطرت ہے کہ اس کے ارکان جذباتی طور پر شدت سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے خاندانوں سے دور دراز یا منقطع ہونے کا احساس کرتے ہیں۔ خاندانوں پر ان کے اراکین کے خیالات و احساسات اور جذبات بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ خاندان کے لوگ ایک دوسرے کی توجہ اور حمایت کو دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی ضروریات، توقعات اور مایوسی پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ Mark Poster کے آرٹیکل Critical Theory of the famil کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ Family health care nursing جو Joanna Rowe Kaakine کا آرٹیکل کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ Bowen family system theory and spirituality Exploring the relationship Between triangulation and Religious Questing کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

تحقیقی نظری دائرہ کار کے نکات مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ مشترکہ خاندانی نظام کی صورت میں مالی کوتائیاں
   i۔ گھر کی سربراہی کا مسئلہ
   ii۔ عورت کا نوکری کرنا
   iii۔ جہیز کا مسئلہ iv۔ قرض
2۔ معاشی مسائل
   i۔ اولاد کی تربیت کا مسئلہ
   ii۔ ملکی حالات
   iii۔ رسم و راوج
3۔ معاشرتی مسائل
   i۔ قت کی قلت

ii۔ گھریلو تشدد میں اضافہ

4۔ بے اعتمادیii۔ فطری کمزوری نہ سمجھناiii۔ فرسودہ رسومات

5۔ نفسیاتی مسائل

i۔ ذہنی ہم آہنگی کا نہ ہونا

ii۔ علیحدگی کے اثرات

iii۔ برداشت میں کمی

iv۔ تنہائی کا شکار

v۔ چڑچڑے پن کا بڑھ جانا

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں منتخب اردو افسانہ نگاروں کے افسانوں میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کے متعلق مطالعہ کیا گیا۔اسی تناظر میں سماجی حوالے سے محمد مصلح الدین صدیقی کی کتاب"سماجیات"اور محمد حسن کی کتاب"ادبی سماجیات"سے استفادہ کیا گیا۔موضوع کی نظری تفہیم کے لیے"ادبی سماجیات "سے استفادہ کیا گیا۔ مزید برآں ریاض محمد عسکری کی کتاب"نوجوانوں کی نفسیات"اور ڈاکٹر خالد سہیل کی کتاب "انفرادی اور معاشرتی نفسیات"سے بھی استفادہ کیا گیا۔

6۔ تحقیقی طریقہ کار(RESERARCH METHODOLOGY)

زیرِ نظر موضوع میں بیانیہ اور تجزیاتی طریقہ تحقیق اپنایا گیا ہے۔(library research) کے پیش نظر موجود مواد کی جمع آوری، تجزیہ اور اس کی روشنی میں نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔عائلی زندگی کے مسائل کے تناظر میں افسانوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔زیر نظر مقالے میں اکیسویں صدی کے پاکستانی افسانہ نگاروں اسد محمد خان، زاہدہ حنا، خالد فتح محمد، سیمیں درانی، شعیب خالق، عثمان عالم، طاہرہ اقبال، مبین مرزا، نیلوفر اقبال کے افسانوی مجموعہ پر انحصار کیا گیا ہے۔دستاویزی اور بنیادی مآخذات تک رسائی کے لیے جن میں مختلف جامعات کے کتب خانوں اور سرکاری و نجی کتب خانوں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔عائلی زندگی کے مسائل کے حوالے سے مختلف کتب کو بھی شامل تحقیق کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ثانوی مآخذات جن میں تحقیقی و تنقیدی کتب

شامل ہیں اخبارات، رسائل و جرائد اور مطبوعہ و غیر مطبوعہ مقالہ جات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اہم ویب گاہوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز آن لائن کتب خانوں سے استفادہ کرنا تحقیقی طریقہ کار کا اہم حصہ رہا۔

7۔ موضوع پر ما قبل تحقیق(WORK ALREADY DONE)

زیرِ نظر موضوع میں اردو کے منتخب افسانہ نگاروں کے افسانوں میں عائلی زندگی کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جامعاتی سطح پر تحقیق کے حوالے سے دیکھیں تو بدلتی سماجی صورتحال اوراردو ادب: اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی کے حوالے سے کوئی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں ہوا۔ تاہم ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر مختلف اوقات میں جو تحقیقی کام ہوا وہ پس منظری مطالعے کے طور پر لیا گیا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے

i. محمد رؤف اور اردو غزل میں عائلی رشتے (مضمون) تخلیقی ادب، شمارہ 7، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء

ii. "اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازدواجی زندگی کی عکاسی"، غیر مطبوعہ مقالہ جات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء

iii. "طاوس فقط رنگ" کے کرداروں کا نفسیاتی، ثقافتی اور عائلی زندگی کے تناظر میں تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، غیر مطبوعہ مقالہ جات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد ۲۰۱۹ء

iv. "حقوق نسواں کا پاکستان کے عائلی قوانین کے تناظر میں تحقیقی جائزہ، غیر مطبوعہ مقالہ جات، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، ۲۰۲۱ء

تاہم بدلتی سماجی صورتحال اردو اردو ادب: اکیسوی صدی کے اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کی عکاسی" کے حوالے سے پی ایچ ڈی کی سطح پر ابھی تک کوئی کام نہیں ہوا۔ یہ موضوع نیا اور تحقیق طلب ہے۔

8۔ تحدید(DELIMITATION)

زیرِ نظر موضوع کے تحت دائرہ تحقیق اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو افسانہ نگار جس میں ۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۰ء تک کا عرصہ شامل ہے۔ اس عرصے میں شائع ہونے والے افسانوی مجموعوں میں بدلتی سماجی صورتحال کے حوالے سے عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کا مطالعہ اس موضوع کے احاطہ مطالعہ میں ہے۔

افسانوی مجموعوں کے سلسلے میں معروف افسانہ نگاروں کو منتخب کیا گیا ہے معروف افسانہ نگاروں میں وہ افسانہ نگار بھی شامل ہے جو بیسویں صدی میں بھی ادب کی خدمات سے کوشاں رہے۔ اور اکیسویں صدی میں بھی ان کے افسانوی مجموعے سامنے آئے۔ان معروف افسانہ نگاروں میں اسد محمد خان،زاہدہ حنا، خالد فتح محمد، سیمیں درانی،شعیب خالق، عثمان عالم،طاہرہ اقبال، مبین مرزا،نیلوفر اقبال شامل ہیں۔ زیر نظر تحقیق میں خصوصیت کے ساتھ ان کے افسانوں میں عائلی زندگی کے مسائل کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

9۔ پس منظری مطالعہ (LITERA REVIEW)

موضوع پر کام کرنے کے لیے جن کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے ان میں اکیسویں صدی کے افسانوی مجموعے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ "پاکستان میں اردو افسانہ ۱۹۴۷ء تا حال)"جو ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی تصنیف ہے اس کتاب کے مطالعے سے قدیم و جدید افسانہ نگار اور ان کے فن سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے اردو افسانے کے سفر کی ایک مفصل داستان سے آگاہی ملتی ہے۔ موضوع مقالہ کے تحت کام کرنے کے لیے "عائلی زندگی"جو عبدالغفار کی تصنیف ہے جو ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی اس کا مطالعہ کیا گیا۔ ازدواجی زندگی کے مسائل کے حوالے سے اردو ادب میں یہ کتاب اضافے کا باعث ہے جو دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامک یونی ورسٹی کے تعاون سے شائع ہوئی۔ صبیح الدین بقائی کی کتاب "ہمارے معاشرتی مسائل ایک عمرانیاتی جائزہ"اور ڈاکٹر خالد سہیل کی کتاب "انفرادی اور معاشرتی نفسیات" اہم کتاب ہے جو عائلی زندگی کے حوالے سے بنیادی معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں عائلی زندگی سے متعلق اہم تصوارت سے آگاہی ملتی ہے۔

10۔ تحقیق کی اہمیت (SIGNIFICANCE OF STUDY)

پاکستانی اردو افسانے میں بدلتی سماجی صورتحال اور اردو ادب :اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل و تغیرات کا مطالعہ ایک منفرد تحقیق ہے جس پر اس سے قبل کسی قسم کا کام نہیں ہوا۔ اس صدی میں اہم واقعات معاشی حالات، اجرت و منافع کا اتار چڑھاؤ، سوشل میڈیا ،انٹرنیٹ اور سماجی صورتحال نے معاشرے کو جس طرح متاثر کیا ہے اس کے براہ راست اثرات عائلی زندگی پر پڑے ہیں۔ اکیسویں صدی کے منتخب اردو افسانہ نگار اسد محمد خان،زاہدہ حنا، خالد فتح محمد، سیمیں درانی ،شعیب خالق ،عثمان عالم،طاہرہ

اقبال، مبین مرزا، نیلوفر اقبال اردو ادب میں افسانہ نگاری کے حوالے سے اہم ہیں دیگر افسانہ نگاروں کی طرح ان کے ہاں موجودہ دور کے مسائل کے مشاہدے کی صلاحیت موجود ہے۔انھوں نے اپنی تحریروں سے معاشرے میں عائلی زندگی کے مسائل کو اجاگر کیا اور مسائل کو جانچ کر اردوافسانوں میں اصلاح کی بھرپور کوشش کی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اسد محمد خان،زاہدہ حنا، خالد فتح محمد، سیمیں درانی،شعیب خالق عثمان عالم،طاہرہ اقبال، مبین مرزا،نیلوفر اقبال کی تحریروں میں عائلی زندگی کے مسائل کو سامنے رکھ تجزیہ کیا گیاہے اور یہ مقالہ اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے۔

ب:عائلی زندگی کے معنی، مفہوم، تعارف

اللہ پاک نے ہر جاندار کا جوڑا بنایا ہے اور نسل انسانی کو پروان چڑھایاہے۔انسان باقی جانداروں کے مقابلے میں منظم انداز میں زندگی گزارنے کے سفر پر گامزن نظر آتاہے۔انسان کی عائلی زندگی ہر طرف سے اہمیت کی حامل ہے۔انسان اس عالمگیر کائنات کا جزولاینفک ہے۔خدانے انسان کا وجود ایک جرثومے سے بناکر اس کی بڑھوتی کو جوڑے کی مرہون منت پر رکھ دی ہے۔انسانوں تک یہ کلیہ محیط نہیں کیا بلکہ ہر ذی روح کی ترقی اور افزائش کا دارومدار اس کے زوج کے ساتھ ہی لکھ دیاہے۔چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لیے باقی جانداروں سے ممتاز ہو کر خاندان کی آبادکاری شروع کی اور ایک اجتماعی معاشرے کے لیے نئی رائیں ہموار کیں۔اسی خاندان کے افراد کے لیے عیال یا عائل کا لفظ بھی استعمال کیا جاتاہے۔نیز اس عائل کی صحیح رہنمائی کے لیے درست اعمال اور درست سمت کی بجاآوری کے لیے جو نظام وضع کیا گیاہے اسے عائلی نظام زندگی اور اس عائلی نظام کے ممتاز قوانین کانام دیاجاتاہے۔

عائلی زندگی میں خاندان کا نظام ایک ایسانظام ہے جس پر عائلی زندگی کا انحصار رہاہے۔خاندان کا نظام جس قدر مضبوط رہاہے اس قدر عائلی زندگی کا نظام بہتر انداز سے فروغ پایاہے۔خاندان کی مختلف ادوار میں مختلف صورتیں رہیں ہیں۔اس کی ابتداء کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔خاندان کے تاریخی اور ارتقائی سفر کو مورخین نے مختلف ناموں اور ادوار کے اندر تقسیم کر کے اس کے مفہوم کا آسان انداز میں پیش کیاہے جس سے عائلی زندگی کا نظام بھی بہتر انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔مارگن(morgan) کے مطابق

As it is undeniable that portions of the human family have

existed in a state of savagery ,other portions in a state of barbarism and still other portions in a state of civilizations .It seems equally so that these three distinct conditions are connected with each other in a natural as well as necessary sequence of progress(1)

جیسا کہ یہ نا قابل تردید لگتا ہے کہ انسان وحشت کے زمانے سے بھی زندگی گزار کر آئے ہیں۔اس طرح ایک زمانہ ایسا بھی ہے جو بربریت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا اور جانا جاتا ہے۔ابھی کا دور تمدن کے حوالے سے پہچانہ جاتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ یہ تینوں تسلسل کے ساتھ قدرتی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ترقی اور خوشحالی کے لیے یہ ضروری ہے۔

Lewis H.Morgan,L.L.D,Ancient society or researches in the lines of human progress from savagery through barbarism to civilization ,chapter 1,Chicago Charles H.Kerr and company(2)

اسلام بھی ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے جس کی بنیادوں میں ایمانیات،عبادات، اخلاقیات اور معاملات کے حوالے سے بنیادی اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہو۔ان چاروں عناصر کا جہاں تک تعلق ہے تو ان چاروں عناصر کے حوالے سے اللہ کے رسولوں نے واضح طور پر سمجھایا ہے۔اب جو ان چاروں عناصر کو صحیح طور سمجھنے کی کوشش کرے گا تو صحیح معاشرے اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے میں اس کو اتنی ہی آسانی ہو گی۔ورنہ اگر کجی راستے کو اختیار کیا گیا یا صحیح راستے کو سمجھنے میں کوتائی کی گی تو تشکیل کردہ معاشرہ بھی بگاڑ اور کجی کی شکل اختیار کرے گا۔ڈاکٹر مستفیض احمد علوی انسانی معاشرے کے لیے ان چاروں عناصر کی اہمیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ زندگی کے یہ چاروں پہلو باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں جن کا محور اور مرکز ایمان ہے۔ایمان اور عقیدے کی بنیاد پر زندگی کی ساری سرگرمیاں ترتیب پاتی ہیں۔جس طرح بیج سے لے کر پھول تک کا سلسلہ قائم و ثابت ہے۔ایمان میں کمزوری، کجی یا بگاڑ ہو تو زندگی کے سارے نظام کو تاہی، تشکیک اور تخریب کا شکار ہوں گے جبکہ ایمان کی صحت و درستگی زندگی کو صراط

مستقیم پر پوری توانائیوں کے ساتھ گامزن کردے گی۔ (۳)

معاشرے افراد سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ بہتر اصولوں پر کاربند رہ کر معاشرے کی تشکیل میں کردار ادا کریں۔ زندگی گزارنے کا طریقہ وسلیقہ، تعلیم وتربیت کی ذمہ داری، بنیادی لازمی اصول وغیرہ کو جاننا وغیرہ ان کے لیے ضروری ہیں۔ ان سب کا مقصد ایک بہترین خاندانی نظام اور معاشرے کی تشکیل ہے تاکہ عائلی زندگی اور اس سے جڑے ہر رشتے کو بہتر سے بہتر کیا جاسکے۔ اسی سے عائلی زندگی کا نظام بہتر ہو سکتا ہے۔ معاشرہ افراد سے اچھی زندگی گزارنے کے لیے کچھ اہم چیزوں کی تلقین اور دلالت پر زور دیتا ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو تب ہی خاندانی نظام بہتر ہو سکتا ہے۔ خاندانی نظام کی بہتری اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر فرد کا احترام بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر بڑوں اور بزرگوں کے مقام ومرتبے کا خیال رکھنا اور ان کو مان دینا بہت ضروری ہے۔ مختلف آراء اور رویوں کو برداشت کرنے سے خاندانی ہم آہنگی ممکن ہوتی ہے۔ خاندان میں ہر فرد کے ساتھ مساوی سلوک اور انصاف کرنا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا بہت ضروری عمل ہے اس سے خاندانی نظام کے اندر قربت بڑھتی ہے۔ خاندانی نظام کی بہتری کے لیے ہر شخص کا اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے ہر فرد کو اپنے کردار اور ذمہ داریوں کا اچھی طرح شعور ہونا ضرروری ہے۔ والدین بچوں کی اچھی طرح پرورش کریں اور اور بچوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ والدین کا احترام کریں اور ان کا خیال رکھیں اوران کی خدمت کریں۔ خاندانی نظام میں رابطے اور بات چیت کے عمل کو فروغ دینا بھی اہم ہے۔ کھلا اور مثبت مکالمہ خاندانی رشتوں کو مضبوط کرتا ہے۔ بات چیت کی بدولت ہی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ سچائی دیانتداری، ہمدردی اور قربانی جیسے اخلاقی اصولوں کی تربیت بہترین معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔ خاندن کے اہم فیصلوں میں مشاورت کا عمل بہت ضروری ہے۔ مشاورت میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اگر اہم فیصلے مشاورت سے کیے جائیں تو ہر فرد خود کو اہم سمجھے گا اور لازمی طور پر ذمہ داری کے امور میں شامل ہو گا۔ خاندانی نظام میں وقت کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاندانی نظام کی مضبوطی کے لیے ایک دوسرے کو وقت دینا بھی ضروری ہے۔ انسان کی زندگی مصروف تو بہت ہوتی ہے لیکن ایک دوسرے کو وقت دیے بغیر خاندانی نظام بہترین نہیں ہو سکتا۔ خاندانی نظام میں ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا اور دل میں نہ رکھنا تعلقات کو بہتر بناتا ہے۔ خاندانی نظام کو بہتر بنانے کے لیے معاشرہ افراد کو آپس میں احترام، برداشت، مساوات اور انصاف کے نظام کو بہتر بنانا لازمی ہے۔ ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا

چاہیے۔ کھلی بات چیت کرنی چاہیے اور اخلاقی اقدار کو سمجھنا چاہیے۔ خانان میں فیصلوں کو بہترین بنانے کے لیے مشاورت کے عمل کو تیز کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کو وقت دے کر ہی آپس کی تکالیف کو کم کیا جا سکتا ہے۔ بھائی چارے کو فروغ دینے کیے لیے ایک دوسرے کی غلطیوں اور کوتائیوں کو معاف کر کے محبت اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ مضبوط خاندانی نظام کے لیے ایک ٹیم ورک کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بدولت اس نظام کو بہتر سے بہتر کرنے میں سب اپنا حصّہ ڈالتے ہیں۔

عائل لفظ بنیادی طور پر عربی الاصل ہے اور اردو میں یہ عربی سے ہی دخیل ہے۔ لفظ عائل کی جمع عائلات اور عیال ہے جس میں میاں، بیوی، بچے اور دیگر افراد خانہ شامل ہیں۔ جبکہ میاں، بیوی، اولاد اور بچے سے متعلق احکام عائلی قوانین کہلاتے ہیں۔ "القاموس الوحید" جلد اول میں وحید الزماں لکھتے ہیں:

> العائلہ، گھرانہ، کنبہ، خاندان، فیملی (وہ افراد جو ایک گھر میں ایک ساتھ رہتے ہوں جیسے ماں، باپ، اولاد اور ان کے قریبی رشتہ دار)۔۔۔۔۔ العائلی خاندانی خانگی ازدواجی۔[۴]

عائلی زندگی ہی خاندانی زندگی ہے انسان پیدائش سے موت تک ساری زندگی اپنے خاندان میں گزارا تا ہے بنیادی طور پر خاندان میاں بیوی اور اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ عائلی زندگی ایسی زندگی ہوتی ہے جو انسان اپنے خاندان کے ساتھ گزارتا ہے جو شوہر، بیوی، والدین، بہن بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مل کر ایک خاندان کے ساتھ جو زندگی گزرتی ہے اس کو عائلی زندگی کا نام دیا جاتا ہے۔ مختلف رشتوں کی بنا پر خاندان کے افراد ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ وارث سربندی "عائل" سے متعلق لکھتے ہیں "عائلی زندگی سے متعلق بیاہ شادی سے متعلق۔"[۵] عائلی زندگی انسان کی فطری اور سماجی دونوں حوالے سے اس کی ضرورت ہے۔ انسان کی زندگی میں ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے تنہا زندگی گزارنا بہت دشوار لمحہ ہوتا ہے۔ اسے جذباتی، معاشی اور روحانی سکون کے لیے ایک خاندان کی ضرورت کا احساس رہتا ہے۔

خاندان انسان کو محبت، تحفظ، تربیت اور اخلاقی قدریں فراہم کرنے کا ضامن ہوتا ہے۔ عائلی زندگی میں ہر فرد کا اپنا الگ طرح کا کردار ہوتا ہے۔ معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد اور انسان کی شخصی واجتماعی تربیت کے پہلے ادارے کے طور پر عائلی زندگی یعنی خاندانی نظام کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ "کہ اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی تاکہ تم سکون حاصل کرو۔"[۶] بچوں کی تربیت میں گھر کا اہم کردار ہوتا

ہے۔ اخلاق، اقدار، دینی تعلیم اور سماجی شعور گھر ہی کا مرہون منت ہے۔ مضبوط خاندانی نظام مستحکم معاشرہ تشکیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

جب خاندان کا نظام درست ہو تو معاشرے میں امن وامان قائم رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ خاندان فرد کو تحفظ، احساس وابستگی اور اعتماد دینے میں مدد کرتا ہے۔ خاندان میں معاشی بوجھ مشترکہ طور پر تقسیم ہو جاتا ہے جس سے زندگی کی بہت ساری معاشی مشکلات آسانیوں کی شکل اختیار کر کے زندگی میں راحت کا سبب بنتی ہیں۔ عائلی زندگی روایات، تہذیب اور زبان کو نسل در نسل منتقل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ "اور بھلائی اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔"(۷) دین اسلام میں عائلی زندگی کا مقام و مرتبہ واضح طور بیان کیا گیا ہے۔ خاندان انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں عائلی زندگی کی بنیاد محبت، سکون، رحمت، عدل اور ذمہ داری سے جوڑ دی گی ہے۔ خاندان کی تشکیل کے ذریعے انسانی نسل کا تسلسل برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

ماں باپ کی گود کو بچے کی پہلی درسگاہ کہا گیا ہے۔ شوہر، بیوی، والدین، بچوں اور رشتہ داروں کے حقوق و فرائض قرآن و حدیث میں واضح بیان کیے گئے ہیں۔ ان حقوق کی بدولت عائلی نظام مضبوط ہوتا ہے۔ عائلی زندگی میں اختلافات کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام صبر، ایثار اور معاف کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ نبی کریمؐ کی ازدواجی زندگی بہترین نمونے کا مقام رکھتی ہے۔ آپؐ نہایت محبت، شفقت اور حسن سلوک کے ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کرتے اور ان کے لیے اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتے۔ اسلام عائلی نظام کے ذریعے معاشرتی بگاڑ، بے حیائی اور فحاشی سے بچنے کا راستہ فراہم کرنے کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلامی نظام متوازن اور پرامن خاندانی نظام کی تشکیل پر زور دیتا ہے۔

حضور پاک نے بھی نکاح کی بنیادی وجہ یا غرض بقائے ملت بتائی ہے۔ پیدائش کے وقت بچہ محتاج اور ضعیف ہوتا ہے جسے کئی سال تک نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مشکل کام بھی ہے اور ذمہ داری بھی جو صرف والدین ہی اٹھاسکتے ہیں۔ مولوی نورالحسن عیال کے حوالے سے رقمطراز ہیں "عیال زن، فرزند، بال بچے۔ متعلقین۔"(۸) والدین بچوں کی پرورش ان کی تربیت میں پوری زندگی لگا دیتے ہیں گھر ایک مضبوط دیوار اور مضبوط قلعہ ہوتا ہے جس میں قوم کے بچے بیرونی خطرات سے محفوظ نشوونما پاتے ہیں اور والدین اس قلعے کے نگہبان ہیں۔ اس طرح وصی اللہ کھوکھر عائل اور عائلی قوانین کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

عائل ، کمانے والا، کنبے کا سربراہ اور عائلہ، کنبہ، خاندان، باک بچے، عائل وعیال اور عائلی: کنبے خاندان سے متعلق، عائلی قوانین، اعزہ سے کے حقوق وروابط سے تعلق رکھنے والے احکام۔[۹]

خاندان ہر انسان کی سماجی شناخت ہوتا ہے۔ شوہر اور بیوی ہر خاندان کی بنیادی اکائی ہیں۔ کامیاب خاندانی زندگی کا انحصار بیوی اور شوہر کے تعلقات ہر منحصر ہے۔ اگر تعلقات اچھے ہو گئے تو ایک خوشگوار عائلی زندگی ان کی اپنی قسمت ہو گئی تعلقات اچھے نہیں تو گھریلو نظام کے ساتھ بچے بھی متاثر ہوں گئے۔ اردو دائرہ معارف میں بھی لفظ عائلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے وہیں لفظ عائلہ کو خاندان کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔

عائلہ خاندان، مادہ، عول یا عیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں سورت توبہ میں آیا ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا پر بھروسہ رکھو وہ چاہے گا تو تم کو اپنے عمال سے غنی کر دے گا۔ یہاں یہ عیلہ مفلسی کی ایک متبادل قرآت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن قاموس المحیط باب دوم 22:4 کے ایک حاشیہ اور ایک حدیث جو امام غزالی سے نقل کی گئی ہے عیال یا اہل خانہ کی تصدیق ہوتی ہے۔[۱۰]

خاندان کی بنیاد شوہر اور بیوی کے مضبوط رشتے پر استوار ہے۔ یہ رشتہ تب مضبوط ہوتا ہے جب آپس میں محبت، رشتہ داری اعتماد، وفاداری اور بھروسے کا تعلق ہو۔ عائلی زندگی میں شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے خیر خواہ، مددگار اور زندگی کے ساتھی کے طور پر ساتھ ہوتے ہیں۔ دونوں کے کرداروں میں ایک دوسرے کا خیال رکھنا، مدد کرنا، بچوں کی مل جل کر اچھی تربیت کرنا اور گھر میں امن وسکون کو قائم رکھنے میں اپنا حصہ شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسلام میں بھی شوہر کو بیوی کا محافظ کہا گیا ہے اور نان نفقے کی ذمہ داری بھی شوہر کو دی گی ہے۔ عائلی زندگی خوشگوار تب ہوتی ہے جب دونوں کی زندگی میں باہمی مشورہ، برداشت، صبر اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے جیسی صفت ہوں۔ اگر شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو سمجھیں، عزت کے رشتے کا لحاظ کریں اور محبت سے پیش آئیں تو اس سے نہ صرف ان کی ذاتی زندگی خوشحال ہو گی بلکہ پورے خاندان میں امن وسکون کا ماحول پیدا ہو گا۔ یہ رشتہ دنیاوی کے علاوہ روحانی بھی ہے۔ اس سے نسلوں کی تربیت وفلاح ممکن ہوتی ہے۔

عائلی زندگی کا متبادل لفظ (Family) ہے اور عائلی قوانین کے لیے Family law کی اصطلاح

رائج ہے، فیملی کی تعریف Oxford Advanced learners Dictionary میں یوں ملتی ہے۔

> Family group of parents and children.All those persons decended from a common ancestor Group of living thing (plants animal etc) or of language with common characteristics and a common source(11)

پس عائلہ، کنبے، خاندان یا فیملی کی داغ بیل ایک عورت اور مرد کے درمیان ایسے تعلق سے بڑھتی ہے جس کو معاشرے میں قبولیت کی سند حاصل ہو۔ حضرت آدمؑ سے اس تعلق کی ابتداء ہوئی ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ایک معاشرہ انہی کنبوں، خاندانوں اور فیملیز کے اجتماع کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔ ہر معاشرہ اجتماعیت کا متقاضی ہے اس لیے اس اجتماع کو قائم رکھنے کے لیے بعض قوانین وضع کیے جاتے ہیں تاکہ معاشرے کا نظام ٹھیک رہے۔ معاشرہ درم برہم کا شکار نہ ہو اور معاشرے میں اخلاقی تنزلی اور برائیاں پیدا نہ ہو سکیں۔

عائلی نظام کے تناظر میں اسلام نے قوانین کے منضبط طریقہ کار کو فروغ دیا ہے۔ یہ عورت اور مرد کو مختلف حقوق و فرائض کا پابند ٹھہراتا ہے۔ عائلی نظام کی اسلام میں ابتداء معاہدہ نکاح کی صورت میں ہوتی ہے۔ نکاح کے لیے گواہوں اور ولایت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حق مہر اسلامی نکاح میں ایک بنیادی چیز ہے۔ اسلام عائلی زندگی کو منظم اور پر امن بنانے پر زور دیتا ہے۔ اسلام میں مرد و عورت کے درمیان حقوق و فرائض کا واضح نظام موجود ہے۔ اس نظام کو عملی زندگی میں اگر لاگو کیا جائے تو اس نظام کی بدولت ایک مضبوط، بااخلاق اور محبت بھرا ادارہ سامنے آتا ہے۔ اس سے معاشرہ صالح بنیادوں پر پروان چڑھتا ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی اور بچوں کی ضروریات کا خیال کرے اور ان کی ضروریات زندگی کھانا، لباس اور رہائش کے مناسب انتظام کو یقینی بنائے۔ شوہر بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا عمل کرے کیونکہ وہ بیوی کا محافظ اور سرپرست کا درجہ رکھتا ہے۔ زیادہ بیویاں اگر ہوں تو ان سے عدل کرنا اس کے حقوق میں شامل ہے۔ اس طرح بیوی پر بھی شوہر کی اطاعت کرنا فرض ہے۔

بیوی گھر کے انتظام اور بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کرے۔ شوہر کی عزت و راز کی حفاظت اور اس کی غیر موجودگی میں وفاداری بیوی کے لیے بہت ضروری ہے۔ شوہر سے نرمی، محبت اور عزت سے پیش آنا بیوی کے لیے لازمی ہے تاکہ دونوں کی زندگی اچھی طرح گزرے۔ بعض اہم فیصلوں میں شوہر اور بیوی کو

مشورہ کرنا چاہیئے۔ بچوں کی اخلاقی تربیت بھی دونوں کی مشترکہ ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے جو اکیلی پوری نہیں کی جا سکتی۔ عائلی زندگی کو پائیدار بنانے کے لیے برداشت، صبر اور درگزر سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام میں عائلی نظام میں توازن، محبت، عدل اور رحمت جیسی خصوصیات شامل ہیں۔ جب مرد اور عورت کو اپنے حقوق سمجھ آجائیں اور وہ اس کے مطابق زندگی گزاریں تو گھر میں ایک سکون و امن کا ماحول پیدا ہوتا ہے جس سے ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ شہزاد اقبال رقمطراز ہیں۔

> اسلامی قانون کا بنیادی ماخذ قرآن و سنت، اجماع و اجتہاد ہیں، یہ وہ ماخذ ہیں جن کے 21 اصول و کلیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر زمانے اور ہر علاقے کے لیے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔[۱۲]

یہ خانگی نظام اسلام کا وضع کردہ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں پاکستان کے قوانین کو تشکیل دیا جاتا ہے۔ آرڈیننس ۱۹۶۱ کا مسلم قوانین اس حقیقت کا غماز ہے۔ عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ کے آرٹیکل نمبر پانچ میں نکاح کرنے کی اجازت ہر پاکستانی کو حاصل ہے۔ نکاح کا باقاعدہ اندراج یونین کونسل میں کروانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

عائلی سے مراد خاندان سے متعلق خاندان اور نسلی وغیرہ۔ خاندان ایک اجتماعی گروہ کا نام ہے جس کا مقصد لوگوں کی روحانی، جسمانی اور ذہنی سلامتی کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے معاشرتی تعلقات کا محتاج ہوتا ہے۔ انسان کو اپنے وجود، پرورش، تعلیم، صحت الغرض زندگی کے تمام معاملات میں قدم بقدم اس کی ضرورت رہتی ہے۔ انسان بطور سماجی رکن اپنے وجود کے فوراً بعد جس معاشرتی ادارے کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ خاندان کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس ادارے میں زندگی گزارنے کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے۔ بدلتی سماجی صورتحال نے جہاں زندگی کے دیگر امور کو متاثر کیا ہے وہیں عائلی زندگی پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔

خاندان ہر انسان کی سماجی شناخت ہوتا ہے۔ ایک خاندان کی بنیادی اکائی شوہر اور بیوی ہیں۔ کامیاب خاندانی نظام کا انحصار ان دونوں کے باہمی تعلقات پر ہے۔ اگر ان تعلقات میں خلل آجائے تو گھریلو نظام کے ساتھ ساتھ بچے بھی بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ خاندان ہر انسان کی سماجی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں وہ

پیدا ہوتا ہے، پرورش پاتا ہے اور ابتدائی اخلاقی، دینی و ثقافتی تربیت حاصل کرتا ہے۔ عائلی زندگی ایسا نظام ہے جو مرد و عورت کے رشتے سے جڑا ہوا ہے یہ نسلوں تک اثر انداز ہوتا ہے۔ اس ادارے کو مضبوط، بامقصد اور بہترین رکھنے کے لیے واضح اصول موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اس کو مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ انسان کی شخصیت کی بنیاد میں گھر کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اس کے رویے، بول چال، اقدار اور سوچ خاندان ہی متعین کرتا ہے۔ ایک مستحکم اور بااخلاق خاندان کی بدولت بچے کو ایک ایک باکردار شہری بنانے میں مدد ملتی ہے۔ خاندان کی بدولت انسان کو رشتہ داری، ہمدردی، تعاون، ایثار اور سماجی فرائض کا شعور ملتا ہے۔ جب خاندان مضبوط ہوتا ہے تو انسان کو جذباتی تحفظ، پیار اور سہارا ملتا ہے۔ اس اعتماد کی بدولت اسے باہر کی دنیا میں کامیابی کے ساتھ قدم جمانے میں مدد ملتی ہے۔ انسان کا خاندانی پس منظر اس کے سماجی وقار اور عزت کو بڑھانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتا ہے۔ ایک نیک، بااخلاق اور تربیت یافتہ خاندان کی بدولت معاشرے میں فرد کی منفرد پہچان یقینی ہوتی ہے جس کی بدولت اسے مستقبل میں بہت مدد ملتی ہے۔ خاندان صرف انسانوں کی پیدائش کا مقام نہیں بلکہ اس کی اصلی شناخت تربیت گاہ اور سماجی مقام کا آئینہ ہوتا ہے۔ عائلی زندگی کی درست بنیاد ہی ایک صالح فرد اور مہذب معاشرے کی ضمانت بن جاتی ہے۔

ج: سماج اور خاندان: اہمیت و باہمی تعلق

بنیادی طور پر خاندان سماجی ماحول کا نام ہے۔ جسے ہم بچے کے بنیادی تجربات اور مشاہدات کا سرچشمہ کہہ سکتے ہیں۔ خاندان کے افراد نہ صرف بچے کی دیکھ بھال کرنے والے بنیادی افراد ہوتے ہیں بلکہ وہ آس پاس رہنے والے بچے کے ابتدائی لوگ بھی ہوتے ہیں۔ خاندان کا کردار بچے کی نگہداشت میں صرف سماجی عمل ہی نہیں بلکہ ایک بنیادی کردار ہوتا ہے۔ جس میں ثقافتی اقدار سے بچے کو واقف کیا جاتا ہے۔ خاندان کے سماجی و معاشی مسائل اور بچے کی نگہداشت اور دیکھ بھال کی صلاحیت، تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں، خاندان کے افراد کی صحت اور خاندان کے تعلقات بھی بچے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سماجی عمل کے ذریعے بچے اپنے سماجی کردار اور اخلاقی کردار کے بارے میں جانتے ہیں۔ بچے اور والدین کے باہمی تعلق میں سماجی عمل مختلف دائروں کی مدد سے تشکیل پاتا ہے۔ اپنے خاندان سے بچے پہیلیوں، گیتوں، داستانوں اور کہاوتوں کی مدد سے سیکھتے ہیں جو مختلف رسم و رواج کی مدد سے انہیں آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشرہ بچے سے متوقع رویے کے ماڈل کا کردار ادا کرتا ہے۔ ایک خاندان میں کئی افراد ہوتے ہیں جیسا کہ ماں باپ، بہن بھائی، دادا دادی اور دیگر

رشتہ دار جو بچے کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ لوگ اپنائیت، احساس تحفظ، سماجی ہم آہنگی اور گروہی ربط کا بھی احساس فراہم کرتے ہیں۔ سماج اور خاندان کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ ہے۔ خاندان سماج کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا ہے اور سماج کی تشکیل کا انحصار خاندانی مجموعوں کی تشکیل سے جڑا ہے۔ ایک مضبوط، بااخلاق اور منظم خاندان کی بدولت ایک صالح اور پرامن سماج کی بنیاد پڑتی ہے۔ جبکہ ایک بگاڑ زدہ خاندان سے پورا معاشرہ شدید متاثر دکھائی دیتا ہے۔ خاندانی سماج ایک ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے جہاں فرد کی تربیت، اخلاقی نشوونما اور شعور کی بنیاد پڑتی ہے۔ عائلی زندگی میں محبت، ایثار برداشت اور ذمہ داری جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں جو سماجی زندگی میں کردار سازی کے طور پر کام آتے ہیں۔ سماج میں امن واستحکام کا انحصار خاندان کے اندر مضبوط تعلقات پر ہیں۔ خاندان میں قائم اصولی نظام فرد کو معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ خاندان اور سماج کا تعلق باہمی انحصار سے جڑا ہے۔ ایک اچھی عائلی زندگی نہ صرف فرد کو سنوارتی ہے بلکہ اس کی بدولت پورے سماج میں بہتری اور ترقی یقینی بناتی ہے۔ عائلی زندگی کی اصلاح کی بدولت ہی سماجی اصلاح ممکن ہے۔

خاندانی نظام فرد کی ابتدائی سماجی تربیت کا مرکز ہوتا ہے۔ بچے کی سماجی نشوونما اور سیکھنے کے آغاز میں سب سے بڑا کردار گھر اور اس کے ماحول کا ہوتا ہے۔ خاندان نہ صرف بچوں کو سماجی اقدار سکھانے میں کردار ادا کرتا ہے بلکہ اس کے کردار اور اخلاقیات کی تعمیر میں بھی اہم کردار اسی کا ہوتا ہے۔ والدین بچوں کی تربیت اور ان کی عملی زندگی کی بنیاد رکھنے میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے رویے اور سلوک بچے کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ خاندانی نظام بچوں کو دوسرے رشتوں جیسے دادا دادی، نانا نانی اور بہن بھائی کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جس سے سماجی ربط وضبط پیدا ہوتا ہے۔ خاندان ایک ایسی جگہ ہے جہاں بچوں کو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی، حمایت اور جذباتی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ خاندان انسان کی سماجی شناخت کی پہلی درسگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بچے کی ابتدائی تربیت، اخلاقی اقدار، سماجی رویے اور کردار سازی کا عمل خاندان سے ہی جنم لیتا ہے۔ والدین اور دیگر افراد خانہ بچے کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندان کے اندر محبت، تعاون اور احترام پر مبنی تعلقات بچے کو سیکھنے اور بہتر انسان بننے میں مدد دیتے ہیں۔ عائلی زندگی فرد کو زندگی کے عملی میدان میں کامیاب بنانے کی بنیاد کا کردار ادا کرتی ہے۔ خاندان ایک ایسی اکائی ہے جہاں بچے کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ بچوں کی ابتدائی

تعلیم، سماجی آداب، اخلاقی اقدار اور رویے سب کچھ سکھانے میں خاندان کا اہم کردار ہوتا ہے۔ والدین اور دیگر افراد بچے کی تربیت میں معاون ہوتے ہیں۔ اس طرح بچے عملی زندگی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

اس لیے خاندان بچے کے لیے ایک بنیادی اور مستحکم ماحول کا نام ہے جس میں وہ بھرپور نشوونما اور فروغ پا سکتا ہے۔ خاندان میں بچوں کو سپورٹ کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں ایک تعلق کے لیے احساس تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ والدین کے درمیان گفتگو کے موثر انداز کی ضرورت اس وقت پڑھتی ہے جس طرح سے صحت مند انداز میں چلنے کے لیے ایک خاندان کو ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی بات کو سنیں۔ ایک دوسرے کا احترام کریں اور خاندان کے دیگر افراد کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کر سکیں۔ اس طرح ایک صحت مند گھرانے کی خصوصیات، محبت، احترام، برداشت، تحمل، احساس تحفظ، باہمی احترام، دوسروں کی مدد خود کو قبل قدر محسوس کرنا ہے۔

کسی بھی خاندان کی بھلائی اور صحت کا انحصار انفرادی اور ذاتی عوامل کے علاوہ وسیع تر سماجی عوامل پر بھی ہوتا ہے۔ سماجی تعلق دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان رابطے کو کہتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے انسانی زندگی میں مسائل کے مناسب اور بروقت حل کے لیے اچھے روابط بہت ضروری ہیں۔ ازدواجی زندگی کے لیے بہت اہم ہے کہ وہ آپس میں بااعتماد رابطے میں ہوں تاکہ ان کے مسائل کو حل اور رہنمائی مل سکے۔ اچھے روابط میں باہمی احترام کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ خاندان کی بھلائی اور صحت کا انحصار صرف ذاتی یا انفرادی عوامل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ کئی دیگر عوامل جیسے معاشی اور سماجی عوامل سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ایک خاندان کی مالی حالت کا اس کی صحت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

زیادہ آمدنی والے لوگ صحت مند غذا، بہتر رہائش اور معیاری علاج کی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ مستقل اور محفوظ روزگار نہ صرف آمدنی فراہم کرتا ہے بلکہ اس سے ذہنی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس سے صحت پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دوسری طرف غربت میں زندگی گزارنے والے افراد غذائی قلت، ناقص رہائش اور صحت کی سہولیات تک محدود رسائی جیسے مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ اس سے ان کی مجموعی فلاح متاثر ہوتی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد زیادہ بہتر صحت کی دیکھ بھال کو ممکن بنا سکتے ہیں کیونکہ وہ صحت سے متعلق معلومات کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ صاف ستھرا اور محفوظ محلے کی بدولت صحت مند

زندگی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ گندگی، آلودگی اور جراثیم سے بھرے علاقوں کو بیماریوں سے خطرہ جیسے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ خاندان، دوستوں اور کمیونٹی سے ملنے والی حمایت سے ذہنی صحت بہتر ہوتی ہے۔ بعض سماجی یا مذہبی روایات صحت کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ جیسے علاج کے طریقے، غذا یا جسمانی سرگرمیوں کے انتخاب۔ صحت اور فلاح صرف انفرادی کوششوں یا طرز زندگی پر نہیں بلکہ اس بات پر بھی منحصر ہوتا ہے کہ وہ فرد یا خاندان کسی قسم کے معاشی و سماجی ماحول میں رہ رہا ہے۔ پالیسی سازوں کو ان عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے صحت اور فلاح کے پروگرامز تشکیل دینے چاہیئے۔ اس سے ایک متوازن اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

د: عائلی زندگی کی مختلف صورتیں اور تاریخی مطالعہ

عائلی زندگی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ شادی محض ایک لفظ کا نام نہیں بلکہ ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو دو انسانوں پر زندگی کے نئے در ہونے کے خیال سے طاری ہو جاتی ہے۔ خاندان ہر انسان کی سماجی شناخت ہوتا ہے۔ ایک خاندانی نظام کی بنیادی اکائی شوہر اور بیوی ہے۔ شوہر اور بیوی کی اکائیوں کا انحصار آپس کے تعلقات پر منحصر ہے۔ اگر تعلقات آپس میں اچھے ہیں تو ایک خوشگوار عائلی زندگی ہو گی۔ لیکن اگر ان کے تعلقات آپس میں اچھے نہیں تو اس کا اثر ان کے بچوں پر بھی ہو گا۔ عائلی زندگی دو چیزوں سے عبارت ہے۔ شوہر، بیوی اور ان کی اولاد اور دوسرا ان کے تعلق کے نتیجے میں بننے والے سماجی، معاشرتی اور سماجی فضا۔ شادی ہر فرد کی زندگی میں ایک نہایت ہی اہم مرحلہ ہے کیوں کہ وہ زندگی کی کتاب کا ایک نیا ورق پلٹتا ہے، فرائض اور نئی ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے۔ اپنی قابلیت اور اہلیت کو بروئے کار لاتا ہے۔ خوشی اور کامرانی کا عنصر بھی ان ذمہ داریوں میں غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کا مقصد اگر ایک طرف فطری خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے تو دوسرے طرف ایک ایسے رفیق حیات کا اصول ہے جو بروقت دکھ درد، خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔

عائلی زندگی کی مختلف صورتیں موجود ہیں کہ پاکستانی معاشرے میں عورت کی حیثیت ایک ایسے فرد کی مانند ہے جس کی معاشرے میں خاندان کی ساخت اور نوعیت پر نظر ڈالی جائے تو صنعت کاری اور شہری زندگی کا زور بڑھنے کی وجہ سے پاکستان میں خاندان کی ساخت اور نوعیت بہت تیزی سے بدل رہی ہے۔ اس لیے خاندان کی مختلف صورتیں پیش کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی یہ کہنا بجانہ ہو گا کہ عمومی طور پر عائلی زندگی کا

ڈھنگ ہمارے معاشرے میں ایسا ہے کہ اس میں ایک مرد کا سرپرست ہونا بہت ناگزیر ہے۔ تاریخی حوالے سے نظر دوہرائی جائے تو معاشرے میں سب سے پہلے مادر سری کا نظام موجود تھا۔ اس میں ایک عورت کو سرپرست کی حیثیت حاصل تھی۔ محمد حسن انسانی شعور کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> انسان اور حیوان میں صرف تعلق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔(۱۳)

خاندان معاشرتی نظام کے حوالے سے ایک بنیادی اکائی ہے۔ جو بچوں کی تربیت، ان کی ابتدائی سماجی زندگی، اخلاقی اقدار اور رویوں کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ بچے صرف گھر میں پرورش نہیں پاتے بلکہ خاندان ان کے رویوں، صلاحیتوں اور سماجی شعور کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ والدین اور خاندان کے افراد بچوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ خاندان بچوں کو تعلیم، سماجی مسائل سے نمٹنے اور مختلف حالات میں برتاؤ کے طور طریقے سمجھاتا اور سکھاتا ہے۔ یوں خاندان بچے کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

خاندان کو معاشرتی نظام کی ایک بنیادی اکائی تصور کیا جاتا ہے جو بچوں کی تربیت اور انھیں ابتدائی سماجی زندگی کی بنیاد فراہم کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ خاندان بچوں کی نہ صرف اخلاقی و سماجی تربیت کرتا ہے بلکہ ان کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کرنے میں بھی پیش پیش ہے۔ والدین خاص طور پر ماں بچوں کی تعلیم و تربیت اور فیصلہ کرنے میں اہم کردار تصور کی جاتی ہے۔ بچوں کی پرورش اور نشوونما میں خاندانی ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

بچے پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عورت تمام ذمہ داروں اور فیصلہ کرنے میں خود مختار تھی۔ اس کو گھر کے ایک سرپرست کی حیثیت حاصل تھی۔ یوں ہی معاشرے میں جب جب تبدیلیاں رونما ہوئیں تو معاشرہ مادر سری سے پدر سری میں منتقل ہوا تو سرپرستی بھی ایک عورت کی جانب سے مرد کی جانب منتقل ہو گئی۔ مرد خود کو سربراہ کے ساتھ گھر کے تمام فرائض کی ذمہ داریوں کو بھی نبھاتا ہے، شوہر اپنی جسمانی ساخت، مردانہ طبیعت و جدلت اور عائلی ذمہ داریوں کے باعث اپنے آپ کو گھر کا سربراہ منوانا چاہتا ہے۔ گھر ایک چھوٹا معاشرتی ادارہ ہے۔ کسی بھی چھوٹے اور بڑے ادارے کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے نظام کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انتظامی اور عقلی ہونا بہت ضروری ہوتا

ہے۔اس ادارے میں کسی کو بھی کم تر نہیں سمجھا جا سکتا۔یہ ایک انتظامی ادارہ ہے جس کے بغیر یہ ادارہ نہیں چل سکتا، لیکن مرد خود کو ایک خاندان کا سربراہ سمجھتا ہے۔عائلی زندگی اور تمام امور میں اس کو کلی اختیار ہوتا ہے۔خاندان کے تمام افراد اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔زندگی کے روزمرہ امور میں اس کی رائے اور مشورے پر عمل کرنا ہوتا ہے۔خواہ زندگی کا کوئی معمولی واقعہ ہو یا زندگی کا کوئی اہم اقدام ہو یہی سرپراست خاندان کی معاش کا کفیل ہوتا ہے۔اگر کوئی دوسرا ذریعہ معاش رکھتا ہو تو اس کو اپنی آمدنی خاندان کے سرپرست کے حوالے کرنا ہوتی ہے یا اس کے مشورے کے مطابق اس آمدنی کو خرچ کرنا ہوتا ہے۔انسان پیدائش سے موت ساری زندگی اپنے خاندان میں گزارتا ہے۔مختلف رشتوں کی بنا پر خاندان کے افراد ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔معاشرہ خاندان کا ایک اہم جز ہے۔خاندان پر معاشرے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ہ: گروہی، قبائلی، انفرادی خاندان کی نوعیتیں

انسانی معاشرے کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان کا۔معاشرے سے مراد افراد کا ایک گروہ ہوتا ہے جس میں بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے افراد ایک دوسرے سے مشترکہ روابط قائم ہیں۔ایک ہی مذہب اور ایک ہی قوم سے معاشرہ مراد نہیں لیا جاتا۔بلکہ کسی خاص مذہب اور کسی خاص قوم کی تاریخ کے حوالے سے جب بات کی جاتی ہے تو معاشرے کے اضافے کا نام بھی اس کے ساتھ دیا جاتا ہے۔جیسا کہ گروہی معاشرہ، قبائلی معاشرہ، انفرادی معاشرہ، اسلامی معاشرہ وغیرہ۔جس میں لوگ اپنی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے مختلف گروہوں کی صورت میں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔جس طرح ایک فرد اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا نہ اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔اسی طرح ایک قبیلے یا گروہ میں کوئی فرد اکیلا نہیں رہ سکتا۔ہر انسان کو دوسرے انسان کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔مساوی انسان کا حق معاشرے کے اندر ہر انسان کو دیا جاتا ہے۔ایک گھر انسان سے ہی بنتا ہے اور ایک پورا معاشرہ تخلیق پاتا ہے۔

انسان کی بدولت ہی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔وہ معاشرہ گروہ کی صورت میں قبائل اور انفرادی خاندانوں کی صورت میں تشکیل پاتے ہیں۔انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اسے کسی اچھائی اور برائی کا پتہ نہیں ہوتا۔اور معاشرہ ایک فرد کو اچھا اور برا انسان بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ایک بچہ اگر قبائلی علاقے میں پیدا ہوتا ہے تو اس پر قبائلی خاندان کے اثرات رونما ہوتے ہیں۔اور اگر پڑھے لکھے گھر میں پیدا ہو تو اس کا کردار بھی اچھا اور معزز انسان جیسا ہو گا۔اگر کوئی بچہ قبائلی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے جہاں پڑھائی اور

دیگر بینادی ضروریات کا سامان نہیں ہے تو اس پر اس معاشرے کے منفی اثرات براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔

ہر خاندان فرد کو اچھا انسان بننے اور مجرم بننے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جہاں فرد سے خاندان تشکیل پاتے ہیں تو وہیں کئی صدیوں سے خاندانوں کے سادہ زرعی کمیونٹیوں نے بڑی پیچیدہ بڑی بڑی صنعتیں تشکیل دے رکھی ہیں۔ شروع میں باقاعدہ خاندانوں کا نظام نہیں تھا پھر انسان نے خوراک کی تلاش میں شکار، جنگل، پھلوں اور سبزیوں پر اکتفا کیا۔ اور اس طرح بعض میں انسانوں نے جانوروں کو سدھا کر خوراک اور اپنے لباس کی ضروریات کو پورا کیا۔ پھر مزید جائزہ لیا جائے تو Pasporal society میں خانہ بدوش انداز کو برقرار رکھ کر ایک جگہ رہائش اختیار کی اور سبزیوں وغیرہ کی کاشت ہوئی۔ جس کی بدولت خوراک کا حصول آسان ہوتا گیا(Horiticulatural Society) ہارٹیکلچر سوسائٹی میں ہل کی ایجاد نے کاشت کاروں کو جدید سہولیات سے آراستہ کیا جس سے زراعت کے شعبے میں جدت آئی اور اسی کی بدولت معاشرتی ادارے قائم ہوئے۔ اس طرح آبادی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ معاشرتی طبقات، علوم وفنون کی ترقی، نئ ایجادات، ضروریات زندگی کی طلب میں اضافہ، دستکاریوں کا صنعتی روپ کی صورت میں سامنے آنا اور معاشرے میں صنعتی انقلاب یہ سب معاشرے میں ایسے تغیرات ہیں جنہوں نے معاشرے کے خاندان اور افراد کو مکمل مکمل طور پر کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس سے خاندان اور افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر وحید عشرت رقمطراز ہیں:

> قدیم انسان پھل، پتوں اور جڑوں پر گزارا کرتا اور غاروں اور درختوں میں رہتا تھا مگر جب اس نے پتھروں اور لوہے کے اوزار بنائے تو اس نے مچھلیوں اور شکار کو بھون کر کھانے، تیر بنانے، زرعی آلات ایجاد کرنے کے بعد ٹیکنالوجی کے ابتدائی دور میں قدم رکھا تو اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ نئ سیاسی اور سماجی تحقیق اور سماج اور ریاست کو وجود میں لائے۔[۱۴]

انسانی زندگی کا ابتداء وہ معاشرہ ہے جس میں خوراک کے لیے شکار اور جنگلی پھلوں کے لیے اپنا نظام چلاتے تھے۔ گروہوں کی شکل میں چند افراد بکھرے ہوئے گروہوں پر مشتمل خانہ بدوشی کرتے تھے۔ ان کی ضروریات زندگی اس سے پوری ہوتی تھیں۔ خاندان کے علاوہ مذہبی اور معاشرتی ادارے کے حوالے سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔ گلہ بان جیسے معاشرے تقریباً بارہ ہزار اور دس ہزار سال قبل منظر عام پر

آئے۔ جانوروں کو پکڑ کر شکاری معاشرے کے لوگوں نے اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنا شروع کیا۔ دودھ اور بھیڑ بکریاں انسانی خوراک کا ایک بڑا ذریعہ تھے۔ یہ معاشی وسائل اور جانوروں کا ذریعے بننے سے آبادی میں اضافہ ہوا۔ معاشرے نیم کلیم اور خانہ بدوش کی شکل میں بدل گئے۔ اس سے کچھ افراد زیادہ طاقت ور بن گئے۔ اس سے غریب اور دولت کے دریچے وجود میں آئے۔ اس کی بدولت سیاسی، معاشی اور سماجی ادارے بھی وجود میں آئے اور معاشرے کی سربراہی کا بھی آغاز ہونے لگا۔ باغبان معاشرہ اس وقت وجود میں آیا جب معاشرے اور مختلف خاندانوں کے لوگوں نے شعوری طور پر پھل اور سبزیوں کو کاشت کرنا شروع کیا۔ تقریباً دس اور بارہ ہزار قبل کا یہ زمانہ لوگوں کی زندگیوں میں جو میدانی علاقوں سے وابستہ تھے تغیر پیدا ہوا۔ جنگلوں کو جڑی بوٹیوں کی مدد سے جلا کر صاف کیا گیا۔ آہستہ آہستہ آبادی میں اضافہ ہوا۔ ساتھ ساتھ معاشی اور سیاسی ادارے بھی وجود میں آئے۔ جب گروہی، قبائلی اور انفرادی خاندانوں میں تجارت شروع ہوئی۔ اس اقامتی ادارے وجود میں آئے۔ جس کی بدولت گھروں کی تعمیر، کاشت کاروں کے آلات کی ایجادات اور دیگر ایسے تغیرات آئے جس سے خاندانوں اور اس میں رہنے والے افراد کی زندگی مکمل طور پر بدل گئی۔

زرعی معاشرے کی بدولت زراعت کے شعبے میں جب انقلاب برپا ہوا تو تقریباً چھ ہزار قبل ہل کی ایجاد نے زراعت کے شعبے کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ زیادہ مقدار میں زمین سے پیداوار حاصل کی جانے لگی۔ موچی، ترکھان اور جولا جیسے پیشے بھی قائم ہوئے۔ گروہوں اور قبیلوں میں جہاں آبادی میں ایک طرف اضافہ ہوا وہیں ان کے روابط بھی آپس میں بڑھنے لگے۔ اس سے ریاست کی نمایاں صورت سامنے آئی۔ خاندان اعلیٰ اور ادنی طبقوں میں تقسیم ہو گیا۔ صنعتی معاشرے نے بھی خاندانی نظام پر مختلف طرح کے اثرات مرتب کیے۔ صنعتی معاشرے کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو اس کا آغاز اڑھائی صدی قبل شروع ہوا۔ اس دور میں مختلف خاندانوں کی زندگیوں کا انحصار مشینی پیداوار پر ہوا۔ معاشی سرگرمیوں میں اس دور نے نئی صورتحال اختیار کر لی۔ کام کے بوجھ نے صنعتی معاشرے کو ترقی کی جانب گامزن کر دیا۔ روایتی معاشرے بلدیاتی معاشرے کی شکل اختیار کرنے لگے۔ آبادی میں اضافہ اور دیگر سہولیات کے اضافے نے روزگار کے نئے مواقع میسر کیے ہیں۔ حکومت نے ایک منظم اور پوری زندگی کو محیط کرنے والے ادارے نے صنعتی معاشرے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ وہیں تعلیمی اداروں کو بھی بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ معاشرتی

اداروں کے طور پر سائنسی علوم ابھر کر سامنے آیا ہے۔ پولیس، فوج اور بیوروکریسی بہت منظم ادارے بن گئے ہیں۔ اس طرح ثقافت ایک نیا رخ اختیار کر گئی ہے۔ پرانے رسم ورواج اور قدیم روایات کی بجائے جدید طرز زندگی کو پسند کیا جانے لگا۔ اس طرح معاشرے میں انقلاب برپا ہوا ہے۔ عبدالحمید سالک رقم طراز ہیں

> انسانی ترقی کا مشعل بردار جلوس رواں رہتا ہے ارتقاء کی ترقی میں نسلیں اور قومیں افراد ہی کی طرح بے حقیقت ہوتی ہیں۔ افراد بھی اور نسلیں، سلطنتیں اور تہذیبیں بھی گزر جاتی ہیں لیکن انسان آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اصل چیز انسان کی مجموعی ترقی ہے اور اس کی حرکت میں ہم دیکھتے ہیں کہ علیحدہ علیحدہ دھارے مل کر وسیع تر ندیوں کی صورت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ترقی کا مقصد پیش قدمی نہیں بلکہ اس کا مقصد روز افزائی توسیع ہے جو مسلسل طور پر نسل انسانی کو ایک منظم اور مشترک نمو کے وسیع تر دائروں کے اندر شامل کرتے ہیں۔ (۱۵)

گھر ہمیشہ ایک انسان سے بنتا ہے اور گھر سے ہی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ کردار انسان کی فکر پر منحصر ہے۔ جس کی وجہ سے ایک معاشرہ انسان خود تشکیل دیتا ہے۔ جب انسان کو بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے دوسرے انسانوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ انسانوں نے روابط قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تاکہ اپنی تمام بنیادی ضروریات پوری کر سکیں۔ کوئی بھی انسان اکیلے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ایک فرد کے بغیر نہ ہی دوسرے انسانوں میں شعور آتا ہے اور نہ زندگی گزارنے کا کوئی سلیقہ آتا ہے۔ بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے افراد نے آہستہ آہستہ گروہوں میں رہنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ اپنی ضروریات کی تکمیل میں مگن ہو گئے۔ گھریلو زندگی انسان کی شخصیت کی پہلی درسگاہ سمجھی جاتی ہے۔ انسان گارے کی مانند ہوتا ہے جسے گھر یعنی خاندان شکل دیتا ہے۔ جب فرد کی تربیت درست ماحول میں ہو تو ایک اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ گھر انسان کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کی جگہ ہوتا ہے جس کی جھلک وسیع معاشرے میں دکھائی دیتی ہے۔ معاشرہ بھی اسی صورت پرامن ہوتا ہے جب گھر کا نظام درست ہو۔ انسان کی شخصیت سازی میں گھر اور اس کے رہنے والے افراد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی گھر سے ایک گھرانہ تشکیل پاتا ہے۔ عائلی زندگی میں فکری واخلاقی تربیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہی تربیت بہترین معاشرے کی تشکیل کی ضامن ہے۔ ڈاکٹر احمد رضا لکھتے ہیں۔

> انسان مدنی الطبع ہے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کرنے کا فطری رجحان ہے اپنی

ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسرے انسانوں کا محتاج ہے۔ سیدنا آدمؑ اور سیدنا ہوا علیہ السلام اللہ کی زمین پر آباد ہونے کے ساتھ ہی پہلا انسانی معاشرہ اور پہلا خاندانی نظام وجود میں آیا۔[۱۶]

گھر انسان کی بنیادی ضرورت ہے جو اس کی شخصیت کی تشکیل اور سماجی زندگی کو رواں رکھنے میں اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ انسان فطری طور پر ایک معاشرتی مخلوق تصور کیا جاتا ہے جسے تنہا زندگی گزارنے میں بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عائلی زندگی انسان کو جذباتی تحفظ، سماجی ربط اور باہمی تعاون کے حوالے سے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ خاندان کے ذریعے انسان نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرتا ہے بلکہ زندگی گزارنے کا سلیقہ، تہذیب اور اخلاقیات کو بھی سکھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسان کی مکمل نشوونما اور خوشگوار زندگی کے لیے خاندان ایک لازمی حصہ ہے جس کے بغیر وہ نامکمل ہے۔ عائلی زندگی میں خاندان اور گھرانہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ محبت، تحفظ، سکون اور سہارا کا ضامن ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت میں تنہائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خاندان اسے جذباتی، اخلاقی اور معاشرتی سہارا دیتا ہے۔ ایک مضبوط عائلی نظام ہی ایک متوازن اور خوشحال معاشرے کو تشکیل دیتا ہے۔

معاشرہ اس وقت مستحکم ہو سکتا ہے جب اداروں اور نظریاتی رویوں کے حوالے سے مضبوط ہو۔ معاشرہ اس وقت مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے جب اس کے ادارے جیسا کہ خاندان، تعلیم، مذہب، حکومت مضبوط ہوں۔ اس طرح نظریاتی رویے جیسے اقدار، اخلاقیات، اصولوں کی پائیداری بھی معاشرے کو مستحکم کرتی ہے۔ نظریات ہی وہ بنیاد ہوتے ہیں جو فرد کی سوچ، طرز زندگی اور برتاؤ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک مضبوط نظریاتی نظام ہی وہ بنیاد ہے جو خاندان کو بکھرنے سے بچاتا ہے اور معاشرتی ہم آہنگی کے فروغ میں کردار ادا کرتا ہے۔ جب خاندان نظریاتی طور پر مضبوط ہوتا ہے تو اس کے معاشرے میں مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ ترقی اور استحکام کی طرف بڑھتا ہے۔ معاشرہ تب مستحکم ہوتا ہے جب اس کے ادارے اور نظریات مستحکم ہوں۔ کیونکہ یہی نظریات خاندان معاشرے کی بقا اور ترقی میں کردار ادا کرتے ہیں۔ نظریات کی وجہ سے ہی خاندان اور معاشرے کی بقا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں

ہر خاندان کسی نظریات یا نظریے پر مشتمل ہوتا ہے، کیونکہ وہ نظریات ہی خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان نظریات کی وجہ سے بعض اوقات رویے بھی تشکیل پاتے ہیں۔ مستحکم معاشرے اپنے نظریات رویوں اور اداروں کے استحکام کے بارے میں

احساس ہوتے ہیں اور آسانی سے انہیں تبدیل نہیں ہونے دیتے۔ تاہم بعض داخلی اور
خارجی عوامل ایسے ہوتے ہیں جو خاندان کی تغیر پذیری پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[۱۷]

نظریات معاشرے کی بنیاد اور بقا کے ضامن ہوتے ہیں۔ اس سے انسان کی سوچ، کردار اور رویوں کی سمت متعین ہوتی ہے۔ نظریاتی ہی انسان کو سچائی، برائی، حق اور ناحق کے بارے میں آگاہی دینے کے ضامن ہوتے ہیں۔ انہیں اپنانے سے فرد اور معاشرہ دونوں مثبت سمت کی طرف بڑھتے ہیں۔ ایک نظریاتی طور پر مضبوط معاشرہ ہی باوقار، مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے۔ نظریات کسی بھی معاشرے کی فکری اور اخلاقی بنیاد کی ضمانت ہوتے ہیں۔ ان سے اس بات کو طے کرنے میں مدد ملتی ہے کہ معاشرے میں کیا درست ہے اور کیا غلط ہے، کون سے اصولوں پر عمل درآمد کر کے زندگی بسر کی جائے اور کن باتوں سے گریز کیا جائے۔ افراد کے طرز عمل کے بارے میں بھی یہی نظریات رہنمائی کرتے ہیں۔ جب ایک معاشرہ ہے کی بنیاد مشترکہ نظریات پر ہوتی ہے تو وہاں، اتحاد، نظم، عدل اور اخلاقی اقدار فروغ پاتے ہیں۔ اگر نظریات کمزور ہوں یا ان میں اختلاف ہوں تو معاشرہ انتشار، فساد اور بے سمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے نظریات کو معاشرتی ڈھانچے میں اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ان ہی کے ذریعے معاشرہ اپنی شناخت، مقصد اور سمت کو متعین کر سکتا ہے۔

فرد کی شخصیت میں تنہائی کا احساس بہت ساری خامیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ انسان فطرتاً گروہ پسند ہوتا ہے اور گروہی جبلت بھی رکھتا ہے۔ فرد کی زندگی اکیلے غیر مطمئن ہوتی ہے۔ فرد کی شخصیت میں اگر تنہائی کا احساس پیدا ہو جائے تو اس سے اس کو ذہنی، جذباتی اور اخلاقی مسائل جیسی دشواریاں آتی ہیں۔ اس سے وہ احساس کمتری، اضطراب، بے اعتمادی اور منفی رویوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ عائلی زندگی اس تنہائی کا بہترین علاج ہے۔ خاندان فرد کو محبت، توجہ، تحفظ اور اپنائیت فراہم کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ عائلی رشتے انسان کی جذباتی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور ایک مثبت ماحول فراہم کرتے ہیں۔ اس سے فرد خود کو اہم اور قابل قبول محسوس کرنے لگتا ہے۔ تنہائی سے فرد کی شخصیت میں کئی خامیاں پیدا ہوتی ہیں مگر عائلی زندگی محبت، ساتھ اور تحفظ دے کر ان خامیوں کو دور کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ ایک متوازن اور پر اعتماد شخصیت کی تشکیل میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے۔

گروہی جبلت کا سامان خاندان ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ خاندانی گروہوں میں رہنے والے افراد نہ صرف اپنی بنیادی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ذہنی سکون میں بھی انہیں تسکین ملتی ہے۔ کسی بھی خاندان

کے اندر کوئی بھی فرد اکیلے اپنی تربیت نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمیشہ خاندان، سماج اور معاشرے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ معاشرہ اپنی مختلف اکائیوں کے ذریعے خاندان، پڑوس اور مدرسہ وغیرہ ایسی اکائیاں ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں موجود فرد کی سماجی تربیت کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر شعیب عتیق خان رقمطراز ہیں

> کہ زمین، نسل اور ثقافت معاشرے کے تشکیلی عناصر کا کردار ادا کرتے ہیں۔ مارکس کے نزدیک خاندان کی حقیقی بنیاد اور اس کا حقیقی سرچشمہ افراد کے درمیان معاشی رشتوں میں پوشیدہ ہے۔ معاشرے کے تشکیلی عناصر میں زمین، نسل اور ثقافت کے ساتھ ساتھ معاشی رشتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کچھ اور عناصر بھی ہیں جو کسی بھی خاندان کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں مختلف خطرات ہر وقت کسی نہ کسی صورت میں انسان کی زندگی میں موجود ہوتے ہیں اور انسان تنہا ان خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس کی وجہ سے خاندانی معاشرہ وجود میں آیا۔[۱۸]

خاندانی معاشرے سے پہلے انسانی جان ومال کی کوئی حفاظت اور تحفظ نہیں تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو جانوروں کی طرح چیر پھاڑ دیتے تھے۔ انسانی معاشرے کے قیام سے پہلے انسان غیر منظم اور وحشی حالت میں زندگی گزرتا تھا۔ قانون اور ضابطے کا کوئی نظام نہیں تھا۔ ہر فرد اپنی طاقت کے بل پر دوسروں پر ظلم کرتا تھا۔ اس طرح جان ومال کی حفاظت کا مسئلہ درپیش رہتا ہے۔ معاشرے نے انسان کو تہذیب، قانون اور تحفظ دیا ہے جس سے امن و انصاف اور انسانی حقوق کی بنیاد پڑی ہے۔ عائلی زندگی میں انسانی جان ومال کی قدر وقیمت اہم ہے۔ خاندان محبت واحترام اور تحفظ کا گہوارہ ہوتا ہے۔ گھر میں ہر فرد کی جان ومال کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس ہی احساس کی بدولت معاشرے میں بھی احترام، ہمدردی اور ذمہ داری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عائلی نظام دوسرے کے حقوق کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس سے معاشرہ پرامن اور محفوظ ہوتا ہے۔

ان خطرات کے خاتمے کے لیے افراد نے خاندانی اجتماع میں رہنا شروع کر دیا۔ اجتماع میں رہنے کے لیے اور انسانوں کے جان ومال کے تحفظ کے لیے معاشرے کے اندر قوانین تشکیل دیئے گئے جس کی وجہ سے انسانی جان ومال محفوظ ہو گئی۔ کوئی بھی خاندان مختلف نظریات کے مجموعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں خاندانی نظام منظم نہیں ہوا کرتا تھا۔ معاشرہ بکھرا ہوا تھا۔ انسان انسان کا دشمن تھا۔ ہر طرف ظلم وستم کا بازار گرم تھا۔ اس کی وجہ اس زمانے میں خاندانی نظام مکمل طور پر تشکیل نہیں ہوا تھا۔ انسان فطری جبلت کے تحت زندگی گزارتا تھا۔ اس دور میں اخلاقی اصولوں کا بہت کم نام تھا بلکہ زیادہ تر جگہوں پر قوانین وانصاف نہیں

تھے۔ طاقت کا راج تھا۔ انسان انسان کا اس لیے دشمن بن گیا تھا۔ الغرض درندگی، ظلم، قتل، لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ خوراک، پانی، پناہ گاہ وغیرہ جیسے ضروری وسائل کی قلت کی بدولت انسانوں میں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ بقاء کے لیے دوسروں کو مارنا یا لوٹنا عام چلن تھا۔ کوئی باقاعدہ ریاست،، عدالت اور انصاف کا نظام موجود نہیں تھا۔ طاقتور حق پر ہوتا تھا۔ انسان میں اجتماعی زندگی گزارنے کا شعور پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہر فرد اپنی ذات اور قبیلے تک محدود تھا۔ دوسرے افراد کی جان و مال کی کوئی قدر نہ تھی۔ ابتدائی انسانوں میں اخلاقی ضابطے، مذہبی رہنمائی یا روحانی تعلیمات کا تصور بہت کم تھا۔ اس لیے انسانوں نے زیادہ تر درندوں کی مانند زندگی گزاری۔ قبیلے یا افراد ایک دوسرے پر حملے کرتے تھے۔ قدیم زمانے میں قبیلے یا افراد ایک دوسرے پر رحم نہیں کرتے تھے تاکہ خوراک، خواتین یا زمین پر قبضہ کیا جاسکے۔ جان کی کوئی قدر نہیں تھی صرف طاقت اور فائدہ معیار ہوتا تھا۔ ابتدائی ادوار میں خاندانی نظام اور سماجی رشتوں کے فقدان کی بدولت انسان درندگی کی سطح پر تھا۔ یہ انسانی ارتقاء کی وہ حالت تھی جہاں قانون، اخلاق اور ہمدردی ابھی جنم نہیں لے پائے تھی۔ بعد میں تمدن، مذہب، علم اور شعور کی بدولت انسان مذہب بنا اور اس طرح سے انسانیت کا آغاز ہوا۔ معاشرہ اس وقت مستحکم ہو سکتا ہے جب اداروں اور نظریاتی رویوں کے حوالے سے مضبوط نظریات کی وجہ سے ہی خاندان اور معاشرے کی بقا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں

> ہر خاندان کسی نظریات یا نظریے پر مشتمل ہوتا ہے، کیونکہ وہ نظریات ہی خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان نظریات کی وجہ سے بعض اوقات رویے بھی تشکیل پاتے ہیں۔ مستحکم معاشرے اپنے نظریات رویوں اور اداروں کے استحکام کے بارے میں احساس ہوتے ہیں اور آسانی سے انہیں تبدیل نہیں ہونے دیتے۔ تاہم بعض داخلی اور خارجی عوامل ایسے ہوتے ہیں جو خاندان کی تغیر پذیری پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[19]

فرد کی شخصیت میں تنہائی کا احساس بہت ساری خامیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ انسان فطرتاً گروہ پسند ہوتا ہے اور گروہی جبلت بھی رکھتا ہے۔ فرد کی زندگی اکیلے غیر مطمئن ہوتی ہے۔ گروہی جبلت کا سامان خاندان ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ خاندان گروہوں میں رہنے والے افراد نہ صرف اپنی بنیادی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ذہنی سکون میں بھی انہیں تسکین ملتی ہے۔ جدید، تیز رفتار اور مادی ترقی یافتہ دور میں انسان تنہائی کا شکار ہو گیا ہے۔ ٹیکنالوجی، مقابلہ، خود غرضی اور مصروفیت کی بدولت انسان سماجی طور پر الگ تھلگ ہو گیا ہے۔ یہی تنہائی بہت سی نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو جنم دیتی ہے۔ مصروف طرز زندگی

میں لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے لیے وقت نکالنا دشوار ہو گیا ہے۔ سوشل میڈیا کے غلط استعمال کی بدولت حقیقی تعلقات کی جگہ مصنوعی روابط نے لے لی ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کی جگہ نیوکلیئر فیملی نے لے لی ہے۔ جس سے تعلقات قائم کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ذاتی مفاد کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ خود غرضی اور ذاتی فائدہ پہلی ترجیح بن چکا ہے۔ ڈپریشن اور مایوسی عام ہونے کی بدولت خود اعتمادی میں کمی اور منفی سوچ فروغ پا رہی ہے۔ تنہا انسان اکثر اخلاقی دور سے تجاوز کر جاتا ہے۔ جیسے جھوٹ، خود غرضی یا انتقام۔ وہ غلط صحبت یا بری عادتوں کا شکار نظر آتا ہے۔ عائلی زندگی میں بڑے شہروں میں لاکھوں لوگ اکھٹے تو رہتے ہیں مگر وہ اجنبیوں کی طرح زندگیاں گزار رہے ہیں۔ دفاتر میں زیادہ تر لوگوں کی زندگی مصروفیت میں گزرتی ہے۔ عائلی زندگی میں تنہائی ایک خاموش دشمن ہے۔ جو فرد کو اندر سے کھوکھلا کرتی ہے۔ یہ فرد کی شخصیت کو متاثر کر کے اسے نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کا حل باہمی تعلقات، خاندانی نظام کی بحالی اور حقیقی انسانی ربط کی قدر میں مضمر ہے۔

ابتدائی سطح پر خاندان کی صورتحال بہت مختلف تھی۔ مختلف تاریخی ادوار گزرنے کے بعد معاشرے میں بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ معاشرے کی تشکیل کا باعث بنیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا۔ معاشرہ ہی انسانی ضرویات کو پورا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ معاشرے کے اندر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں خاندان بن جاتے ہیں۔ ان خاندانوں میں کوئی بھی فرد اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے صرف اپنے آپ پر انحصار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ بلکہ خاندان کے تمام لوگوں کی ذمہ داری بھی اس سرپرست کے ذمے ہوتی ہے۔ ارشد محمود لکھتے ہیں

> انسان جو چیز تخلیق کرتا ہے اسے اس کے حسن کے معیار پر پہنچانا چاہتا ہے جس میں اس کے محبوب کا عکس دکھائی دے سکے۔ لیکن کچھ دیر بعد اس کے معیار سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے تبدیل کر کے مزید خوبصورت اور بہتر بناتا ہے۔ یوں ارتقاء اور ترقی کا عمل انسانی تہذیب میں جاری و ساری ہے۔ چنانچہ کوئی قوم، کوئی معاشرہ، کوئی خاندان فطرت کی نیرنگیوں اور حسن کی کارکردگی میں جتنا ڈوبتی ہے اتنا ہی حسین فطرت اس پر اپنے التفات کی بارش کر کے ان کی زندگیوں میں خوبصورتی اور سرفرازی بھر دیتی ہے۔ (۲۰)

ایک جسم اور اس کے عضو سے تشبیہ دینے میں جس طرح جسم کے مختلف اعضاء اپنا اپنا کام مخصوص

طور پر کرنے کے باوجود باہمی طور پر ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور مل کر تمام کام سرانجام دیتے ہیں اسی طرح خاندان کے افراد اپنے اپنے کام اور باہمی تعلقات سے خاندان کا نظام قائم رکھتے ہیں۔ جسم اپنے وجود کے لیے اعضاء کا محتاج ہے اور اعضاء کی زندگی جسم کے وجود سے قائم رہتی ہے۔ ایک جسم میں اس کے عضو کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جس طرح تمام عضو ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی ان کو ضرورت رہتی ہے اس طرح معاشرے کے اندر ایک خاندان میں تمام افراد مل کر زندگی گزارتے ہیں۔ تمام افراد مل کر ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔ تمام افراد ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ایک فرد اگر ایک کام میں ماہر ہوتا ہے تو دوسرا فرد کسی اور کام میں ماہر ہوتا ہے۔ اس طرح سے مل جل کر ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اس سے ہی خاندانی نظام مضبوط ہوتا ہے۔ مضبوط خاندانی نظام مضبوط معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے جس کی بدولت معاشرے میں محبت و امن کا قیام یقینی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

گروہی قبائلی اور انفرادی خاندان کی نوعیتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن ایک بات ان کے اندر مشترک ہے کہ ان کے اندر گھر کا سربراہ ہمیشہ مرد کو تصور کیا جاتا ہے۔ جو اپنے خاندان کی عائلی زندگی پر براہ راست اثرات مرتب کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک ایسا سرپرست مسلط ہو جاتا ہے جس میں عقل و شعور نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے فیصلے گھر کے تمام افراد ماننے کے پابند ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خاندان کے اندر ہی گھر کا سربراہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف طرح کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ گروہی قبائل میں مل جل کر زندگی کی گاڑی کو چلایا جاتا ہے۔ زندگی کا یہ سفر تب کامیاب ہوتا ہے جب خاندانی اصولوں کی پاسداری کی جائے۔ خاندانی نظام کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے ایک دوسرے کے فیصلوں کا احترام کرنا ہوتا ہے تب خاندانی نظام کی گاڑی رواں دواں ہوتی ہے۔ خاندانی نظام میں بہترین سرپرست کا انتخاب خاندانی نظام کو بہتر بناتا ہے۔ خاندان نظام میں سرپرست کے فیصلوں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر سرپرست کا فیصلہ بہترین ہو تو خاندانی نظام میں بہت سارے مسائل کا سدباب بروقت ہو جاتا ہے۔ اس طرح سرپرست جس قدر قابل ہو گا اس قدر اس نظام کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

ہ: اسلامی تصور خاندان، طبقاتی نظام اور عائلی زندگی

اسلام خاندان کا وسیع ترین تصور رکھتا ہے۔ مسلم خاندانی نظام میں صرف میاں بیوی اور بچے ہی

شامل نہیں ہوتے بلکہ دادا دادی، چچا چچی، پھوپھیاں وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ اسلام ایک ایسا خاندانی تصور پیش کرتا ہے جو خلوص و محبت، ایثار و قربانی اور حقوق و فرائض کے اعلیٰ ترین قلبی احساسات اور جذبات کی مضبوط ڈوروں سے بندھا ہوا ہے۔ اسلامی خاندانی نظام میں رشتوں کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی نظام میں تمام رشتوں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ تمام رشتوں کے تقدس پر زور دیا گیا ہے۔ سب رشتوں کے حقوق متعین کر دیے گئے ہیں تاکہ تمام رشتوں کو ملا کر مسلم خاندانی نظام کو بہتر کیا جاسکے۔ معاشرے کے جملہ معاملات کی احساس اسلامی خاندان میں اخلاق کو بناتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

> اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا ہے۔ اور اس جاندار سے تمہارا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ (۲۱)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے اس کی رہنمائی کے بغیر انسان کی زندگی کا گوشہ خالی نہیں ہے انسان کی زندگی میں عائلی زندگی سب سے حساس پہلو ہے جس میں ازواجی زندگی کی راحتیں ہیں ایک ساتھ مل کر زوجین اپنی نسلوں کی پرورش اور تربیت کرتے ہیں عائلی زندگی نظام عالم کو متحرک اور زندہ کرنے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اسلام نے تمام رشتوں کے حوالے سے واضح ہدایات دی ہیں تاکہ خاندانی نظام کو بہتر کر کے اور اصولوں پر عمل پیرا ہو کر راحتیں حاصل کی جاسکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا ہے۔ اور اس جاندار سے تمہارا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ (۲۲)

انسان کی عائلی زندگی کے سلسلے میں قرآن و حدیث میں واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے امت کی ذمہ داری صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں شریعت مطہرہ پر عمل کریں۔ اسلام اور اہم اسلام کے سلسلے میں اس وقت جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس میں ہماری بے عملی اور بد عملی اور کئی قسم کی کمزوریاں بھی شامل ہے شریعت میں تمام امت ک افراد کو اپنی اصلاح کی دعوت دی گی ہے کہ شریعت مطہرہ پر عمل کر کے ہے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے ارشاد باری تعالی:

> اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ (۲۳)

معاشرے کا بنیادی ادارہ اسلام کے نزدیک خاندان ہے۔ معاشرے کی حالت کا انحصار خاندان کی بہتری ، بھلائی، ابتری اور بردباری پر ہے۔ خاندان کی طرف اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ تاکہ اس ادارے کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جاسکے۔ تاکہ ایک مضبوط صالح اور فلاحی معاشرے وجود میں آئے اور اجتماعی وانفرادی حقوق و فرائض کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔ اسلام خاندان کی بنیاد مستحکم اور پاکیزہ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے چنانچہ اسلامی قوانین وضوابط خاندانی اصولوں اور اقدار میں اس بات کو قطعی فراموش نہیں کیا گیا کہ بحیثیت انسان اس کی ضروریات اور اس کی فطری خواہشات کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کے لیے اس کی مہلت، فطرت اور ضروریات کے مطابق کیا چیز بہتر ہو سکتی ہے۔ انسانی بقاء اور نسل انسانی کے فروغ کے لیے انسان کے اندر والا منفی میلان بہت ضروری ہے۔ اس منفی میلان کے حوالے سے وہ آزاد اور بااختیار ہے تاکہ ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جو خاندان کے استحکام کا باعث ہوں یا انتشار کا موجب ہوں۔ اسلام خاندانی نظام کو بہتر کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے۔ اسلام نے اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے واضح حکم دیا ہے۔ انسانی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ انسان خوشحال ہوں اور ان کی زندگی وقت کے ساتھ بہتر سے بہتر ہو سکے۔ اسلام کے مطابق خاندانی نظام کی بہتری کے ساتھ ہی عائلی زندگی کی ترقی جڑی ہے۔

فرد کو اسلام بہت اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ خاندان کو اور خاندان کے باہمی اشتراک سے پیدا ہونے والے قبیلے اور برادری کو اور برادریوں سے بننے والی امت اور قوم کو بھی بہت اہمیت دیتا ہے۔ معاشرے کے ہر دائرے کے فرائض اور حقوق کا تحفظ کا تعین ہوتا ہے۔ ہر اکائی کی اہمیت اسلامی معاشرے میں اپنی جگہ مسلم ہے۔ فرد سے شروع ہو کر انسانی زندگی لہر در لہر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ ایک دائرے سے دوسرا دائرہ پیدا ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کا دائرہ اور اسلام کا دائرہ سب دائروں پر محیط ہے۔ جس کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے۔ فرد، گھر، معاشرہ، خاندان، امت، خاندان یا کنبے کا مفہوم اگرچہ کافی وسیع معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں گھر کے خادم، نوکر اور چوکیدار وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر خاندان میاں، بیوی اور اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی مفہوم ساری دنیا میں لیا جاتا ہے۔ اس لیے خانگی زندگی پر جب باعث آتی ہے تو اس کے اراکین بیوی، شوہر اور اولاد ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے خاندان کی اہمیت اہم اور مقاصد بہت بلند ہیں۔ ہر مسلمان کو اپنے گھر سے ہی نیکی کی ابتداء کرنے کی ہدایت ہے

اور اہل خانہ کو قرآن میں بھی اہل کے نام سے پکارا گیا ہے۔

و : خاندان کی بنیاد کا اسلامی طریقہ کار

خاندان کی بنیاد اسلام نے نکاح کو بنایا ہے۔ اسلام نے نکاح کو پسندیدہ اور بدکاری کو حرام قرار دیا ہے۔ خاندان کو اسلام مضبوط بنیادیں فراہم کرنا چاہتا ہے۔ خاندان کی مضبوط بنیاد نکاح کے ذریعے اسلام کی رو سے پڑتی ہے۔ اسلام نے خاندانی نظام کو جس طرح واضح طور پر سمجھایا ہے اور اس کا ایک پاکیزہ طریقہ کار بتایا ہے تو یقیناً اس کی بدولت خاندانی نظام بہتر ہو سکتا ہے۔ نکاح کا ایک پاکیزہ طریقہ خاندانی نظام کو نہ صرف مضبوط کرتا ہے بلکہ اس خاندانی نظام کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں عزت کو بھی بڑھاتا ہے۔ خاندانی نظام کے اس طریقے کی بدولت معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے۔ معاشرے میں لوگوں کے درمیان تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ خاندانی نظام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی نظام کے اصولوں کی پاسداری کی جائے تاکہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کی جاسکے۔ چناں چہ وہ اس بنیاد کو محبت، پاکیزگی، خلوص، مضبوط معاہدے اور دیانتداری سے ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔ سورت الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

> اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے۔ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی ہے۔ (۲۴)

ازدواجی زندگی میں معاشی حالات بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گھر کے ماحول اور ان کے آپس کے تعلقات میں ایک خاندان کے معاشی حالات اثر انداز ہوتے ہیں۔ مالی معاملات بہت سے خاندانی جھگڑوں کے سبب بنتے ہیں جو آہستہ آہستہ کر کے بڑے مسائل کا باعث بن جاتے ہیں۔ آپس کی گفتگو، معاشی پریشانی اور لگاتار معاشی اختلاف یہ وہ سبب ہیں جو باہمی تعلقات کو کمزور اور طلاق کی شرح کو بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ معاشی مسائل کا ازدواجی زندگی میں اتنا اثر ہے کہ ازدواجی تعلقات ذہنی پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اسلامی عائلی زندگی میں حق مہر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حق مہر جو عورت کا بنیادی حق ہے اس کو ادا کیے بغیر عورت اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ اس کے بارے میں ہمارے ہاں مختلف طرح کے مسائل پائے جاتے ہیں۔ علامہ زاہد الراشدی نے بتایا ہے کہ مہر کے بارے میں ہمارے ہاں بہت ساری غلط فہمیاں پائی

جاتی ہیں کہ جو اس صورت میں ادا ہوتا ہے کہ جب عورت فوت ہو جائے یا عورت کو طلاق ہو جائے حق مہر کا اصول یہ ہے کہ وہ لڑکے کی مالی حیثیت کے مطابق جتنا اس وقت حالات کے مطابق مناسب ہو مقرر کرنا چاہیے۔ اتنا زیادہ نہ ہو کہ لڑکے کے لیے بوجھ بن جائے اور اتنا کم بھی نہ ہو کہ لڑکی کے لیے باعث نجات ہو۔ حق مہر کے علاوہ اسلامی تصور خاندان سب سے زیادہ اہمیت پرورش اولاد کو دی جاتی ہے۔ عصر حاضر میں ہمارے ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے بچوں کی ضروریات، تعلیم و تربیت اور سیر و تفریح کو پورا کرنا ایک متوسط خاندان کے لیے تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ اسلامی تصور خاندان میں اولاد کی تربیت کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ معاشی حالات کی بہتری سے خاندانی نظام مضبوط ہوتا ہے۔ معاشی حالات جس قدر بہتر ہوں گے خاندانی نظام کے افراد اس قدر خوشحال ہوں گے۔ معاشی حالات بہتر ہونے کی وجہ سے لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہوتا ہے۔ ایک خاندانی نظام سے کئی لوگ جڑے ہوتے ہیں جو سب مل کر خاندان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندانی نظام کی بہتری کے لیے معاشی حوالے سے افراد کا بہتر ہونا ضروری ہے۔ معاشی نظام افراد کی خوشحالی اور بدحالی دونوں کا رخ طے کرتے ہیں۔

اسلامی تصور خاندان میں اگرچہ عورت کی ضرورت مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ہے۔ جو کام عورت کر سکتی ہے وہ کام مرد نہیں کر سکتے۔ لیکن گھریلو زندگی پر عورت کی نوکری کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ شرعاً نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے تو اصولاً مرد کو ہی پورا کرنا ہے۔ اسلام نے مردوں اور عورتوں دونوں کو واضح طور پر اصول دیے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض بتا دیے ہیں گھریلو زندگی اور امور خانہ داری میں جہاں عورت کی حکمرانی کو تسلیم کیا گیا ہے وہیں باہر کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے۔ مرد عورت مل کر خاندانی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔ نان نفقہ کی ذمہ داری مرد کے زمہ ہے۔ مرد گھریلو امور کو چلانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

> مرد عورت کا حاکم ہے۔ اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر فضلیت دی ہے۔ اور اسی وجہ سے مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ (۲۵)

یہ آیت مبارکہ وضاحت کرتی ہے کہ عورت کا نان نفقہ چونکہ مرد کی ذمہ داری ہے تو دیکھا جائے تو اصولاً مرد پر ہی ذمہ داری کا بوجھ بڑھ رہا ہے اور عورت پر ذمہ داری کا بوجھ کم ہو رہا ہے۔ لیکن جدید معاشرے میں بڑھتی ہوئی معاشی مشکلات اور نئے نئے مسائل کے مد نظر مرد اور عورت دونوں کام کرتے ہیں۔ گھر کے

کام کاج ویسے کے ویسے رہ جاتے ہیں۔ عورت اپنی نوکری کی مصروفیت سے ہی نکل نہیں پاتی یا اس کے برعکس دیکھا جائے تو عورتوں پر کام کا بوجھ زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ نتیجتاً اختلاف، لڑائی جھگڑے اور فسادات جنم لیتے ہیں۔ مشترکہ گھر کی صورت میں مختلف مسائل سامنے آتے ہیں۔ مشترکہ خاندانی نظام کی صورت میں مالی کوتائیاں اس وقت درپیش آتی ہیں جب مشترکہ اخراجات کرنا پڑتے ہیں۔ بعض اوقات کمانے والا اپنی کمائی چھپالیتا ہے۔ گھر والوں پر کم اخراجات ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ کچھ رقم کو محفوظ کیا جاسکے۔ اور بعض اوقات پوری کمائی سربراہ کو دینے کو اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ سربراہ کو یہ فکر رہتی ہے کہ گھر کا وسیع بجٹ کس طرح پورا ہو گا۔ کیونکہ بڑھتی ہوئی مہنگائی معاشی مسائل کی ایک بڑی وجہ ہے۔ جو عائلی زندگی کی پریشانیوں میں آئے دن اضافے کا باعث بن رہی ہے۔

عائلی زندگی میں معاشی حالات کا کردار بہت اہم تصور کیا جاتا ہے۔ ایک خوشحال اور متوازن خاندان کی بنیاد میں جہاں محبت، اعتماد اور تعاون ہوتا ہے وہیں معاشی استحکام بھی ایک مضبوط ستون ہے۔ یہ خاندان کی بنیادی ضرورت کی تکمیل، ذہنی سکون، اولاد کی بہتر تعلیم و تربیت، فیصلہ سازی کی آزادی اور سماجی مقام کے تعین میں مرکزی حیثیت کا کردار ادا کرتا ہے۔ مالی تنگی کی صورت میں گھریلو جھگڑے، بے سکونی اور دیگر مسائل جنم لیتے ہیں۔ اس سے ایک مستحکم اور خوشحال عائلی زندگی کے لیے بہتر معاشی حالات اور منصوبہ بندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ عائلی زندگی یعنی خاندانی زندگی کی بنیاد محبت، اعتماد اور قربانی پر تصور کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ معاشی خوشحالی اور استحکام بھی ایک نہایت اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر خاندن کے مالی حالات بہتر ہوں تو افراد اپنی بنیادی ضروریات جیسے کھانا، رہائش اور علاج اور تعلیم باآسانی پوری کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آمدنی کم ہو یا بے روزگاری جیسے مسائل ہوں تو تو گھریلو زندگی میں مسائل جنم لیتے ہیں۔ اس سے جھگڑے، ذہنی تناؤ اور بچوں کی تربیت میں کوتائی جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ معاشی حالات شوہر اور بیوی کے تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر دونوں معاشی طور پر مطمئن ہوں تو ان کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ وہ خاندان کو بہتر اور منظم طور پر چلا سکتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم، صحت اور تربیت بھی معاشی حالات پر منحصر ہوتی ہے۔ کیونکہ بہتر مالی وسائل سے ہی ان کے لیے روشن مستقبل ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ معاشرے میں ابھی بھی ایسے خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو خود کفیل ہوں اور ان کے مالی حالات بہتر ہوں۔ جب خاندان مالی حوالے سے مستحکم ہوتا ہے تو وہ

دوسروں پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ دوسروں کی مشکلات اور دکھ کم کر کے بھی اپنا بہتر کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس سے لازمی طور پر معاشرے میں ان کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حقوق اس وقت دیے جب دنیا کے کسی معاشرے میں عورت کے حقوق کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسلام میں عورت اور مرد کی مساوات کا نظریہ سب سے پہلے پیش کیا گیا۔ عورت کو مرد کی غلامی سے نجات دلوائی جس میں وہ صدیوں سے جکڑی ہوئی تھی۔ یہ تعلیمات کائنات کی اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے اور ہر چیز دوسرے کی تکمیل کرتی ہے۔ اسی وجہ سے سب کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں ایک فریق کو کچھ نہ کچھ غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ مرد کو عورت پر برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ اس وجہ سے مرد کو گھر کا سربراہ تصور کیا جاتا ہے۔ کسی بھی قوم کے لیے خاندان کا نظام ایک ایسا بنیادی نظام ہے جو اس کی اجتماعی زندگی اور اس قوم کی تہذیب کو منظم کرتا ہے۔ تمام انسانی شریعت کا مقصد خاندانوں کے نظام کو منظم کرنا ہے۔ یہی وہ بنیادی کام ہے جس کی طرف انسان نے اپنی زندگی کی بنیادیں قائم کرنے کے لیے توجہ دی۔ یہ نظام مرد اور عورت کے نکاح یا شادی سے بنتا ہے۔ یہ نظام قرابت کے فروغ، نسل کی تشکیل اور اصولوں پر متعین ہوتا ہے۔ اس سے سسرال کا نظام منظم بنتا ہے۔ خاندان قوم اور قبیلے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شادی کے نظام سے ماں باپ اور بچے بنتے ہیں۔ بھائی بہن، دادا دادی اور دیگر رشتہ دار بنتے ہیں اور یوں یہ ایک خاندان تشکیل پاتا ہے۔ خاندان صرف ایک معاشرتی ادارہ ہی نہیں ہے بلکہ اخلاقی اور دینی حقیقت بھی حاصل ہے۔ جو شخص عائلی زندگی گزارتا ہے وہ درحقیقت پیغمبروں کے اسوہ پر عمل کرتا ہے۔ اور اپنی سیرت واخلاق اور اپنی اخلاقی تربیت کو بلند کرتا ہے۔ اسلام کے تصور خاندان کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام نے خاندان کو اپنی اجتماعی زندگی میں بہت اہمیت دی ہے۔ اسلام جس قسم کے خاندان کی تشکیل چاہتا ہے اس نے اس خدوخال وضع کیے ہیں۔ جنسی تعلق، اس کی ذمہ داریوں، ازدواجی زندگی، اس کے مسائل، اہل خاندان سے تعلقات اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات دی ہیں۔ اپنے چاہنے والوں کو ان کا پابند بنایا ہے۔ خاندانی نظام میں تین امور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ا۔ جنسی رویہ

خاندان کی اساس اور اس کی بنیاد جنسی روابط پر ہے۔ انسان جو امور اس کے بارے میں اختیار کرے

گا اسی نوعیت کا خاندان وجود میں آئے گا۔ جنسی رویہ انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ عائلی زندگی میں جنسی رویہ فطری، اخلاقی اور معیاری دائرے میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ صرف جسمانی تعلق نہیں بل کہ محبت، اعتماد، وفاداری اور جذباتی ہم آہنگی سے بھی جڑا ہوا ہے۔ نکاح کے بندھن میں بندھی ہوئی جنسی زندگی نہ صرف انسانی فطرت کی تسکین کا ذریعہ ہے بلکہ اس اس سے خاندان کی بنیاد بھی مضبوط ہوتی ہے۔ اگر یہ رویہ درست حدود میں ہو تو اس سے ذہنی سکون، جذباتی قربت اور باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بے راہ روی اور غیر اخلاقی جنسی رویے خاندان کو تباہ اور معاشرے کو بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ جنسی میل جول انسان کی فطری خواہش ہے جسے نکاح کے ذریعے حلال اور باعزت راستہ دیا جاتا ہے۔ نسل انسانی کی بقا جائز جنسی تعلقات سے اولاد پیدا ہوتی ہے جس سے نسل کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ذہنی و جذباتی سکون شریک حیات کے ساتھ محبت بھرا رشتہ فرد کو جذباتی سکون مہیا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اخلاقی اور معاشرتی تحفظ منظم جنسی رویے فرد کو غلط راستوں سے روکتے ہیں۔ جس سے خاندان اور معاشرہ دونوں محفوظ رہتے ہیں۔ عائلی زندگی میں جنسی رویے فطری، اخلاقی اور معاشرتی طور پر ضروری ہیں۔ یہ محبت، اعتماد اور خاندان کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ جائز حدود میں رہ کر یہ فرد اور معاشرہ دونوں کی فلاح کا ضامن بنتا ہے۔ عائلی زندگی میں جنسی رویہ ایک بنیادی اور فطری عنصر ہے جس سے نہ صرف جسمانی تسکین ہوتی ہے بلکہ جذباتی و ذہنی قربت اور باہمی اعتماد کی بنیاد بھی بنتی ہے۔ شادی شدہ زندگی میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ انسانی جبلت میں جنسی کشش ایک فطری امر ہے جسے پورا کرنے کے لیے ایک منظم نظام موجود ہے۔ عائلی زندگی اس فطری خواہش کو پاکیزہ، باعزت اور محفوظ طریقے سے پورا کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

جنسی تعلقات میاں بیوی کے درمیان جذباتی ربط کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ تعلق جسمانی کے علاوہ روحانی اور جذباتی بندھن کو مضبوط بنانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے ازدواجی رشتہ پائیدار بنتا ہے۔ عائلی زندگی میں جائز جنسی تعلقات اولاد کی پیدائش کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ نسل انسانی کی بقا اور تسلسل ممکن ہوتا ہے۔ ایک مضبوط خاندان کی بنیاد اس عمل پر انحصار کرتی ہے۔ جب انسان کی فطری خواہش جائز طریقے سے پوری ہوں تو اس سے ذہن و دل کی تسکین ہوتی ہے۔ اس سے فرد بے راہ روی، بداخلاقی اور معاشرتی جرائم سے محفوظ رہتا ہے۔ عائلی زندگی میں جنسی تعلقات کی بدولت معاشرتی بگاڑ، زنا، جنسی جرائم اور خاندانی انتشار کی روک تھام میں مدد ملتی ہے۔ گویا عائلی زندگی میں جنسی رویہ نہ صرف جسمانی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک

ذریعہ ہے بلکہ اس سے باہمی اعتماد، محبت، سکون اور نسل کی بقا کو یقینی بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس کی موجودگی ازدواجی رشتے کو مستحکم اور معاشرتی ڈھانچے کو محفوظ بناتی ہے۔ اس لیے یہ عائلی زندگی کا ایک لازمی اور اہم جز ہے۔

۲۔ ازدواجی تعلقات

یہ میاں بیوی کے عدل وانصاف اور تعلقات پر قائم ہے۔ ان کے درمیان حسن سلوک اور اخلاص و محبت کی فضا پائی جائے تو عائلی زندگی خوشگوار ہو گئی۔ لیکن اگر یہ تعلقات ظلم، کشمکش اور زیادتی کا شکار ہوں گئے تو دونوں کی زندگی، خاندانی سکون احساس سے محروم ہو گا۔ پورے خاندان پر اس کے تعلقات کے اچھے اور برے اثرات مرتب ہوں گئے۔ ازدواجی تعلقات سے مراد میاں بیوی کے درمیان وہ رشتہ ہے جس کی بنیاد نکاح کے بندھن سے ہوتی ہے۔ اس میں محبت، اعتماد، وفاداری اور جنسی تعلقات شامل ہوتا ہے۔ یہ تعلق عائلی زندگی میں بنیادی ستون کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے گھر کا ماحول خوشگوار، پرامن اور مضبوط ہوتا ہے۔ ازدواجی تعلق صرف جسمانی نہیں بلکہ جذباتی، ذہنی اور معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔ جب ازدواجی تعلقات مضبوط ہوں تو شوہر اور بیوی ایک دوسرے کی فطری وجذباتی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اس سے زنا، غیر اخلاقی تعلقات اور معاشرتی بگاڑ جیسے مسائل سے بچا جا سکتا ہے۔ ازدواجی تعلقات فرد کو احساس محبت، اپنائیت اور جذباتی سہارا مہیا کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس سے ذہنی دباؤ اور تنہائی سے نجات ملتی ہے۔ جب ازدواجی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں تو والدین مل جل کر بچوں کی بہترین تربیت اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے بچوں کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان محبت اور ہم آہنگی سے گھر کا ماحول پرسکون، خوش گواری اور محبت بھرا بنا دیتی ہے جو خاندان کے ہر فرد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جب بچے اپنے والدین کو ایک خوشحال اور باہمی احترام والے رشتے میں دیکھتے ہیں تو وہ بھی انہی قدروں کو سیکھتے ہیں اور اپنی آنے والی زندگی میں اس کو اپناتے ہیں۔ ایک مضبوط خاندان ہی ایک مضبوط معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔ ازدواجی تعلقات اگر صحت مند ہوں تو خاندان مستحکم رہتا ہے اور یوں پورا معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ ازدواجی تعلقات عائلی زندگی میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے نہ صرف میاں بیوی کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں بلکہ اس سے خاندان کا ماحول پرامن، باوقار اور تربیت یافتہ بنانے میں مدد ملتی ہے۔ ازدواجی ہم آہنگی سے فرد، خاندان اور پورا معاشرہ فائدہ اٹھاتا ہے۔

۳۔ رشتہ داروں کے حقوق اور فرائض

خاندان صرف میاں بیوی اور بچوں کا نام نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کے قانونی اور اخلاقی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ خاندان اپنی معنویت کھو دے گا۔ رشتہ داروں سے تعلقات قائم کرنا، ان کی خیر خبر لینا اور ان کی مدد کرنا کو صلہ رحمی کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی رشتہ دار مالی، جسمانی مدد کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرنا فرد کے لیے لازمی ہے۔ خاص کر قریبی رشتہ دار جیسے والدین، بہن بھائی، چچا اور خالہ وغیرہ۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک، تعلق قائم کرنا، ان کی خیر خبر لینا، نرمی محبت اور ادب سے پیش آنا سب شامل ہیں۔ یہ ان کا حق ہے چاہے وہ کمزور ہوں یا طاقتور۔ بیمار رشتہ داروں کی عیادت کرنا اور ان کے دکھ سکھ میں شامل ہونا اہم اخلاقی اور تربیتی فرد ہونے کا ثبوت ہے۔ رشتہ داروں سے بعض معاملات میں اختلاف ہونا ایک فطری عمل ہے لیکن درگزر اور صبر کرنا ایک بڑا عمل ہے۔ ہر رشتہ دار پر لازم ہے کہ وہ دوسرے رشتہ داروں سے محبت اور خلوص سے پیش آئے اور ان کی عزت کرے۔ اس طرح قطع رحمی سخت گناہ ہے۔ رشتہ داروں سے رابطہ کرنا اور ان کا ہر حال میں خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی رشتہ دار پر کوئی مالی اور اخلاقی حق ہو تو اس کی بروقت ادائیگی بھی ضروری ہے۔ خاندان کے درمیان فتنہ وفساد سے یا چغلی وغیبت سے بچنا اور صلح وصفائی کروانا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ رشتہ داروں کے لیے دعا کرنا اور ان کی خیر کی خواہش رکھنا بھی فرد کی ذمہ داریوں میں آتا ہے۔ رشتہ داروں سے بہترین تعلق کے لیے ضروری ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے۔ رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شامل ہوا جائے۔ اس سے قربتیں بڑھتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہی ہوتی ہے۔ رشتہ داروں کے مسائل سے آگائی تب ہی ہوتی ہے جب رشتہ داروں کے مسائل کو دلچسپی سے سنا جائے، ان کے حالات سے آگاہی ان سے مل کر ہی ممکن ہوتی ہے۔ جب رشتہ داروں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے تو آپس میں پیار و محبت بڑھتا ہے اور اس سے دلی سکون ملتا ہے۔ رشتہ داروں میں بہت سارے ایسے رشتہ دار ہوتے ہیں جو سفید پوش ہوتے ہیں۔ ایسے رشتہ دار مدد کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ ان سے مل کر یا کسی طرح ان کے دوستوں کے ساتھ مل کر ان کے مسائل سے آگاہی لازمی ہے۔ جب ایسے رشتہ داروں کے مسائل حل ہوتے ہیں تو ایک دلی سکون ہوتا ہے اور حقیقت میں یہ رشتہ دار مدد کے بہت زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ یہ کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ یہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے ہیں۔ اس لیے ان کی مدد کر کر کے ان کے چہروں پر حقیقی خوشی لائی جائے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی مدد، ان کا احترام اور تعلقات کو قائم رکھنا نہ صرف اخلاقی فریضہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ان حقوق و فرائض کو ادا کرنا ایک پر امن، مضبوط اور مہربان معاشرہ تشکیل دیے جانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔رشتہ داروں کے ساتھ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ رکھا جائے۔ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کی جائے تاکہ وہ کھل کر اپنی پریشانیوں کا اظہار کر سکیں۔بہترین مشورہ دینا بھی رشتہ داروں پر ایک احسان ہوتا ہے۔اچھی رہنمائی بھی ان کے ساتھ نیکی ہوتی ہے۔رشہ داروں داروں کی مالی مدد اگر کر دی جائے تو اس سے ان کی مالی مشکلات کم ہو جاتی ہیں۔

۴۔ازدواجی تعلقات کی اسلام میں حیثیت

حقیقت میں ازداوجی رشتہ الفت و محبت کا رشتہ ہے۔اسے اس ہی حیثیت سے بر قرار رکھنا اور دیکھنا چاہیے۔مرد عورت کو ہی اپنا ایک جز سمجھے۔اس کے لیے عورت وجہ سکون ثابت ہو قرآن مجید کہتا ہے کہ اس رشتے میں سوچنے سمجھنے اور محبت میں قدرت کی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ازدواجی تعلقات عزت اور احترام سے جڑی ہے۔ازدواجی تعلقات میں میاں اور بیوی دونوں کے لیے لازم ہے کہ وہ مل جل کر خاندانی نظام کی بہتری کے لیے کام کریں۔مل جل کر دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ایک دوسرے کی مالی مشکلات کو کم کرنے لیے کردار ادا کریں۔اس سے خاندانی نظام جہاں مضبوط ہو گا وہیں اس نظام میں محبت بڑھے گی اور معاشرہ خوشحال ہو گا۔ازدواجی زندگی کو کامیاب کرنا محض مرد کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ بیوی کے لیے بھی ضروری ہے کہ مرد کے شانہ بشانہ اس کا ساتھ دے۔مرد کے دکھ سکھ میں اس کے ساتھ شامل ہو۔مرد جب آسانی محسوس کرے گا تو دونوں کے درمیان پیار و محبت بڑھے گا۔معاشی پیچیدگیوں کی بدولت اکثر مرد ڈپریش کا شکار رہتے ہیں۔مردوں کو فکر معاش ستاتا ہے۔وہ گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اکثر پریشان رہتے ہیں جس سے ان کی زندگی کی پریشانیاں بڑھنے سے ان کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔لیکن اگر مل کر زندگی میں کام کیا جائے تو مسائل جلد حل ہو جاتے ہیں۔اس سے زندگی کے اندر راحت و سکون حاصل ہوتا ہے اور زندگی میں امن و سکون کی فضا قائم ہونے سے دونوں کے رشتوں میں سکون ہوتا ہے۔دونوں کی زندگی بہتر انداز سے گزرتی ہے۔

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے

آرام پاؤ۔اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی یقیناً غور وفکر
کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔[۲۶]

ازدواجی تعلقات صرف ایک جسمانی یا قانونی رشتہ نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کو ایک روحانی، اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داری تسلیم کیا جاتا ہے۔اس کی بدولت فرد کو سکون، تحفظ، محبت اور قربانی جیسے جذبات سے تسکین ملتی ہے۔ایک صالح اور متوازن معاشرہ بھی اس سے ہی تشکیل پاتا ہے۔یہ رشتہ انسان کو یقیناً صبر، برداشت، عدل، محبت اور ذمہ داری جیسے خصائل سے مالا مال کر دیتا ہے۔ایک مضبوط ازدواجی نظام سے معاشرے میں وفا، قربانی جیسے اعلی اوصاف فرد میں پیدا ہوتے ہیں۔اس رشتے سے معاشرے کے اندر معاشرتی استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ رشتہ راہ روی، فحاشی اور گناہوں سے بھی بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ازدواجی رشتہ ہی نسل انسانی کا تسلسل قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔بچوں کی پرورش اور تربیت کا بہترین ماحول ایک مستحکم ازدواجی نظام سے ہی ممکن ہے۔یہ زندگی فرد کو ایک ذہنی اور جذباتی سکون فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔بیوی شوہر کے لیے اور شوہر بیوی کے لیے ایک دلی سہارا ہوتے ہیں جن کی بدولت زندگی پر سکون ہوتی ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو زندگی کا نظام درست طریقے سے نہیں چل سکتا۔زندگی کے نظام کو بہتر کرنے کے لیے تک ودو کرنی پڑتی ہے۔اس میں دونوں کے کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔دونوں کو مل کر زندگی کے اس نظام میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہونا ہوتا ہے۔زندگی کی گاڑی کا اگر ایک پہیہ بھی خراب ہو تو ایک کی کمی دوسرا اور دوسرے کی کمی پہلا پوری نہیں کر سکتا۔دونوں کو مل جل کر خاندانی نظام کو مضبوط کرنا ہوتا ہے۔

خاندان بنیادی اکائی ہے تو مرد اس حوالے سے اس کا نگران، محافظ اور ستون ہے۔مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی، اخلاقی اور دنیاوی حالات کی نگرانی کرے۔ان کی تعلیم وتربیت اور کردار سازی میں رہنمائی فراہم کرے۔گھر کے معاشی، جسمانی اور جذباتی تحفظ کی ذمہ داری بھی مرد کے کندھوں پر ہے، اسے چاہئے کہ وہ محنت کر کے اہل خانہ کی ضروریات کو پورا کرے۔انہیں خطرات، فتنوں اور برائیوں سے محفوظ کرے۔نگران اور محافظ ہونا ایک مرد کے لیے ایک اعزاز بھی ہے اور ایک بڑی ذمہ داری بھی جسے ایمانتداری اور خدا ترسی کے ساتھ نبھانا ضروری ہے۔خاندانی نظام میں مرد حاکم کی حیثیت رکھتا ہے۔مرد گھر کا سرپرست ہوتا ہے۔مرد کی بدولت ہی گھر کا نظام بہتر چلایا جا سکتا ہے۔مرد پر بہت ساری گھریلو امور کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔مرد گھر کے نظام کو بہتر کرنے کے لیے مختلف طرح کے امور چلاتا ہے۔مرد اور عورت

دونوں اگر مل جائیں تو بہت سارے مسائل کم ہو جاتے ہیں۔

ازدواجی تعلق محض محبت اور جنسی تسکین کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔اس میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق شامل ہیں جو انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ازدواجی تعلق دونوں کی ذمہ داریاں بھی ہیں جن کے وہ دونوں پابند ہوتے ہیں۔مرد کے ذمے گھر اور گھر کا نان نفقہ سنبھال کے معاشی تگ ودو کر کے گھر کا ضروری سازو سامان فراہم کرے۔عورت گھر کا نظم ونسق سنبھالے اور اسے ایک سلیقے دار اور بہتر گھر بنائے۔شوہر کی عزت وآبرو کا خیال رکھے۔بچوں کی بہترین تربیت وتہذیب اور بچوں کی نگہداشت سے آراستہ کرے۔رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے

> آدمی اپنے گھر کا نگران ہے۔اس سے اس کی رعایت کے بارے میں (قیامت کے روز) پوچھا جائے گا۔اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں سے اور اس کے بچوں کی راعیہ کی نگران ہے۔اور اس سے ان کے متعلق قیامت کے روز سوال ہو گا۔[۲۷]

ز: اردو افسانے میں عائلی زندگی کا اظہار اجمالی جائزہ

افسانہ انسان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔اردو میں ابتداء سے ہی داستانوں کا رواج رہا ہے۔متعدد افسانے اور داستانیں تحریر یا ترجمے کے ذریعے اردو ادب میں موجود ہیں۔قدیم افسانوں کا پلاٹ مافوق الفطرت عنصر کی مدد سے ترتیب دیا جاتا تھا۔جبکہ موجودہ افسانہ روزمرہ زندگی کا بہترین عکس ہے۔

> جس طرح انگریزی میں فکشن کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے اور تقریباً تین سو برس کے افسانوی ادب کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالتے وقت اس بظاہر سیدھے سادھے ان گنت اور ایک سے زیادہ ایک رنگین تصویر ہمارے ساتھ آجاتے ہیں۔[۲۷]

وقار عظیم نے افسانوں کو داستان تک مربوط کرنے کی سعی کی ہے۔اور یہ درست ہے کہ افسانوں پر داستانوں کے ابتدائی اثرات نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالغنی نے اس لفظ کی وسیع تعریف پیش کرتے ہوئے لکھا ہے "افسانہ ایک لچکدار لفظ ہے۔داستان،ناول مختصر افسانے کی کسی بھی قسم پر اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔"[۲۸] ادب میں افسانہ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے کسی حقیقی واقعے ہا فرضی واقعے کا بیان ہے۔یہ واقعہ تاریخی بھی ہو سکتا ہے،زمانی بھی،نفسیاتی واردات بھی۔کہانی میں واقعے کا بیان ہوتا ہے۔افسانے کا فن بنیادی طور پر کہانی کہنے کا فن ہے مگر کہانی محض ہوا میں تخلیق نہیں ہوتی۔اس کے نقوش کو اجاگر کرنے کے لیے ایک

قینوس سب سے پہلے درکار ہو گا۔ اور یہ قینوس مکانی اور زمانی حدود کے تابع ہو گا۔ افسانہ اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے جو نثر میں لکھی جاتی ہے اور مختصر کہانی پر مبنی ہوتی ہے۔ افسانے میں عام طور پر زندگی کے کسی ایک پہلو، واقعے یا کردار کو بڑی خوبی سے پیش کیا جاتا ہے۔ افسانہ ایک مختصر کہانی ہے جو کسی ایک واقعے ،احساس یا کردار پر مرکوز ہوتا ہے۔ اس میں پلاٹ، کردار، مکالمہ اور اختتام اہم اجزاء ہوتے ہیں۔ اردو ادب میں افسانہ بیسویں صدی میں خاص طور پر ترقی پسند تحریک کے بعد بہت اہم صنف کے طور پر ابھرا ہے سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور عصمت چغتائی جیسے افسانہ نگاروں کی بدولت اردو افسانہ نئی بلندیوں تک پہنچا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کچھ اس طرح لکھتے ہیں

> کوئی ایک خاص وقت میں اور ایک خاص جگہ میں ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہانی لکھنے والوں کی خوبی اس بات میں ہے کہ بکھری ہوئی کڑیوں کے درمیان فاصلے کو ختم کر کے ان کو یوں ملائیں کہ سارے خدوخال ایک ترجمے ہوئے واقعے کی صورت میں مرتب ہو جائیں۔ (۲۹)

مرے باؤن کے خاندانی نظام کی تھیوری جس میں خاندان کے مسائل عکاسی کی۔ مرے باون کا کہنا ہے کہ ہر سماج میں نظریے، جذبات، احساسات دوسرے سماج سے مختلف ہوتے ہیں۔ خاندانی نظام کا نظریہ انسانی رویہ کا نظریہ ہے جو انسانی اکائی کو ایک پیچدہ سماجی نظام کے طور بیان کرتا ہے جس میں اراکین ایک دوسرے کے رویہ پر اثرانداز ہونے کے لیے بات چیت کرتے ہیں۔ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ جس میں نظام کو انفرادی عناصر کے بجائے مجموعی طور پر دیکھنا مناسب ہو جاتا ہے۔ فیملی سسٹمز تھیوری انسانی رویوں کا ایک ایسا نظریہ ہے جو فیملی کو ایک جذباتی اکائی کے طور پر دیکھتا ہے۔ یہ ایک خاندان کی فطرت ہے کہ اس کے ارکان جذباتی طور پر شدت سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے خاندانوں سے دوردراز یا منقطع ہونے کا احساس کرتے ہیں۔ خاندانوں پر ان کے اراکین کے خیالات و احساسات اور جذبات بہت زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں۔ خاندان کے لوگ ایک دوسرے کی توجہ اور حمایت کو دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی ضروریات، توقعات اور مایوسی پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہیں عائلی زندگی سے منسلک ایک مسئلہ خاندانی جھگڑوں کا ہے۔ یہ جھگڑے عام طور پر بہن، بھائی میاں بیوی اور ساس بہو کے حوالے سے آئے دن ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان کی سنگینی کئی اعتبار سے تباہ کن اور نفرت کن ہوتی

ہے۔ خاندان کے تمام افراد کا ذہنی سکون ایک طرح سے برباد کر دیتے ہیں۔ زندگی کے دیگر معاملات جس کے نتیجے میں متاثر ہوتے ہیں گھر میں پیدا ہونے والے کسی خاص جھگڑے کے بارے میں کوئی اصولی بات بتانا ممکن نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر جگہ کے معاملات مختلف ہوتے ہیں۔ ہر انسان اپنی تربیت، طبیعت اور عادت میں جدا ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی اصولی بات نہیں کی جاسکتی کہ کس جگہ جھگڑے کی کیا وجہ ہوتی ہے۔ البتہ کچھ عوامی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا خیال اگر رکھا جائے تو معاملات خراب ہونے سے بچ سکتے ہیں۔

عائلی زندگی میں خاندانی جھگڑے ایک اہم مگر سنگین مسائل میں سے ہے۔ یہ محبت، سکون اور ہم آہنگی کو شدید متاثر کرتا ہے۔ ان جھگڑوں کی بنیادی وجوہات میں غلط فہمیاں، مالی وسائل، عدم برداشت، انا پرستی اور بات چیت کی کمی جیسے امور شامل ہیں۔ جب افراد ایک دوسرے کی بات نہ سمجھیں یا برداشت نہ کر سکیں تو معمولی باتیں بھی تنازعہ کی روپ دھار لیتی ہیں۔ ان جھگڑوں کا اثر میاں بیوی بلکہ بچوں کی ذہنی نشوونما اور پورے خاندانی نظام پر اثرانداز ہوتا ہے۔ ان مسائل سے بچنے کے لیے باہمی اعتماد، محبت، برداشت اور مثبت گفتگو بہت ضروری اور اہم حیثیت رکھتی ہے۔ آمدنی کم ہو اور اخراجات زیادہ ہوں تو اکثر گھروں میں تناؤ نظر آتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی بات نہ سننا، ایک دوسرے کی بات کو وزن نہ دینا یا برداشت نہ کرنا جھگڑوں کی بنیاد بنتا ہے۔ اگر رشتوں میں شک پیدا ہو جائے تو اعتماد کی کمی وجہ سے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کھل کر بات نہ کرنا۔ دل کی بات دل میں رکھنا بھی دوریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اگر خاندان کے دیگر افراد میاں بیوی کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کریں تو جھگڑے شدت اختیار کر جاتے ہیں۔ ایسے جھگڑوں کا اثر بچوں کی ذہنی صحت اور تعلیمی کارکردگی پر بھی پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ تناؤ والے ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ خاندانی جھگڑوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ افراد ایک دوسرے کو سمجھیں، برداشت کا عنصر پیدا کریں۔ وقت پر بات چیت کریں اور مسائل کا حل باہمی مشورے سے کریں۔ اس سے یقیناً خاندانی نظام کے اس قسم کے مسائل کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔

عام طور پر اسی طرح کے مسائل کا آغاز شادی کے فوراً بعد ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب ایک بنیادی حقیقت کو نظر انداز کرنا ہوتا ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی پس منظر میں شادی کے بعد لڑکی کو اپنا گھر چھوڑ کر سسرال میں جا کر رہنا ہوتا ہے۔ ایک لڑکی کے لیے یہ نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں اپنے گھر اور اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک تصور ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ لڑکی

ایک مرد کی بیوی کم اور ایک خاندان کی بہو زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات کتنی ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہو بہر حال یہ ہمارے ہاں کی ایک معاشرتی حقیقت ہے۔ دوسری جانب شوہر ایک وقت میں کئی کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک شوہر بھی ہوتا ہے، ایک بیٹا اور بھائی بھی اور بچوں کی موجودگی میں باپ بھی۔ اگر مشترکہ خاندانی نظام میں مزید رشتہ دار بھی اس گھر میں رہتے ہوں تو شوہر کے کردار مزید بڑھ جاتے ہیں۔ ان سب کو برابر کا وقت دینا اس کے لیے مشکل کام ہوتا ہے۔ ذیل میں خاندانی نظام کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

عام طور پر مشترکہ خاندانی نظام سے ایک ہی گھر میں بہت سے خاندانوں کا آباد ہونا یا بعض دفعہ ایک عمارت میں تقسیم ہو کر رہنا لیا جاتا ہے۔ اس کی معاشرے میں مختلف صورتیں اس وقت موجود ہیں۔ بعض گھروں والدین اور اولاد سب ایک ہی گھر میں رہ رہے ہیں جن میں سے کچھ اولاد یا بعض دفعہ سب شادی شدہ ہیں لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ان کی ضروریات زندگی کی اشیاء بھی مشترک ہیں۔ محرم اور نامحرم کی کوئی خاص تمیز نہیں ہے۔ ایک ہی جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

بعض گھرانے ایسے بھی ہیں کہ جہاں پردے کا اہتمام تو نہیں لیکن کچھ اصول و ضوابط اور گھر کا ماحول دین کی طرف راغب ہے۔ جس کی بنا پر یا تو ضروریات زندگی کو الگ رکھا ہے اور عموماً کھانا الگ کھایا جاتا ہے۔ کبھی کبھار اکھٹے اگر بیٹھ بھی جائیں تو خواتین اپنے محرم کے ساتھ اس انداز سے بیٹھتی ہیں کہ دیور اور دیگر نامحرم افراد سے آمنا سامنا نہ ہو۔ ایک طبقہ گھرانوں کا ایسا بھی ہے کہ اس نے گھر کو پوریشنز میں یا فلیٹ کے انداز میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان کے گھروں میں راستے تک الگ ہیں۔ اگر کبھی اکھٹے کھانے کا یا مل بیٹھنے کا موقع ہو بھی تو وہ الگ کمروں میں انتظام کرتے ہیں۔

مشرکہ خاندانی نظام یا جوائنٹ فیملی سسٹم ایک ہی گھر میں ایک سے زیادہ خاندانوں کے رہنے کے لئے اصلاحاً استعمال ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مشترکہ خاندانی نظام کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اس خطے پر انسانی قدموں کے براجمان ہونے کی ہے۔ یہ نظام آج تک انتہائی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ ہمارے ہاں اس نظام کی جڑیں اس قدر مضبوط ہیں کہ جب ہم لفظ خاندان یا فیملی سنتے یا پڑھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں جو خاکہ ابھرتا ہے وہ مشترکہ خاندان کا ہی

ہوتا ہے۔

ساس اور بہو کے اختلافات کو اگر بیان کرنا شروع کیا جائے تو ممکن نہیں کہ پوری طرح حق ادا کیا جا سکے۔گھر میں ہر معاملے میں ہی اختلاف کا امکان ہوتا ہے۔

> ساس بہو کا جھگڑا ننانوے فیصد گھروں کے لئے مسائل کا باعث بنتا ہے۔یہ جھگڑا عورت کی lust for prfession کی بنیاد پر وجود پذیر ہوتا ہے۔عورت میں ملکیت کا جذبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اس میں شراکت برداشت نہیں کر سکتی۔بیوی کی حیثیت سے وہ سوکن کو اور ماں کی حیثیت سے وہ بہو کو برداشت کرنے پر بڑی مشکل سے تیار ہوتی ہے۔(۳۰)

مشترکہ خاندانی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں کئی نسلیں ایک ہی چھت کے نیچے زندگی گزارتی ہیں۔اس نظام میں ساس اور بہو کے تعلقات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔کیونکہ یہ رشتہ داروں کے نظم وضبط،ہم آہنگی اور محبت کا محور بن سکتا ہے۔دوسری طرف یہ مسائل اور کشیدگی کا بھی سبب بن سکتا ہے۔ساس اور بہو کے تعلقات اگر محبت،عزت اور سمجھداری کے رشتے سے جڑے ہوں تو پورے گھر میں خوشی،محبت اور تعاون کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ساس تجربہ رکھتی ہے اور بہو نئی نسل کی پرورش کرنے والی ماں کا کردار ادا کرتی ہے۔دونوں کے درمیان مثبت تعلق بچوں کی تربیت اور پرورش میں ایک مفید عمل ہے۔ساس اور بہو اگر ایک دوسرے کو اپنا سمجھیں تو خاندان کی دیواریں مضبوط رہتی ہیں ورنہ بکھرنے کا خطرہ ہوتا ہے جس سے بہت سارے مسائل جنم لیتے ہیں۔

اکثر ساس اور بہو کے درمیان براہ راست بات چیت کا ماحول کم ہوتا ہے جس سے غلط فہمیوں کی وجہ سے چھوٹی باتیں بھی بڑے مسائل کا روپ دھار لیتی ہیں۔اکثر ساس کبھی کبھار بہو پر اپنا روپ جمانا چاہتی ہے تو اس سے ٹکراؤ کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔اگر شوہر بیوی اور ماں کے درمیان انصاف نہ کر سکے تو دونوں میں حسد اور دوری بڑھ سکتی ہے۔اکثر ساس کا کردار دیکھا جائے تو وہ ایک روایتی سوچ کی حامل ہوتی ہے جبکہ بہو نئی نسل سے تعلق رکھتی ہے جس سے اختلافات بڑھتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔یہ ایک خوبصورت رشتہ ہے۔دونوں فریقین کو صبر،برداشت اور ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔رشتے کو مقابلہ نہیں بلکہ محبت،اعتماد اور مشورے پر قائم رکھنا چاہئے۔ساس کو بہو کو بیٹی کا درجہ دینا چاہیے اور بہو کو ساس کو ماں کا مقام دینا چاہیے تاکہ معاشرے میں امن وسکون ہو اور پیار و محبت کے اس رشتے کو فروغ ملے۔

پچھلی کچھ دہائیوں تک تو برصغیر میں بہو ساس کے ماتحت رہی ہے جو مرضی اس کے ساتھ رویہ اختیار کرے کوئی روکنے والا نہیں ہوتا تھا۔ساس سسر کی خدمت بہو کا فرض سمجھا جاتا ہے۔مغرب کی دنیا میں اس کے بالکل برعکس رویہ ہے۔وہاں والدین کو ساتھ رکھنے کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے۔الا یہ کہ کچھ گنے چنے گھرانوں میں ابھی بھی ان کے والدین ان کے ساتھ ہیں۔خصوصاً مذہبی گھرانوں میں جو عیسائیت پر باقاعدگی سے عمل پیرا ہیں۔عموماً ساس کو یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا شادی کے بعد اس کی کم اور بیوی کی زیادہ سنے گا۔اس کے برعکس بہو گمان کرتی ہے کہ اس کا شوہر اپنی والدہ کے کہنے پر چلتا ہے اور انہی کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہے۔حقیقت میں یہ مسئلہ درپیش آتا ہے۔اس کو صرف بدگمانی کہ دینا ہی کافی نہیں۔شوہر کے لیے ماں اور بیوی دونوں اہم ہوتے ہیں۔اس کے لیے بعض دفعہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی سنے اور کس کا ساتھ دے۔اس کے لیے والدہ اور بیوی دونوں رشتے اہم ہوتے ہیں۔حقیقتاً ایسے مسائل مشترکہ خاندانی نظام میں زیادہ ہیں۔والدہ اور بیوی کے درمیان اختلاف ہونے کی صورت میں لوگوں کے مختلف رویے سامنے آتے ہیں۔

غیر اسلامی ماحول،فرقہ ورانہ تفریق،پردے میں دشواری،بےجاکی روک ٹوک،دینی امور میں کوتاہیاں،فرائض ادا کرنے میں کوتاہیاں،ہر وقت بلاوجہ کی مداخلت۔دینی اعتبار سے ویسے چلنا ہوتا ہے۔ جیسے سب چل رہے ہیں خواہ شرک اور بدعات ہی میں لگے ہوں۔ماحول کے ساتھ نہ چلنے کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔بعض گھرانوں میں عقیقہ کی روایت نہیں۔سنت عمل کو اپنانے کے لیے بھی بہت سے افراد کو سمجھانا پڑتا ہے۔

ساس اور بہو کا اختلاف اورغیر اسلامی ماحول میں بچوں کی تربیت میں مشکلات پیش آتی ہیں۔اگر کسی اور کا بچہ کوئی غلط بات یا حرکت سیکھتا ہےتو وہ باقی گھر کے بچوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔شوہر اوربیوی کے درمیان ہونے والے مسائل میں سب کا شریک ہو جانا

اکثر اوقات میاں اور بیوی کے آپس کے اختلافات میں دونوں طرف کے سسرال دخل اندازی کر کے مسئلہ کو مزید الجھا دیتے ہیں۔ Galup Pakistanایک سروے کے مطابق سب سے زیادہ طلاق کی وجہ سسرال بنتا ہے

اکتاہٹ ایک ایسی ذہنی و جذباتی کیفیت ہے جس میں انسانیت کو ہر چیز بے معنی، بوجھل اور ناپسندیدہ لگنے لگتی ہے۔ یہ وقتی اور مسلسل دونوں طرح کی کیفیت ہو سکتی ہے۔ یہ انسان کی دلچسپی، توجہ اور جذباتی توازن پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو کام پہلے پسندیدہ ہوتے تھے وہ وقت کے ساتھ ساتھ بور اور بے مزہ محسوس ہونے لگتے ہیں۔ دل و دماغ پر بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ کسی بھی کام بھی زیادہ ترجی نہیں لگتا۔ انسان خود کو تنہا، الگ تھلگ اور بیزار محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ کیفیت تنہائی اور دوستوں دونوں کی موجودگی میں ہو سکتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وقت گزارنا بھی مشکل لگنے لگتا ہے۔ روز مرہ کی ایک جیسی روٹین یا مسلسل ایک جیسا کام کرنا ذہن کا تھکا دیتا ہے۔ پریشانی، ذہنی دباؤ یا بے مقصد زندگی کا احساس سے بھی اکثر اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اپنی زندگی سے عدم اطمینان سے بھی انسان بوریت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے چھٹکارہ پانے کے لیے ضروری ہے کہ نئے مشغلے اپنائیں جائیں، سفر کیا جائے یا روز مرہ کے کاموں کے نئے انداز سے کیا جائے۔ ورزش، چہل قدمی یا کھیل دماغ کو تازہ کر دیتا ہے۔ نماز، دعا مراقبہ یا ذکر جیسے اعمال دل کو راحت پہنچاتے ہیں۔ دوستوں اور گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنا ذہنی بوجھ کو کم کر دیتا ہے۔

اکتاہٹ ایک عام اور سنجیدہ کیفیت کا نام ہے جسے نظر انداز کرنا مسئلے کو طول دے سکتا ہے۔ یہ وقتی بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر مسلسل رہے تو یہ ذہنی صحت پر برا اثر ڈالتی ہے۔ ضروری ہے کہ اس کیفیت کو بروقت بھانپ لیا جائے اور اس کا بروقت حل تلاش کای جائے تاکہ زندگی میں تازگی اور خوشی دوبارہ لوٹ سکے۔ اکتاہٹ ایک ایسی ذہنی اور جذباتی کیفیت کا نام ہے جو انسان کی شخصیت، کارکردگی اور تعلقات کو مثبت سے منفی جانب منتقل کر دیتی ہے۔ جب انسان مسلسل اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ زندگی میں اپنے مقاصد اور منزل دونوں سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اسے ہر کام بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ ایسی صورتحال میں اکتاہٹ کو ختم کرنے کے لیے بروقت کام کرنا لازمی ہے تاکہ فرد کی ذہنی، جسمانی اور سماجی زندگی بہتر سے بہتر ہو سکے۔

بوریت بظاہر کم جانا جاتا ہے لیکن یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ بوریت کے موضوع پر آج کی دنیا میں تحقیق بھی کی جا رہی ہے۔ اس کو سنجیدگی سے دیکھا جا رہا ہے۔ بوریت کا مسئلہ دفاتر، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبا میں بھی بے حد پایا جانے لگا ہے۔ عصر حاضر میں بوریت نشے کا عادی ہونے کا اہم عنصر ہے۔ خصوصاً ازدواجی زندگی میں بوریت کا مسئلہ بہت دیکھنے کو ملتا ہے۔ انسان ایک ہی طرح کی زندگی سے اکتا جاتا ہے۔ شادی کے شروع کے چند سالوں میں تو

چمک دمک لگتی ہے لیکن آہستہ آہستہ انسان تھکتا جاتا ہے۔مرد حضرات خصوصاً اپنے کام پر چلے جاتے ہیں اور خواتین گھر پر سارا دن گھر کے کام اور اگر اولاد ہو تو ان کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہیں۔ہفتے میں چھ دن ایسے ہی گزر جاتے ہیں۔ایک چھٹی کا دن آتا بھی ہے تو اس میں گھر کے کام ہی سارا دن لے جاتے ہیں۔خواتین ہفتے کے چھ دن گھر میں رہ رہ کر ہی بوریت کا شکار ہو جاتی ہیں۔جب مرد گھر آتے ہیں تو وہ الگ تھکے ہوتے ہیں ان کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔اور ساتھ ساتھ روزمرہ کے کام کاج نپٹانے ہوتے ہیں۔ایسے میں نہ ان دونوں کو صحیح سے وقت ملتا ہے کہ کچھ گفتگو کریں،کہیں سیر و تفریح کے لیے نکلیں۔روزمرہ کے معمولات سے ہٹ کر کچھ کریں۔اگر کچھ وقت شام اور رات کا مل بیٹھ کربات کرنے کا تھا تو وہ آج کے جدید مسائل کی وجہ سے نہیں بچتا۔مشترکہ خاندانی نظام میں تو سب کو ساتھ لے کرچلنے میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔اور بیوی کا آمنا سامنا سب کے سونے کے بعد ہوتا ہے جو جھگڑوں میں گزر جاتا ہے۔یا اگر علیحدہ نظام زندگی ہو بھی تو میاں بیوی سوشل میڈیا پر مصروف رہتے ہیں۔اور بچوں کو جدید آلات کے سامنے بٹھا دیتے ہیں۔جب کہ وہ وقت مل بیٹھ کر کچھ باتیں کرنے کا ہوتا ہے۔یہ سب چیزیں بویت کا سبب بنتی ہیں۔بوریت کی بعض دیگر وجوہات بھی ہیں۔ازداوجی زندگی میں جیسے عورتوں کا گھر میں مرد کے بغیر وقت گزارنا،شوہر کی بلاوجہ کی مصروفیات،کام کاج کی وجہ سے شوہر کا دوسرے شہر یا ملک جانا،عورت کو بالکل ہی گھر پر بیٹھائے رکھنا اور کسی قسم کی سماجی مصروفیت کا نہ ہونا۔اردو فیملی نام کی ایک ویب سائیٹ پر ایک کہانی میں ایک ایسے ہی جوڑے کا ذکر ہے جس کی ازدواجی زندگی میں اکتاہٹ اور بوریت پیدا ہونے لگی۔بیوی تو بچوں کے ساتھ مصروف ہو گی جبکہ شوہر اپنے کاروبار اور پھر غیر اخلاقی امور میں ملوث ہو گیا۔جس کے بعد گھریلو تشدد کے واقعات بھی سامنے آئے اور بات خلع تک جا پہنچی۔ایسے کئی واقعات اخبارات میں موجود ہیں۔اور ماہر نفسیات ذکر کرتے ہیں کہ ان کے پاس لوگ آتے ہیں تو یہی شکایت کرتے ہیں کہ اب ہماری ازدواجی زندگی میں پہلے کی سی رنگت نہیں رہ

ازدواجی زندگی میں پرانے مسائل کہیں نہ کہیں بار بار زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں۔یہ وہ مسائل ہوتے ہیں جو یا تو حل نہ کیے گئے ہوں یا ایک فریق کے دل میں رہ گئے ہوں اور

دوسرے نے اسے محفوظ کر رکھا ہو یا بعض دفعہ غلط انداز سے حل کیے گئے ہوں۔tim اور Joy downاپنی کتاب میں بتاتے ہیں کہ ازدواجی زندگی میں اختلافات کے تین مرحلے ہیں۔

۱۔ پہلے مرحلے میں نئی شادی شدہ جوڑے آپس کے اختلافات کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر چھوڑتے رہتے ہیں۔ حتی کہ اس پر گفتگو بھی نہیں کرتے۔

۲۔ دوسرے مرحلے میں شوہر اور بیوی چھوٹی چھوٹی باتیں نظر انداز کر کے تھک چکے ہوتے ہیں۔اور پھر باہم ایک دوسرے سے اپنی ضروریات طلب کرنے لگتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو مظلوم تصور کرنے لگتے ہیں۔

۳۔ تیسرے مرحلے پر بہرحال سمجھوتا اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون میں گزرتا ہے۔لیکن ان کے اندر کے احساسات اور خیالات منفی ہو چکے ہوتے ہیں۔اور ایک دوسرے کے ساتھ تھک چکے ہوتے ہیں۔اس مرحلے میں ان کی ذہنی پریشانیاں،حالات کا دباؤ،ذمہ داریاں اور حالات کا اتار چڑھاؤ بہت بڑھ چکا ہوتا ہے۔جس کی بنا پر ان کے مسائل نہ حل ہونے والے مرحلوں میں ہوتے ہیں۔

tim اور Joy downامریکہ میں۱۹۸۵ء سے ازدواجی زندگی کے مسائل پر کام کر رہے ہیں۔اس سلسلے میں کچھ کتابیں بھی لکھ چکے ہیں۔

۴۔ چوتھے مرحلے میں مسائل نہ ختم ہونے والے حالات میں آچکے ہوتے ہیں۔دونوں اپنی زندگی سے مایوس نظر آتے ہیں۔اور اکھٹے ان کا رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔اس مرحلے میں ان کو کسی ماہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ان کے مسائل حل کر سکے۔

سروے سے معلوم ہوا ہے کہ تقریباً انیس فیصد لوگ ازدواجی زندگی کے مسائل کو نظر انداز کر کے حل کرتے ہیں۔جبکہ دس فیصد روز کا مسئلہ سمجھ کر سمجھوتا کر لیتے ہیں۔اس طرح کچھ لوگ مایوس ہو کر خاموش ہو جاتے ہیں۔یہ سب رویے اندر ہی اندر مسائل اور اختلافات کو گہرا کرتے جاتے ہیں۔جو کچھ وقت گزرنے کے بعد چوتھے مرحلے تک پہنچنے کا سب بن سکتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کو نقصان پہنچانے میں مسئلہ تشدد کا ہے۔خصوصاً عورت پر تشدد کے اکثر واقعات دیکھنے میں ملتے ہیں۔ایک اعداو وشمار کے مطابق2014ء میں پاکستان میں خواتین پر ہونے

والے تشدد میں 56.51 فیصد شوہر کی طرف سے کیا گیا جب کہ والد کی طرف سے ہونے والا تشدد 95.13 فیصد اور بھائی کی طرف سے 97.7 فیصد ہے۔ ان تشدد کے واقعات میں مار پیٹ، تیزاب پھینکنا، زخمی کرنا، قتل، نظر آتش کرنا، سر کے بال کاٹ دینا اور تشدد شامل ہے۔

پاکستان میں شوہر کی طرف سے کیے گئے تشدد کے کچھ واقعات یہ ہیں۔

"اسلام آباد (ڈیلی آن لائن) ٹیلی ویژن اداکارہ نایاب خان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اور برنز کے برن کیئر (بی سی سی) میں زیر علاج ہیں۔ انہیں ان کے شوہر نے گھریلو جھگڑے پر آگ لگا دی تھی۔ نایاب خان کے جسم کا ۴۰ فیصد حصہ جھلس چکا ہے۔ نایاب خان کا کہنا ہے کہ ۱۹ مئی کی رات ان کے شوہر رشید مغل نے پہلے سگریٹ سلگائی جس کے بعد میرے کپڑوں کو آگ لگا دی۔ اداکارہ کو بی سی سی لایا گیا جہاں ڈاکٹرز نے سر توڑ کوششوں کے بعد اس کی زندگی بچالی لیکن اسے اس وقت تک ہسپتال میں داخل رکھا جب تک کہ اس کے زخم ٹھیک نہیں ہوں گئے۔"(۳۰)

ایک اور رپورٹ ایک لڑکی کی سامنے آئی جس نے والدین کے کہنے پر شادی تو کر لی اور کینیڈا چلی گئی لیکن وہاں شوہر نے اس پر جو ظلم ڈھائے وہ سارے اس نے اپنی کہانی میں ذکر کیے ہیں۔ اور بالآخر اپنی مدد آپ کے تحت تعلیم کو بہتر کیا اور کرتے کرتے اس مقام تک پہنچی کہ اپنے حالات ایک Counselor کو بتا دیے جس کے بعد وہاں کی پولیس نے اس کے شوہر کو گرفتار کیا اور ان کی طلاق مکمل ہوئی۔

ان تشدد کے واقعات کی وجوہات میں عورتوں کے حقوق کی پامالی اور قوانین کا نہ ہونا بھی ہے۔ بی بی سی کے مطابق خیبر پختونخواہ کی صوبائی اسمبلی میں جماعت اسلامی کی خواتین نے بل بھی پیش کیا جس پر ان کے مطابق شرعی قوانین کے تحت عورت کو تحفظ بھی دیا گیا اور ایک خاص مدت تک مرد کو اجازت بھی ہے کہ وہ تادیبا عورت پر سختی کر سکتا ہے لیکن سول سوسائٹی

خاندان کو تشکیل دینے کا پہلا اصول نکاح ہے۔ دین اسلام نکاح کے اصول کو نہ صرف کلی طور پر بیان کرتا ہے بلکہ اس کی جزئیات کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نے نہ صرف خاندان کی تشکیل کے بنیادی اصول بیان کیے ہیں بلکہ ان خاندانوں کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے طریقے بھی تعلیم کیے ہیں۔ اسلام کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق جب دو افراد سے بڑھ کر مزید رشتوں کو فروغ دیتا ہے۔

ھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلنہ نسباً وصعیراً

اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا اور پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے۔(۳۱)

سب سے پہلا رشتہ جو ان دو افراد کے درمیان وجود میں آتا ہے وہ میاں بیوی کا رشتہ ہے۔ پھر میاں بیوی کے ذریعے سسرالی رشتے وجود میں آتے ہیں۔ یعنی بیوی کے گھر والے میاں کے لیے سسرالی بن جاتے ہیں۔ تو میاں کے گھر والے بیوی کا سسرال بن جاتا ہے۔ یوں ان دو افراد پر مشتمل خاندان جب صاحب اولاد ہو جاتا ہے تو جس رشتے کا اضافہ ہوتا ہے وہ ایک طرف والدین اور اولاد کا رشتہ ہے تو دوسری طرف سے اس بچے کے لیے باپ کے رشتہ دار ددھیال تو ماں کے رشتہ دار اس کے ننھیال بن جاتے ہیں۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان بننے والا سب سے پہلا رشتہ زوجین کا ہے۔ اور اسی رشتے کے سبب سے باقی رشتے وجود میں آتے ہیں۔ اسی رشتے کی بدولت انسان والدین کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ تو اسی رشتے کی وجہ سے انسان کو اولاد کا مقام بھی مل جاتا ہے۔ یہ رشتہ اگر مضبوط ہو جائے اور زوجین ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو ادا کرے تو اس سے باقی رشتے خود بخود ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں گے۔ کیونکہ زوجین کا رشتہ باقیوں کے لیے جڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر جڑ سالم ہو گی تو درخت سالم ہو گا اس لیے اسلام نے بھی اس رشتے کو بہت اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے اس کے بنانے سے لے کر اس کے نبھانے کے تمام اصول جزئیات سمیت بیان کیے ہیں۔ زوجین کے حقوق و فرائض سے مراد میاں بیوی کے درمیان وہ کام یا چیز جو دونوں نے ایک دوسرے کے لیے انجام دینی ہوتی ہے۔ جیسے بیوی کے لیے نان و نفقہ مہیا کرنا شوہر کا حق ہے اور اسی نان و نفقے کو استعمال کرنا بیوی کا فرض ہے۔ اس طرح بیوی کا فرض بنتا ہے کہ وہ میاں کی غیر موجودگی میں اس کے گھر کی حفاظت کرے۔ پس ایک طرف سے میاں کے حقوق بیوی کے فرائض ہیں تو دوسری طرف سے بیوی کے حقوق میاں کے فرائض ہیں۔ اسلام نے دونوں کے حقوق و فرائض بڑے واضح انداز میں بیان کیے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مرد کے حقوق و فرائض بیان کئے ہیں اسی طرح عورت کے حقوق و فرائض بھی تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ ولھن مثل علیھن بالمعروف

وللرجال علیھن درجۃ واللہ عزیز حکیم

عورتوں کے لیے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں۔ جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔(۳۱)

نکاح کے بندھن میں بندھنے والے یہ دو افراد اگر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر اچھے طریقے سے ادا کریں تو گھر جنت کا منظر پیش کرے گا اور میاں بیوی صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا اور پر سکون محسوس کریں گئے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں بسا اوقات ایسا نہیں ہوتا، ہمارے گھرانے اسلام کے دیے ہوئے مقصد کو پورا نہیں کرتے ہیں۔ زیادہ تر گھرانے ایسے ہوتے ہیں جہاں لڑائی جھگڑا روزانہ کا معمول بن جاتا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف میاں بیوی آپس میں چڑچڑے ہوتے ہیں بلکہ اس لڑائی جھگڑے کے اثرات بچوں پر بھی پڑتے ہیں اور تا حیات باقی بھی رہتے ہیں۔ گھر کے ماحول کو پر سکون اور آرام دہ بنانے کے لیے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا چاہیئے۔ اور حقوق اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب دونوں اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔ کیونکہ میاں بیوی کی باہمی نزاع کا اصل سبب اپنے فرائض سے آگاہ نہ ہونا ہے۔ بقول ابرایئم امینی جو اپنی کتاب "خاندان کا اخلاق" میں رقمطراز ہیں:

> خاندانی اختلافات اور باہمی کشیدگی کا سب سے بڑا سبب میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے فرائض سے عدم واقفیت اور خاندان کی مشترکہ زندگی کے لیے پہلے سے آمادہ نہ ہونا ہے۔ کسی بھی ذمہ داری کو سنبھالنے سے پہلے اور کسی بھی کام کو انجام دینے کے لیے تیاری اور مہارت حاصل کرنا ایک بنیادی شرط مانی جاتی ہے۔ اور جو شخص کافی معلومات نہ رکھتا ہو اور پہلے سے آمادہ نہ ہو وہ کسی بھی کام کو بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ذمہ داری کو سنبھالنے سے پہلے اس کے لیے تربیت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ (۳۲)

پس گھر کے ماحول کو پر سکون بنانے اور میاں بیوی کے رشتے کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ جان لیں کہ ان کے ایک دوسرے پہ کیا حقوق اور فرائض ہیں اور وہ کیسے ان فرائض کو ادا کر سکتے ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ دنیا میں سب سے مضبوط اور خوبصورت رشتہ ہوتا ہے یہ محض قانونی معاہدہ دو افراد کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ محبت، اعتماد، ایثار ایک دوسرے کی ذمہ داری اٹھانے اور خیال رکھنے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ میاں بیوی جب تک گھریلوں اختلافات باہم تحمل سے حل نہیں کریں گئے ان کے گھر کے حالات بہت زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ گھر کا نظام چلانے کے لیے گھر کے تمام افراد ذمہ دار ہوتے ہیں

پس عائلہ، خاندان، کنبے یا فیملی کی داغ بیل ایک مرد اور عورت کے درمیان تعلق سے ایسی پڑتی ہے

جس میں توالد و تناسل بذریعہ ترویج ہو گی افزائش خاندان ہو اور اس تعلق کو معاشرے میں قبولیت کی سند حاصل ہو۔اس تعلق کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔

ایک معاشرہ انہیں خاندانوں، کنبوں یا فیملیز کے اجتماع کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔چونکہ معاشرہ اجتماعیت کا متقاضی ہے اس لیے اس اجتماع کو قائم رکھنے کے لیے بعض قوانین وضع کیے جاتے ہیں تاکہ معاشرے میں کوئی خرابی نہ آئے۔ان قوانین میں سے خانگی نظام سے متعلق قوانین کو عالمی قوانین یا Family laws کا نام دیا جاتا ہے۔اب دنیا چونکہ ایک وسیع کینوس پر محیط ہے۔اس وجہ سے ہر جگہ کے اپنے حالات و واقعات نیز تہذیب و ثقافت کی روشنی میں ہر ملک اور خطے کے اپنے الگ عائلی قوانین موجود ہیں جو ایک خاندان کی اکائی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔پاکستان اور امریکا کے عائلی قوانین کے تناظر میں یہی حقیقت مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔پاکستان اور امریکا دو الگ براعظموں، خطوں اور تہذیب و ثقافت کے حامل ممالک ہیں، اسی مناسبت سے دونوں کے عائلی قوانین میں بھی فرق ہے۔

پاکستان اسلامی ملک ہے، اسی مناسبت سے پاکستان کے احکام و قوانین کی بنیاد اسلام ہے جن کا اصل اور اول الذکر ماخذ خوُد قرآن کریم ہے۔اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ قرآن، سنت، اجماع واجتہاد ہیں۔یہ وہ ماخذ ہیں جن کے اصول و کلیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر زمانے اور ہر علاقے کے لیے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔عائلی نظام کے تناظر میں اسلام نے قوانین کو ایک منضبط طریقہ کار واضح کیا ہے۔جو مرد و عورت پر دونوں کو بہت سے حقوق و فرائض کا پابند ٹھہراتا ہے۔اسلامی عائلی نظام کی ابتداء معاہدہ نکاح کی صورت میں ہوتی ہے۔نکاح کے لیے ولایت اور گواہوں کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔اسلامی نکاح میں مہر ایک لازمی چیز ہے۔اسلام بیوی کے فرائض میں خاوند کی خدمت و اطاعت، خاوند کے مال و متاع، عزت و آبرو کی حفاظت کو لازمی ٹھہراتا ہے جبکہ خاوند کے فرائض میں حسن معاشرت، مہر کی ادائیگی، رہائش کی فراہمی، ضروریات زندگی کا اہتمام، بیویوں میں عدل اور فسق وفجور سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔اسلام زوجین میں وراثت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔اس کے علاوہ اسلام میاں کو بامر مجبوری واکراہ طلاق جبکہ بیوی کو ایسی صورت میں خلع کا حق بھی دیتا ہے۔دیگر اقوام کے برعکس اسلام سابق میاں بیوی دونوں کو دوبارہ نکاح کا حق بھی دیتا ہے۔لیکن عورت کی پاکدامنی اور نسل کی حفاظت کے لیے عورت پر عدت گزارنا بھی واجب رکھا گیا ہے۔

یہ اسلام کا وضع کردہ خانگی نظام ہے جس کی روشنی میں پاکستان کے آئین میں بھی اس طرح میاں

بیوی کے لیے قوانین تشکیل دیے گئے ہیں۔پاکستان کا مسلم عائلی قوانین آرڈنیس ۱۹۲۱اسی حقیقت کا غماز ہے۔اس ضمن میں یہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ جس طرح اسلام غیر مسلموں کے ان کی کتاب کی روشنی میں فیصلے کرنے میں آزادی دیتا ہے،ایسے ہی پاکستانی آئین میں بھی اقلیتوں کو ان کے مذہبی ضابطوں کے مطابق حقوق دیے گئے ہیں۔ مسلم عائلی قوانین آرڈنیس ۱۹۶۱ء کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہے۔

مسلم عائلی قوانین آرڈنیس ۱۹۶۱ء کے آرٹیکل نمبر پانچ میں ہر پاکستانی مسلمان کو نکاح کی اجازت دی گی ہے۔ لیکن آرٹیکل پانچ کی دفعہ ایک کے تحت اس نکاح کا باقاعدہ اندراج یونین کونسل میں کروانالازمی قرار دیا گیا ہے۔ بصورت دیگر سزا کا اطلاق ہو گا۔اسی طرح آرڈنیس کے آرٹیکل چھ میں مرد کو کثیر الازدواجی کی اجازت دی لیکن ان ہر چند شرائط بھی عائد کی گئی ہیں۔ جیسے آرر ٹیکل چھ کی دفعہ ایک کے تحت قبل ازیں ثالثی کونسل کی پیشگی تحریری اجازت جبکہ آرٹیکل چھ ہی کی دفعہ ۲ کی ذیلی دفعہ ایک کے تحت شوہر کو دوسری شادی کی وجہ نیز قبل ازوقت پہلی بیوی سے اجازت لینا ٹھہرایا گیا ہے۔ورنہ ایسی کوئی شادی رجسٹر نہ ہو گی۔

اس طرح طلاق کے حوالے سے بھی مسلم عائلی قوانین آرڈنیس ۱۹۶۱ء کے آرٹیکل ۷ میں واضح ہدایات موجود ہیں جن کی پیروی میں طلاق کا عمل مکمل کیا جاسکتا ہے۔

"پاکستان کا مسلم لا آرڈنیس ۱۹۶۱ء بھی ایسی ہی ایک کاوش ہے۔اس آرڈنیس کی دفعہ نمبر ۷ طلاق سے متعلق ہے۔اس دفعہ کے تحت چھ ذیلی دفعات میں طلاق کے ضوابط درج کیے گئے ہیں۔ طلاق کے شرعی ضوابط کی پابندی کے ساتھ ساتھ اس کی رجسٹریشن کا قانون انتظامی طور پر بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔"[1]

لیکن آرڈنیس میں ایک ستم رہ گیا ہے جو اسلامی تعلیم سے لفظی مطابقت نہیں رکھتا۔اسلام میں عورت کو مرد سے علیحدگی کا اختیار بصورت خلع دیا گیا ہے لیکن آرڈنیس میں مرد اور عورت ہر دو کی علیحدگی کے لیے طلاق کا قاعدہ رکھا گیا ہے۔اس پر علماء نے شدید احتجاج بھی کیا ہے لیکن اس میں تبدیلی نہیں کی گئی۔اس صورت میں خلع کا اختیار اب عدالت کے پاس چلا گیا ہے۔اور اگر عدالت مرد کی غلطی دیکھے تو عورت کو خلع کا اختیار دے دیتی ہے۔

طلاق کے بعد مرد کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بعض ریاستوں میں میاں بیوی ایک نیا معاہدہ کر لیتے ہیں جس کے بعد شادی شدہ تو نہیں رہتے لیکن وہ کسی دوسرے اور سے بھی شادی نہیں کر سکتے۔اور نہ ہی ایسی صورت میں عورت کو کوئی خرچہ ادا کیا جاتا ہے۔یہ عموماً وہ لوگ کرتے ہیں جو کسی وجہ سے ایک ساتھ تو رہنا

گوارہ نہیں کرتے لیکن طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل کو بھی اپنانے پر راضی نہیں ہوتے

ایک طریقہ Legal Separation کا بھی ہے جس میں مرد اور عورت ایک فارم پر کر کے عدالت کے ذریعے علیحدہ رہنے اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں سے فراغت کا جواز حاصل کر لیتے ہیں۔ تاہم وہ دونوں کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے۔ یعنی نہ تو وہ شادی شدہ رہتے ہیں نہ مکمل آزاد ہوتے ہیں۔ عموماً یہ طریقہ وہ لوگ اپناتے ہیں جن کے لیے اکھٹا رہنا ناممکن اور طلاق لینا ناپسندیدہ ہے۔"(۳۳)

پس مجموعی طور پر امریکی ریاستوں میں مندرجہ بالا نمایاں قوانین رائج ہیں۔ امریکی اور پاکستانی عائلی زندگی کے اس تفصیلی تعارف سے یہ بات نظر آتی ہے کہ دونوں ممالک کے عائلی قوانین میں اشتراکات بھی ہیں اور افتراقات بھی۔ اشتراکات میں سب سے نمایاں پہلو معائدہ نکاح کا طے پانا ہے۔ گو امریکا میں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے لیکن پھر بھی اکثریت شادی پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسرا شادی کے بعد عورت کو مرد کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ اور مرد ہی بیوی کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بچوں کے معاملات میں بھی دونوں ممالک میں ایک ہی طرح کے قوانین رائج ہیں جس میں بچے کی کفالت مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جس طرح نکاح کا حق دونوں ملکوں میں مسلم ہے ایسے ہی طلاق اور علیحدگی کا حق بھی دونوں ملکوں میں ثابت شدہ حقیقت ہے۔ علیحدگی کے طریقہ کار میں فرق ہو سکتا ہے لیکن جائز مجبوری میں دونوں ممالک میں علیحدگی کا طریقہ کار موجود ہے۔ اس طرح نفقے کا قانون بھی دونوں ممالک میں ایک ہی طرح کا ہے جس میں علیحدگی کی صورت میں شوہر بیوی کو گزارے کے لیے خرچ مہیا کرتا ہے۔ دوسری شادی کا پہلے امریکا میں تصور نہیں تھا لیکن اب یہ چیز بھی دونوں ممالک میں ایک طرح کی ہو گئی ہے۔ دونوں ممالک میں ضرورت کے تحت مرد و عورت دونوں کو دوسری شادی کا حق مہیا کیا گیا ہے۔

لیکن ان اشتراکات کے علاوہ افتراقات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جو دونوں ممالک پاکستان اور امریکہ کے درمیان موجود فرق کو واضح کرتا ہے۔ ان میں سب سے اولیت مذہب کی کارفرمائی ہے۔ پاکستان کے عائلی نظام کی بنیاد مذہب اسلام پر رکھی گی ہے جبکہ امریکہ میں بنیادی حقوق اور مساوات کی روشنی میں قوانین تشکیل دیے جاتے ہیں۔ پھر مساوات کے قاعدے کا واضح فرق موجود ہے۔ اسلام میں مرد کو قومیت کا مقام حاصل ہے جبکہ امریکہ اور مغرب میں نام نہاد مساوات کا قاعدہ ہے جس نے گھریلو زندگی کی تباہی میں کافی حصہ ڈالا ہے۔

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے بعد سب سے اہم رشتہ ساس کا ہوتا ہے۔ جو بہو کے آنے سے پہلے اپنے گھر میں مالکن ہوتی ہے۔ سارا حکم اس کا چلتا ہے۔ سسر تک اس سے ڈرتا ہے۔ گھر میں اپنے علاوہ وہ کسی ایک شراکت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بہو کے آجانے کے بعد یہ بات اس کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے بیٹے پر بہو کا بھی حق ہو۔ یہی بات گھروں میں اکثر لڑائی جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔ دیکھا جائے تو تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ساس کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آنے والی لڑکی بہو اپنا سب کچھ چھوڑ کر نئے گھر میں آئی ہے۔ اس کو اس بات کا موقع دینا چاہیے کہ نئے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکے۔ تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کر سکے۔ بلکہ ایسے محسوس ہو کہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں آگئی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں جانب سے دل کو کشادہ کیا جائے لیکن ہمارے معاشرے میں اس کے برعکس ساس کا امیج ایسا بن چکا ہے کہ ساس کا نام آتے ہی ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ ہر وقت بیٹے کے کان بھرتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں فریقین میں تو تو میں میں ہو جاتی ہے۔

یہ ایک حساس اور اہم موضوع ہے۔ خاص کر برصغیر پاک وہند کی کی ثقافت میں جہاں جوائنٹ فیملی سسٹم میں زیادہ تر لوگ زندگیاں گزارتے ہیں۔ یہ رشتہ تب کامیاب ہوتا ہے جب باہمی تعاون کو فروغ دیا جائے۔ اس رشتے میں محبت، تعاون اور سمجھ بوجھ ہونا لازمی ہے۔ لیکن اکثر یہ رشتہ غلط فہمیوں، توقعات اور مداخلت کی وجہ سے کشیدگی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ساس شوہر کی ماں ہوتی ہے جس کے ساتھ زندگی کا اہم حصہ گزرتا ہے۔ جس نے اسے پالا، سنوارا اور زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کی ہوتی ہے۔ بیوی شوہر کی زندگی کا ایک نیا ساتھی ہوتا ہے جس سے مل کر اس نے نئی زندگی کی شروعات کرنی ہوتی ہے۔ ان دونوں کا شوہر سے تعلق مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اکثر جب دونوں رشتے ایک ساتھ زندگی میں آتے ہیں تو حدود کے تعین نہ ہونے کی وجہ سے مسائل کا آغاز ہوتا ہے۔ بعض اوقات گھر کے نظام کو کنٹرول ساس کرتی ہے جبکہ نئی دلہن اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی مرضی اور اپنے اصولوں کی پاسداری کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے معاملات میں مداخلت اور روک ٹوک کو پسند نہیں کرتی۔ اس کشمکش، بدگمانی، تلخی اور لڑائیوں کی وجہ سے گھر کا سکون آہستہ آہستہ خراب ہونے لگتا ہے۔ شوہر کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کو ایک پل کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ وہ ماں اور بیوی دونوں کے جذبات کا خیال رکھ کر زندگی کا نظام چلاتا ہے۔ اگر شوہر انصاف نہ کرے یا کسی ایک کا طرف دار ہو جائے تو اس سے اس کے دونوں رشتے متاثر ہوتے ہیں۔ بیوی کو گھر کا ماحول سکون بنانے

کے لیے ساس کا ادب کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس کے شوہر کی ماں اور گھر کی بڑی ہے۔ ساس کو بھی نئی بہو کو عزت دینا چاہیے اور اس دل سے قبول کر کے بیٹے کی زندگی میں مزید کردار ادا کرنا چاہئے۔ ازدواجی زندگی میں ساس کی ضرورت سے زیادہ مداخلت اور بہو کا عدم برداشت دونوں سے مسائل بڑھتے ہیں۔ اگر ساس اور بہو دونوں اپنے اپنے دائرے میں رہیں تو گھر میں سکون اور محبت قائم رکھنے میں آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ازدواجی زندگی میں ساس کے رشتے کا توازن، سمجھداری، برداشت اور محبت سے قائم رکھنا گھر میں ضروری ہے۔ دونوں طرف اگر نرمی، حکمت اور خلوص ہو تو یہ رشتہ ایک دوسرے کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ تعلق زندگی میں سکون نہیں لا سکتا۔ ازدواجی زندگی میں دو افراد شوہر اور بیوی کے درمیان محبت، وفا، اعتماد اور شراکت داری کا ایک خوبصورت رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ رشتہ محض دو افراد کی زندگی سے نہیں جڑا ہوتا بلکہ اس سے پورے خاندان کے رشتے جڑے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر شوہر کی والدہ یعنی ساس سے جڑا ہوتا ہے

ساس عام طور پر روایتی طریقوں پر عمل کرتی ہے۔ وہ روایتی طریقوں سے زندگی کے نظام کا چلانے کی حامی ہوتی ہے۔ اس رشتے میں وہ خوش رہتی ہے۔ جبکہ نئی بہو اگر تعلیم یافتہ ہو تو وہ خود مختار خیالات کی مالک ہوتی ہے۔ اس کے خیالات ساس سے جب نہیں ملتے تو ان دونوں کے درمیان سوچ کے فرق کی وجہ سے رشتے میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ بعض ساسیں بیٹے کو مکمل اختیار میں رکھنا چاہتی ہیں۔ جب وہ دیکھتی ہیں کہ اب بیوی کی بات مانی جارہی ہے تو وہ احساس محرومی اور حسد جیسی بیماری کا شکار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر بہو ساس کی باتوں کو فوری منفی انداز میں لے یا ہر وقت شکایت کرے تو یہ رویہ ساس کے دل میں ناراضگی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ساس چاہتی ہے کہ گھر اس کے مطابق چلے۔ جبکہ نئی بہو اپنی مرضی اور سہولت سے چلانے کی خواہاں ہوتی ہے۔ یہ کشمکش ایسی ہوتی ہے جو گھر کے امن کو خراب کر دیتی ہے۔ اگر شوہر ماں اور بیوی میں توازن قائم نہ رکھ سکے تو ایک فریق خود کو نظر انداز شدہ محسوس کرتا ہے۔ بعض شوہر ماں کی حمایت میں بیوی کو دبانا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا رجحان بیوی کی طرف ہوتا تو اپنی ماں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کا خیال نہیں رکھتے۔ دونوں صورتوں میں گھر کا امن کم خراب ہوتا ہے۔ نئی بہو کو بیٹی جیسا پیار دینا ضروری ہے۔ اس سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسے عزت دینی چاہیے اور اس کی زندگی میں اپنی ماں جیسی شفقت دکھانا ساس کا حق ہے۔ اس طرح شوہر توازن کو قائم رکھتے ہوئے دونوں کے جذبات کی قدر کرے اور کسی کو کمتر محسوس نہ ہونے دے۔ والدہ کو عزت اور بیوی کو محبت دینا ضروری ہے۔ غلط فہمیوں

کو دور کرنے کے لیے کھلے دل سے بات چیت کرنا چاہئے۔ چپ رہنے یا باتوں کو دل میں رکھنے سے فاصلے بڑھ جاتے ہیں۔ ساس اور بہو کا رشتہ اگر محبت، خلوص، سمجھ بوجھ اور برداشت جیسے خوبصورت لبادے میں ہو تو گھر میں خوشیوں کی بہار لائی جا سکتی ہے۔ ورنہ یہی رشتہ ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو خراب کر سکتا ہے۔ ہمارا مذہب اسلام بھی بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت کی تعلیم کا حکم دیتا ہے۔ اگر دین کے ان اصولوں کو اپنی زندگی پر لاگو کریں تو یہ بہت خوبصورت رشتہ بن سکتا ہے۔

یہ رشتہ اگر سمجھداری، برداشت اور خلوص سے نبھایا جائے تو گھر کا ماحول ایک جنت کی طرح بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اس میں ضد آنا اور بدگمانی شامل ہو جائے تو اس سے ازدواجی زندگی کا یہ خوبصورت رشتہ بہت متاثر ہو جاتا ہے۔

میاں بیوی کے بعد ازدواجی زندگی میں جو سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہستی ساس ہے۔ چاہے لڑکی کی ہو یا لڑکے کی۔ دونوں کا ہی پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ دونوں اپنے بچوں کے گھر میں آگ لگانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو ساس اپنی بہو کو بیاہ کر لے آتی ہے۔ اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے حکم کا غلام بنائے۔ وہ اس کا ہر حکم بجالائے۔ ساس اپنی سلطنت میں کسی کی شمولیت یا داخلہ یا دخل اندازی برداشت نہیں کرتی۔ جس کی وجہ سے گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ ساس اور بہو کے روزانہ کے جھگڑوں سے گھر کی فضاء عجیب و غریب ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کی ہاتھا پائی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ افضل پارس "خس کم جہاں پاک قطعہ میں ضرب المثال کا استعمال ساس کے لیے استعمال کر کے ساری فساد کی جڑ ساس کو قرار دے رہے ہیں اور مزائیہ انداز میں دعا کر رہے ہیں کہ اس کے دنیا سے چلے جانے سے طلاق کی شرح میں کمی واقع ہو گی۔

شادی ہو جانے کے بعد بیوی کا رشتہ صرف شوہر سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے گھر والوں سے بھی ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بیٹی جب بیاہ کر جاتی ہے تو اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر میں وہ لڑکی جس طرح کی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے۔ اگلے گھر جا کر کسی کی بیوی، کسی کی بہو بن جاتی ہے۔ بحیثیت بہو اس کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس نے ایک خاندان میں رہتے ہوئے اپنی ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا ہوتا ہے۔ اس نئے گھر میں بہو کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اور بہو گھر والوں کے ساتھ جس طرح کا رویہ رکھتی ہے اس حوالے سے ہمارے شعراء حضرات نے بہو کو طنز و مزاح کا

نشانہ بنایا ہے۔ ہماری معاشرتی اقدار وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ معاشرے میں موجود رشتوں کے درمیان میں بھی چپقلش وقت کے رویوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کسی گھر میں بہو کو ماں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کسی گھر میں بہو کو اہمیت ہی نہیں دی جاتی۔ بعض گھروں میں بہو ایسی ملتی جلتی ہوتی ہے کہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بہو ہے یا دوسرے گھر کی زاہدہ حنا باپ اور بیٹے کو ایک ہی جیسا عذاب سہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بیٹا بہو کی صورت میں اور باپ بیوی کی صورت میں دونوں کا دکھ مشترکہ ہوتا ہے۔ دونوں ہی تنہائی کا عذاب سہ رہے ہیں اپنے قطعہ بہو میں اس کا نقشہ مزاحیہ انداز میں کھینچ رہے ہیں جس گھر میں بہو موجود ہے۔ بہو کے رشتے کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہے۔ یہ ایسا رشتہ ہوتا ہے جو دو افراد کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ دو خاندانوں کو آپس میں جوڑتا ہے۔ یہ رشتہ باہمی محبت، عزت، اعتماد اور برداشت سے جڑے ہوتے ہیں۔ بہو گھر میں ایک نئے فرد کے طور پر ہوتی ہے جو مختلف ماحول، تربیت اور مزاج سے سے آئی ہوتی ہے۔ یہ رشتہ سسرال والوں کے ساتھ ایک نئی شروعات اور سمجھوتے کی طرح ہوتی ہے۔ ایک اچھی، مثبت سوچ رکھنے والی بہو گھر کے ماحول کو جنت بنا دیتی ہے۔ اسی طرح اگر سسرال والے بہو کے ساتھ اچھا سلوک کریں تو گھر امن اور سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ بہو مستقبل کی ماں ہے جو نئی نسل کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی سوچ اور کردار اگلی نسل پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ ایسا رشتہ بن جاتا ہے جو معاشرے میں خاندانی نظام کو استحکام بخشتا ہے۔ جب بہو اور سسرال کے درمیان باہمی احترام ہو تو خاندان خوشحال ہوتا ہے۔ بہو کا مقام تب ہی بہتر طریقے سے قائم ہوتا ہے۔ جب ایک فرد، بیوی اور گھر کی رکن کے طور پر اس کے حقوق دیے جائیں تو وہ بھی اپنے فرائض خوش دلی سے نبھائے۔

ہمارا خاندانی سسٹم جو پہلے مل جل کر رہنے کا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے نئے رشتے بنتے گئے۔ اس میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں۔ وہ لوگ جو پہلے ایک ہی گھر میں ایک ہی چھت تلے رہتے تھے۔ اب ایک ایسی ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ان کے رشتوں میں ایسی دوریاں آگئی ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو گئے ہیں۔ بہو کے آجانے کے بعد ماں باپ کو سٹور روم میں کر دیا جاتا ہے۔ یہ رشتے ایک دوسروں میں قربتوں اور فاصلوں کا باعث بن رہے ہیں۔ زاہدہ حنا بھی اس حوالے سے قربتیں اور فاصلے میں بہو کے بیڈ روم اور ماں باپ کے اسٹور روم میں شفٹ روم میں شفٹ ہو جانے کا تذکرہ طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ گھر کے حالات یکسر بدل جاتے ہیں۔ بہو کے آنے کے بعد

ساس اپنی ہی بہو کو اپنا دشمن تصور کر لیتی ہیں۔ تا کہ بہو ہمیشہ گھر میں مظلوم بن کے ہی زندگی گزار دیں اور کوئی بھی اس کا ساتھ نہ دیں۔

ساس اور بہو کی چپقلش کا سلسلہ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش میں برسرپیکار ہوتی ہے۔ بہو چاہے جتنی بھی پڑھی لکھی کیوں نہ ہو اس کی اپنی ساس کے سامنے کچھ نہیں چلتی اس کی ساری کی ساری ڈگریاں بیکار جاتی ہیں۔ اگر بہو نوکری کرنے والی ہو تو ساس اس کو گھاس اس لیے نہیں ڈالتی کہ ایسے زیادہ اہمیت دی تو سر پر چڑھ جائے گی۔ بہو باہر جتنے بھی بڑے عہدے پر فائز کیوں نہ ہو گھر میں اس کی خاطر قدر و قیمت اس کے گھریلو کام کاج کی وجہ سے ہو گی۔ اگر اس کو گھر کا کام کاج نہیں آتا تو اس کو بات بات پر طعنے دیے جاتے ہیں اور وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہے کہ میں اپنی ساس کو کیسے خوش رکھوں۔ یہاں اس کی ڈگریاں اس کے کوئی کام نہیں آتیں بلکہ بقول زاہدہ حنا یہاں کی ٹیکنیک بالکل مختلف ہے۔ اس حوالے سے وہ ٹیکنیکل بہو میں انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کر کے مزاحیہ انداز میں ٹیکنیکل تکنیک بتا رہا ہے

ہر ساس اپنے لیے ایسی بہو کی تلاش میں سرگرداں ہوتی ہے جو خوبصورت بھی ہو، کم بولتی ہے، لیکن مالدار ہو یعنی ہر فن مولا ہو۔ ایسی ہی خواہش کا اظہار شوہر اپنی بیگم سے انداز میں کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی ساس اور بہو کی چپقلش کا سلسلہ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش میں برسرپیکار ہوتی ہے۔ بہو چاہے جتنی بھی پڑھی لکھی کیوں نہ ہو اس کی اپنی ساس کے سامنے کچھ نہیں چلتی

سسرال میں جس رشتے کے ساتھ سب سے زیادہ ساس کے بعد چپقلش ہوتی ہے وہ نند کا رشتہ ہے جو ہوتی تو شوہر کی بہن ہے لیکن اپنی لگائی بجھائی والی عادت کی وجہ سے اپنے بھائی کے گھر میں آگ لگاتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے بھائی اور بھابھی کے تعلقات انڈیا اور پاکستان کی طرح کشیدہ ہی رہتے ہیں۔ اگر یہی نند ایک مثبت کردار سرانجام دے تو ہمارے معاشرے میں ہونے والی تباہی و بربادی جو چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں کی وجہ سے بہت بڑے بگاڑ کا باعث بن جاتی ہیں ان سے بچا جا سکے۔ اس طرح بہو بھی نند کے ساتھ جو سرد رویہ رکھتی ہے وہ اس کی گھر کی بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ کیونکہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ بہو اگلے گھر جا کر کس طرح ضرب تقسیم کا کام کرتی ہے اور سب سے پہلے نند کو ہی اس گھر سے چلتا کرنے کی

کوشش کرتی ہے۔ سرفراز شاہد اپنی نظم جمع تفریق ضرب تقسیم میں مزاحیہ انداز میں اس بہو کا حلیہ بیان کر رہے ہیں جو سسرال میں جا کر نندوں کو تفریق کرتی ہے جا کے سسرال اپنی نندوں کو گھر سے تفریق کرتی جاتی ہے نند اور بھرجائی میں ان بن کا سلسلہ ہر گھر کی کہانی ہے۔ ہر گھر میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں عدم برداشت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے نند بھابھی کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس گھر کی تمام ذمہ داری یا اختیار میرے ہاتھ میں ہے۔ جبکہ بہو یہ سمجھتی ہے کہ اس گھر کا اختیار اسے ملنا چاہیے۔ اس طرح اختیار کی جنگ کا سلسلہ سیاسی میدان کے ساتھ ساتھ گھریلو میدان میں بھی اکھاڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مرزا عاصی اختر اسی تو تو میں میں کی صورت میں گھر کی صفائی کا مزاحیہ انداز میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

سماج میں بیوی کا مقام کے حوالے سے دیکھا جائے تو معاشرے کے اندر بیویوں کو وہ مقام ہی نہیں دیا جاتا جس کی وہ حق دار ہوتی ہیں اور نہ ہی بیوی اور مرد کے درمیان مساوی حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ معاشرے میں عورتوں کی محکومی اور بے بسی کی طرف نظر دوڑائی جائے تو لازمی ہے کہ عورتوں کو اس دلدل سے باہر نکلنا چاہیے۔ اگر عورت مرد کے مقابل نہیں تو اس کو اس کے ساتھ ساتھ تو ضرور چلنا چاہیے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب گھر کی چار دیواری سے باہر نکلے اور زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ تعلیم سے عورت اپنی سماجی زندگی میں اہم کردار ادا کر سکے گئی اور اس وجہ سے اپنی قابلیتوں کا مظاہرہ کر سکے۔ ڈاکٹر جعفر رقمطراز ہیں:

> پرانے زمانے میں بیوی شوہر کی مار کھاتی تھی، ٹھوکریں کھاتی تھی بے عزتیاں گوارا کرتی تھی۔۔۔ اور اپنی سیوا کرنا اپنا دھرم، نالش کرنا پاپ اور طلاق لینا مہا پاپ سمجھتی تھی آج کل کی نئی روشنی کی لڑکیوں اور عورتوں کو مساوات کا درس کا درس دیا جاتا ہے اور اب عزتیاں سہنا سب سے بڑا گنا، سب سے بڑا عیب اور نسوانیت کے خلاف سب سے بڑا جرم ہے۔ (۳۳)

ازدواجی زندگی میں سب سے اہم رشتہ میاں بیوی کا ہی ہوتا ہے۔ ایک لڑکی اپنا سب کچھ چھوڑ کر نئے رشتے بناتی ہے۔ جس میں سب سے اہم رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ باقی رشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنائے گئے ہیں۔ لیکن میاں بیوی کا واحد رشتہ ہے جسے روئے زمین پر سب سے پہلے بنایا گیا ہے۔ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اس نے اگلے گھر جانا ہے۔ اس لیے اس کی ماں اسے گرہستی سکھانا

شروع کر دیتی ہے کہ اپنے خاوند کی فرمابر دار رہنا ہے اور اس کا ہر حکم بجالانا ہے۔ تاکہ تمہارے ماں باپ کی تربیت پر کوئی حرف نہ آئے۔ لڑکی بیوی کا روپ دھارتی ہے تو ماں کی نصیحتیں اسے قدم قدم پر یاد آتی ہیں کہ میاں بیوی دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں اونچ نیچ ہوتی ہے۔ تمہیں اسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملات کو سلجھاتا ہے۔ سسرال کی بات کسی سے نہیں کرنی۔ ساس سسر بھی ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے ماں باپ کی خدمت کرتے ہوئے عار محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح اپنے ساس سسر کی خدمت بجالانی ہے تاکہ خاوند تم سے خوش ہو جائے۔ میں بیوی کا رشتہ محبت، اعتماد اور قربت سے جڑا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں اختلاف اور چپقلش بھی اکثر ہوتی ہے۔ یہ چپقلش معمولی باتوں سے لے کر بڑے مسائل کی اکثر شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر اس رشتے کو درست طریقے سے نہ چلایا جائے تو رشتے میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ چھوٹی باتوں کو سمجھنے یا ایک دوسرے کی نیت پر شک کرنے سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں جس سے چپقلش پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات میاں بیوی اپنی ضد کی وجہ سے ایک دوسرے کی بات نہیں ماننے جس سے مسائل کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ جاتے ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ انسانی زندگی کے اہم ترین رشتوں میں سے ایک اہم اور خوبصورت رشتہ ہے۔ یہ رشتہ صرف دو افراد کے درمیان تعلق نہیں بلکہ پورے خاندان کا اس رشتے سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے اس نازک رشتے کو بڑے عمدہ طریقے سے چلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میاں بیوی کو قرآن پاک میں ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ جس طرح لباس سے ہم اپنے جسم کو ڈھانپتے ہیں ازدواجی زندگی میں بھی بیوی میاں اور میاں بیوی کے عیبوں اور باتوں کو ڈھانپتا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔ کمی ہر انسان میں ہوتی ہے لیکن بہترین ساتھی وہی ہے جو اپنے ساتھی کے عیبوں پر پردہ ڈالے۔ زندگی کے ہر میدان میں دونوں اکھٹے فیصلہ کریں کیونکہ میاں بیوی کو گاڑی کے دو پہیے کہا گیا ہے۔ اگر گاڑی کا ایک پہیہ بھی ناکارہ ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ اس لیے میاں بیوی کو گاڑی کو بھی ہر حوالے سے ٹھیک ہونا چاہیے تاکہ صحیح طریقے سے گھریلو زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ سے نبرد آزما ہو سکیں۔ اور ان اتار چڑھاؤ پر صبر و تحمل کے دامن کو تھامے رکھنا چاہیے۔ یہی گھریلو زندگی میں کامیابی کا گر ہے۔ مرد کی نسبت عورت کو زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت میں برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ گھریلو زندگی میں بیوی کا اپنے شوہر اور اپنے سسرال کے ساتھ جو رویہ

ہوتا ہے اس کو زیادہ تر ہمارے معاشرے میں منفی سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعراء نے بھی اس کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ جس کے ذریعے ہمارے معاشرے میں جو بیوی کا کردار ہے اس کے مختلف روپ اور مختلف انداز نظر آتے ہیں۔ جس میں کبھی وہ مظلوم بیوی کے روپ میں دکھائی دیتی ہے، کہیں ظالم جابر، کہیں پھوپڑ، کہیں لڑاکا اور کہیں سلیقہ شعار بیوی کے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح شوہر کبھی مظلوم خاوند، کبھی بے زبان خاوند، کبھی رن مرید شوہر اور کبھی بے بس شوہر کے حوالے سے دکھائی دیتا ہے۔ تصویر کے یہ دو رخ ہیں جس میں میاں اور بیوی کا عکس نظر تا ہے جو ساتھ ساتھ ہیں۔ میاں بیوی کے ان رخوں کو ہمارے افسانہ نگاروں نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ جہاں افسانہ نگاروں نے بیوی کا ذکر کیا ہے وہاں میاں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ الغرض مختصر افسانہ عائلی زندگی کے کردار کے بارے میں جب بیان کیا جاتا ہے تو اس کے مختلف کرداروں کے ذریعے ایک مکمل کہانی پیش کی جاتی ہے۔ مشاہدات، تجربات اور محسوسات کو عائلی زندگی کی صورت میں دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عائلی زندگی اردو افسانے میں ایک ایسا موضوع ہے جس میں کرداروں کے ذریعے انسانی تجربات، مشاہدات اور داخلی کیفیات کو بیان کر کے اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں فرد کی ذاتی، داخلی اور جذباتی دنیا کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ یہ ایسی دنیا ہوتی ہے جو بظاہر دکھائی نہیں دیتی، مگر کردار کے اعمال، خیالات اور رویوں سے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس تناظر میں اردو افسانہ نگار افسانے کے کرداروں کو محض ایک کہانی بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسانی وجود کی پیچیدگیوں کو اجاگر کر کے مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ افسانہ نگار کرداروں کے ذریعے زندگی کے چھوٹے بڑے مناظر، سماجی تضادات، رشتوں کی کشمکش اور ماحول کے اثرات کو مشاہدے کی صورت میں بیان کر کے تفصیلاً سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے کردار کسی منظر کو دیکھتا ہے، یا کسی واقعے پر ردعمل ظاہر کرتا ہے، یہ سب کچھ مصنف کے ذاتی یا سماجی مشاہدے کا نتیجہ ہوتا ہے جو وہ بیان کرتا ہے۔ عائلی زندگی میں کردار کے ذاتی تجربات بہت اہم تصور کیے جاتے ہیں۔ ایک کردار کو کو جو زندگی گزارنی پڑتی ہے، اس کے دکھ، سکھ، ناکامیاں، درد، خواہشات اور محرومیوں سے مل کر اس کی شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اردو افسانے میں اکثر کردار ایک خاص داخلی تجربے سے گزرتے ہوئے پیش کیے جاتے ہیں۔ عائلی زندگی میں جہاں تک کرداروں کے محسوسات کی بات ہے تو ان سے کہانی کی گہرائی میں اضافہ ہوتا ہے جیسے ان کے جذبات، خواہشات، وسوسے اور نفسیاتی کشمکش وغیرہ۔ افسانہ نگار اکثر کردار کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کرتا

ہے تا کہ اس کی مدد سے قاری اس کی داخلی کیفیت کو سمجھ سکے۔ تنہائی، محرومی، اضطراب، محبت، حسرت وغیرہ سے کسی کردار کے اندرونی تجربے کو نمایاں کرنے میں مدد ملتی ہے۔ عائلی زندگی اردو افسانے میں ایک آئینے کی مانند استعمال ہوتی ہے جس کے ذریعے انسانی وجود کے چھپے ہوئے پہلو کو جانا جا سکتا ہے۔ یہ کردار قاری کو اس کی ذات سے جوڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کے اندر کتنا کچھ پوشیدہ ہے۔ اردو افسانے میں عائلی زندگی کو کرداروں کے ذریعے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ہر کردار ایک مکمل انسانی تصویر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان کرداروں کی مدد سے افسانہ نگار نہ صرف ایک واقعہ یا داستان بیان کرت ہے بلکہ انسانی فطرت، جذبات اور سماجی حقیقتوں کی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ عائلی زندگی کی ایک جھلک افسانے کو گہرائی، معنویت اور زندگی کی صداقت عطا کرتی ہے۔ اردو افسانے کا بنیادی وصف یہی ہے کہ یہ فرد کی زندگی، اس کے جذبات، اس کے خیالات اور اس کے سماجی تعلقات کو تفصیلی پیش کرے۔ افسانہ نگار جب کردار تخلیق کرتا ہے تو نہ صرف ایک عمل کرنے والا انسان نہیں بلکہ ایک مکمل نفسیاتی، جذباتی اور فکری وجود کا حامل ہوتا ہے۔ اردو افسانے میں کردار سطحی نہیں ہوتے، بلکہ وہ ایسی ساخت پر مشتمل ہوتے ہیں کہ ان کے عمل، ان کے خیالات، ان کے رد عمل حتیٰ کہ ان کی سکوت سے بھی ای پوری شخصیت کی تصویر کشی ممکن ہوتی ہے۔ افسانہ کوئی واقعہ یا قصہ بیان کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ کردار کے احساسات، ذہنی کشمکش اور جذباتی اتار چڑھاؤ کو بیان کرنے کا نام ہے۔ اردو میں عائلی زندگی کی یوں بیش کش کی جاتی ہے کی قاری کو ایسا لگنے لگتا ہے جیسے وہ اس ہی زندگی کا حصہ ہو جو وہ محسوس کر رہا ہے۔ افسانے کا کردار صرف فرد واحد کا نمائندہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے معاشرے، ثقافت اور طبقاتی ڈھانچے کی ایک مکمل نمونہ ہوتا ہے۔ افسانہ نگار کردار کے ذریعے دکھاتا ہے کہ محبت، نفرت، لالچ، وفاداری جیسے جذبات سے کیسے فرد کی زندگی متاثر ہوتی ہے اور اس کو کون کون سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غربت، سماجی نابرابری، صنفی تفریق جیسے مسائل سے کیسے فرد کی شخصیت متاثر ہوتی ہے۔ اردو افسانے میں عائلی زندگی کو کرداروں کے ذریعے ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ ہر کردار میں فرد واحد کی بجائے ایک مکمل انسانی کیفیت، معاشری حقیقت اور فکری ساخت کی مکمل کہانی بیان کی جاتی ہے۔ اس طرح افسانہ محض قصہ نہیں بلکہ زندگی کی گہرائی، معنویت اور صداقت کو پیش کرتا ہے زندگی کے کرب کو بیان کیا جاتا ہے۔ زندگی کے کرب کا اظہار جب تسلسل کے ساتھ زندگی کے کسی ایک پہلو، کسی ایک تجربے اور کسی ایک خیال کی خمازی کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کی کاری پر ایک ارتقائی منزل پر پہنچ کر عالم خیال

روشن ہو جائیں۔ اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مکمل کردار نگاری جب کی جاتی ہے تو افسانے کے بطن میں ہی کردار پہناں ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے مختلف واقعات آگے بڑھتے ہیں۔ افسانے میں واقعات اور ماجرے کے درمیان اس واقعے سے متعلق ماحول اور معاشرہ سب آجاتا ہے۔ اس لیے افسانے کی روایتی تکنیک کے پس منظر میں افسانے کے اجزاء ترکیبی تسلیم کیے گئے ہیں۔ نئے فنکاروں نے ان میں سے کچھ کو ملحوظ رکھا ہے اور کچھ کو رد کر دیا ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا اپنا ایک الگ تجربہ اور کہانی ہے۔ عائلی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرد کی دنیا، اس کے دکھ سکھ، محرومیاں اور خواب سب کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اردو افسانے میں ان کرداروں کے ذریعے زندگی پیچیدگیوں سے روشناس ہونے میں مدد ملتی ہے۔ عائلی زندگی کے ذریعے فرد کی شناخت، اس کے کردار، اس کی آزادی اور اس کے اندرونی مسائل کو بہتر طور پر سمجھنے میں آسانی میسر آتی ہے۔ ایک فرد کی کہانی کئی دوسرے افراد کی کہانی سے مختلف بھی ہو سکتی ہے یا فرد کی کہانی دوسرے افراد کی اجتماعی کہانی کا روپ بھی دھار سکتی ہے۔ فرد کی زندگی سے آگائی حاصل کر کے سماجی، سیاسی اور تہذیبی تبدیلیوں سے آگائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ عائلیٔ زندگی کے کردار قاری کے دل پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ قاری ان کرداروں میں خود کو، اپنے مسائل اور اپنی خواہشات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ عائلی زندگی ادب کو حقیقت، گہرائی اور انسانیت سے روشناس کرواتی ہے۔ فرد کی داخلی دنیا سے بھی اس کی مدد سے آگاہی حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ فرد کی آنکھ سے دنیا کی دیکھنے اور پہچاننے میں اس کی بدولت طاقت ملتی ہے۔ معاشرے کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کا ایک نیازاویہ بھی اس کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ عائلی زندگی مین فرد کا خاندانی ماحول، اس کے رشتے، ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے اور ان سے جڑی ہوئی ذمہ داریاں، محبتیں، توقعات اور تنازعات سب شامل ہوتے ہیں۔ اس میں فرد خاندان کی بنیادی اکائی کے طور پر جانا جاتا ہے، فرد کی داخلی کیفیت، اس کے جذبات، خیالات اور رویے کا تعلق زیادہ تر اس کے عائلی تجربات سے جڑا ہوتا ہے۔ یہی وہ تجربات ہوتے ہیں جنہیں اردو افسانہ نگار افسانے کے کرداروں کی زینت بناتے ہیں۔ ہر فرد کی شخصیت پر اس کے عائلی تعلقات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ماں کی محبت، باپ کی سختی، بہن بھائیوں کے ساتھ تعلق، یہ سب فرد کی ذہنی و جذباتی نشوونما میں منسلک ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار جب کسی کردار کی داخلی کشمکش کا تذکرہ کرتا ہے تو اکثر اس کی جڑیں اس کے خاندانی پس منظر سے جڑی نظر آتی ہیں۔ جب عائلی نظام میں فرد کی جذبات یا آزادی کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس میں داخلی تصادم پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیٹی کو

تعلیم سے روکا جائے یا بیٹے پر غیر ضروری بوجھ ڈالا جائے تو ان سب کی بدولت عائلی زندگی پر دکھ اور بغاوت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اردو افسانہ ان کشمکشوں کو کردار کے احساسات اور رویے سے بیان کرتا ہے۔

شادی، طلاق، والدین کو سلوک، وراثتی جھگڑے وغیرہ ایسی عائلی حقیقتیں ہیں جس سے فرد کے دل ودماغ پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ افسانوں میں اکثر کردار انہی بندھنوں یا ٹوٹ پھوٹ کے بیچ اپنی شناخت، آزادی یا جذباتی سکون کے متلاشی دکھائی دیتے ہیں۔ عائلی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا دائرہ صرف گھر کی چار دیواری تک محدود نہین ہے بلکہ روایات، مذہبی اقدار، اور سماجی اقدار سے بھی عائلی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ افسانہ نگار فرد کے ذریعے دکھاتا ہے کہ کس طرح یہ سماجی دباؤ اس کی ذاتی زندگی، خوابوں اور فیصلہ سازی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک شخص جب خاندانی زندگی سے بیزار ہوتا ہے تو اس بدولت وہ خیالی دنیا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں عائلی زندگی کی کشمکش براہ راست اس کے عائلی حالات سے منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ کردار کی ذہنی الجھن اس کی عائلی محرومیوں اور ماضی کی یادوں سے گہری منسلک ہوتی ہیں۔ یہاں فرد کا اندرونی دکھ خاندانی تجربات سے نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ایک عورت کی اندرونی تنہائی اور جذباتی خلا اس کے عائلی رشتوں کی کمزوری کی بنا ہوتا ہے یہاں عائلی زندگی مدغم ہو جاتی ہیں۔ عائلی زندگی فرد کی زندگی میں سب سے پہلا سماجی ادارہ ہوتا ہے جو اس کی شخصیت، سوچ، جذبات اور رویے کی بنیاد رکھنے میں کردار ادا کرتا ہے۔ اردو افسانہ جب فرد کی عائلی زندگی کو پیش کرتا ہے تو وہ اکثر عائلی پس منظر سے اس کا تعلق جوڑ کر پیش کرتا ہے۔ اردو افسانہ نگاری کی گہرائی تب مکمل ہوتی ہے جب وہ فرد کو اس کے خاندانی سیاق وسباق میں سمجھ کر بیان کریں۔

حوالہ جات

۱۔ ا۔ Referanc(:Oxford Advanced learners Dictionary oxford university press

1986.P 309

۲۔ ۔ Referanc(:Oxford Advanced learners Dictionary oxford university press

1986.P 309)

۳۔ مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر، تہذیب کا رخ، یورپ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۴۸

۴۔ قاضی وحید الزماں، مولانا، القاموس الوحید (جلد اول) ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ۱۱۴۳

۵۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۲ء ص ۱۰۰۴

۶۔ القران، سورۃ الحروم، آیت نمبر، 21، سید سلیمان ندوی،، مکتبہ قرآنیات، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۵

7۔ القران، سورۃ المائدہ، آیت، 2، سید سلیمان ندوی،، مکتبہ قرآنیات، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۵

۸۔ نور السحن منیر کاکوروی، مولوی نور الغات (جلد سوم) جزل پبلی کیشنز ہاؤس، کراچی، س ن، ص ۵۳۱

۹۔ وصی اللہ کھوکھر، جہانگیر اردو لغت، جہانگیر بکس لاہور، س ن، ص ۹۸۶

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 12، شعبہ اردو دائرہ معارف، اسلامیہ یونیورسٹی لاہور، س ن، ص ۱۲۷

11۔ Referanc(:Oxford Advanced learners Dictionary oxford university press

1986.P 309)

۱۲۔ شہزاد اقبال شام، اسلامی قانون کا ماخذ، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۳

۱۳۔ محمد حسن، اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی ۱۹۲۰ء، ص ۶

۱۴۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، فلسفہ عمرانیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱۷

۱۵۔ عبد الحمید سالک، تشکیل انسانیت، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۴

۱۶۔ احمد رضا، ڈاکٹر، پریم چند کہانی کار، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۸۸

۱۷ خالد علوی،ڈاکٹر،اسلام کا معاشرتی نظام(اسلام اور جدید معاشرتی نظریات)الفیصل ناشران،لاہور، س ن،۲۰۰۵ء،ص۶۶۶

۱۸۔ شعیب عتیق،ڈاکٹر،اردو کے افسانوی ادب پر فسادات ۱۹۴۷ء کے اثرات،بیکن،بکسب،لاہور،۲۰۱ء

۱۹ خالد علوی،ڈاکٹر،اسلام کا معاشرتی نظام(اسلام اور جدید معاشرتی نظریات)الفیصل ناشران،لاہور، س ن،۲۰۰۵ء،ص۶۶۶

۲۰۔ ارشد محمود تشکیل انسانیت، مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۹۴ء،ص۲

۲۱۔ القرآن،سورۃ النساء، آیت نمبر15،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء،ص۱۲۵

۲۲۔ االقران،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء،ص۵۱۷

۲۳۔ تجمل حسین عباسی،ہمارا معاشرہ اور ابلاغ پبلیشرز،اردو بازار لاہور،۲۰۰۱ء،ص۲۰

۲۴۔ القرآن،سورۃ النساء، آیت نمبر۱۷،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء،۲۵

۲۵۔ القرآن،سورۃ النساء، آیات نمبر،۱۸،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء ،ص۱۲۵

۲۶۔ القرآن،سورۃ الحجرات، آیات نمبر۱۳،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء ،ص۱۲۵

۲۷۔ القرآن،سورۃ الروم، آیت نمبر،۱۷،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء ،ص۱۲۵

۲۸ وقار عظیم،نیا افسانہ،عکس پبلی کیشنز،۱۹۹۸،ص۹۸

۲۹۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،اردو افسانہ روایت و مسائل،،القائدہ پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۸۷ء،ص۱۱۴

۳۰۔ وقار عظیم،نیا افسانہ،اردو افسانہ اور روایت،۱۹۷۷ء،ص۲۴

۳۱۔ القرآن،سورۃ النساء، آیات نمبر،۱۸،سید سلیمان ندوی،،مکتبہ قرآنیات،لاہور۲۰۰۸ء،ص۱۲۵

۳۲۔ ابراہیم امینی،خاندان کا اخلاق،عکس پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۸،ص۴۹

۳۳۔ جعفر رضا،ڈاکٹر،پریم چند کہانی کار رہنما،عکس پبلی کیشنز،۱۹۹۸،ص۹۸

باب دوم

اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں سماجی اور نفسیاتی مسائل کی عکاسی
(عائلی زندگی کے تناظر میں)

فرد کے ذہن کے مطالعے کا نام نفسیاتی علم ہے۔انسانوں کو یہ صفت ودیعت جانداروں کی نسبت کی گئی ہے۔انسان غور و فکر کر سکتا ہے اور اپنی فکر کو منظم اور مربوط طریقے سے بیان کر سکتا ہے۔انسان نطق کی وجہ سے اپنے افکار کی اشاعت اور قوت ترسیل کا سہارا لے سکتا ہے۔موجودہ تہذیب و تمدن دراصل ترسیل اور قوت فکر کا نتیجہ ہے۔انسان میں وجدان اور جذبات کی جبلت پائی جاتی ہے۔سماج کے رجحانات کی تشکیل میں یہ تینوں عناصر مل کر کردار ادا کرتے ہیں۔انسان کی طرز فکر، اس کی قوت فکر اور غور و فکر میں بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔یہ تبدیلیاں کس طرح پروان چڑھتی ہیں اس کا تعلق مطالعہ نفسیات سے ہے۔سماج اور فرد کی نفسیات دونوں الگ الگ ہوتے ہیں اور ایک بھی ہو سکتی ہے۔نفسیات اور سماجیات کا تعلق سماج کے ساتھ گہرا اور باہمی ہے۔اس نظریے کے حامی ماہرین میں فرائیڈ اور جے ایس مل شامل ہیں۔ان کے مطابق فرد کی بجائے سماج کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اسی وجہ سے یہ نفسیات کی بجائے سماجیات کو اہم سائنس ہیں۔سماجی اور نفسیاتی مسائل کسی فرد یا معاشرے کی زندگی میں پیدا ہونے والے وہ مسائل ہیں جو انسان کے رویے، سوچ اور زندگی کے معیار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔یہ مسائل انفرادی بھی ہو سکتے ہیں اور اجتماعی شکل میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ان کا تعلق فرد کی ذہنی کیفیت یا معاشرتی ساکھ سے منسلک ہوتا ہے۔سماجی مسائل معاشرے کے اندر پائے جانے والے ناہموار حالات، غیر مساوی سلوک اور اجتماعی رویوں سے جنم لیتے ہیں۔سماجی مسائل میں غربت اور بیروزگاری، ذات پات یا طبقاتی فرق، صنفی امتیاز، تعلیم کی کمی، جرائم تشدد، خاندانی نظام کا بگاڑ، مہنگائی اور کرپشن جیسے مسائل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔نفسیاتی مسائل فرد کی ذہنی کیفیت، رویوں اور جذبات سے جڑے ہوتے ہیں ان مسائل میں ذہنی دباؤ، تنہائی اور احساس کمتری، تشویش اور بے چینی، غصہ، چڑ چڑاپن یا جارحیت، خوف، وسوسہ یا عدم تحفظ کا احساس جیسے مسائل نمایاں ہیں۔جدید زندگی کے تناظر میں انسان ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں ترقی کی چکاچوند کے پیچھے تنہائی، اضطراب اور

رشتوں کی بے معنویت جیسے مسائل چھپے ہیں۔ سماجی مسائل جیسے غربت، طبقاتی کشمکش اور نفسیاتی مسائل جیسے تنہائی، ذہنی دباؤ اور عدم تحفظ معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کا سبب ہیں۔

نفسیات اور سماجیات نے جہاں معاشرے کے دیگر مسائل پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ وہیں عائلی زندگی پر بھی براہ راست اثرات مرتب کیے ہیں۔ کیونکہ سماج میں خواتین کی تعلیم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ بعض کا نظریہ یہ تھا کہ عورت کو اسی حد تک تعلیم دی جائے جس سے وہ سماج کے لیے بہترین ہو سکے، گھریلو نظام بہتر طریقے سے چلا سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کو اچھے طریقے سے انجام دے۔ نفسیاتی اور سماجی مسائل نے نہ صرف معاشرے کے عمومی ڈھانچے کو متاثر کیا ہے بلکہ خاندانی اور عائلی زندگی پر بھی براہ راست اثرات مرتب کیے ہیں۔ فرد اور سماجیاتی مسائل جیسے معاشی دباؤ، ثقافتی تبدیلیاں، شہری زندگی اور نفسیاتی پریشانیاں خاندانی نظام کو شدید متاثر کر رہی ہیں۔ ان مسائل کی بدولت عائلی زندگی سے محبت، قربت اور ہم آہنگی کو کمزور کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں خاندان کے افراد کے درمیان فاصلے، بداعتمادی اور تنہائی بڑھ گی ہے۔

سماج کے اندر ایک طبقہ وہ بھی تھا جو عورتوں کو مردوں کے برابر دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک طبقہ وہ بھی تھا جو صرف سرے سے ہی عورتوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا قائل ہی نہیں تھا۔ عائلی زندگی کی کامیابی اس صورت ممکن ہے جب عورت کو عزت، تعلیم اور برابری کے مواقع دیے جائیں۔ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کو سہارا اور ساتھی سمجھیں نہ کہ حاکم اور محکوم کا تصور موجود ہو۔ عائلی زندگی میں مرد و عورت کے حقوق کی برابری سے ایک مضبوط خاندان جنم لیتا ہے۔ اس سے محبت، رواداری اور انصاف کا نظام قائم ہوتا ہے۔ چونکہ معاشرہ خاندانوں سے بنتا ہے اس لیے یہ برابری پورے معاشرے کی ترقی اور فلاح کی ضامن بن جاتی ہے۔ جب شوہر اور بیوی کو برابر کے حقوق و فرائض حاصل ہوتے ہیں تو ان کے درمیان اعتماد، محبت اور شراکت داری کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس توازن کی بدلت گھر کا ماحول پرامن اور مثبت ہوتا ہے۔ اس سے شراکت داری بڑھتی ہے اور بچوں کی تربیت بھی بہتر انداز سے ممکن ہوتی ہے۔ تعلیم یافتہ اور بااختیار عورت ماں، بیوی اور اچھے شہری بنتی ہیں۔ وہ بچوں کی اچھی تربیت، خاندان کی معاشی بہتری اور معاشرے میں مثبت کردار ادا کرتی ہے۔ جب بچے اپنے ماں باپ کو برابری، محبت اور باہمی احترام کے رشتے میں دیکھتے ہیں تو بھی ایسی اقدار سیکھ کر اپنی عملی زندگی میں اپناتے ہیں۔ مرد و عورت جب برابر کے مواقع پاتے ہیں تو معاشرے

کے ہر شعبے میں ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ عورت کی شمولیت، تعلیم، صحت، معیشت اور سیاست میں مثبت انقلابات لانے میں مفید کردار ادا کرتی ہے۔ برابری کے اصول سے گھریلو تشدد، جبر اور امتیازی سلوک جیسے مسائل میں کمی واقع ہوتی ہے۔ عورت کو صرف تابع سمجھنے کی سوچ ختم ہوتی ہے اور ایک انصاف پسند معاشرہ سامنے آتا ہے۔

اکیسویں صدی کے افسانہ نگار زاہدہ حنا، خالد فتح محمد، سیمیں درانی، شعیب خالق، اسد محمد خان اور عثمان عالم وغیرہ کا شمار فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ فکشن نگار بڑی ذہانت اور فنکارانہ ذہن سے معمولی سی بات کو اتنا پر تاثیر بنا کر پیش کرتے ہیں کہ کہانی کی ابتداء سے لے کر اختتام تک قارئین تجسس میں مبتلا رہتے ہیں۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کے اندر موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے جہاں انہوں نے دیگر موضوعات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے وہیں ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع اکیسویں صدی میں عائلی مسائل کی عکاسی بھی ہے جو براہ راست معمولی نظر آتے ہیں لیکن ان کے اثرات براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔

الف) رسم ورواج، طبقاتی تقسیم اور نفسیاتی مسائل

افسانہ نگاروں نے عائلی زندگی کے رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ استفہامیہ لہجہ اور غور و فکر کر کے معاشرے کے عائلی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ افسانہ نگاروں نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے عائلی زندگی کے سماجی و نفسیاتی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ بعض اوقات مسائل فرد کے باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہی مسائل فرد کے داخل پر بھی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ عائلی زندگی کے تناظر میں سماجی و نفسیاتی مسائل صرف ظاہری زندگی کو نہیں بلکہ فرد کے باطن یعنی اندرونی دنیا اور داخل یعنی فرد کی نفسیاتی وروحانی کیفیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ معاشرتی مسائل جیسے بے روزگاری، طبقاتی فرق گھر کے افراد میں ذہنی دباؤ اور احساس ناکامی جیسے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ یہ کیفیات فرد کے باطنی سکون اور جذباتی توازن کو برباد کر دیتی ہیں۔ جس سے عائلی زندگی میں کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ جب فرد معاشرے کے دباؤ کا شکار ہوتے ہے تو وہ اپنے قریبی رشتوں جیسے شوہر، بیوی، والدین یا بچوں سے احساس، توجہ چھین لیتا ہے۔ یہ محرومی رشتوں میں احساس بیگانگی اور دوری پیدا کرتی ہے۔ اس سے باطن میں تنہائی، غصہ اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل ناکامی، سماجی تقابل یا تنقید فرد کو احساس کمتری کا شکار بنا دیتی ہے۔ اس سے فرد کا باطن کمزور ہوتا ہے جس سے وہ

اپنی اہمیت اور مقام دونوں کو کھو دیتا ہے۔خاندان میں بھی اس کا کردار غیر موثر ہو جاتا ہے۔معاشرتی بدعنوانی، فحاشی اور جھوٹ جیسے مسائل فرد کے اخلاقی شعور کو متاثر کرتے ہیں۔جب اندرونی اصول اور اقدار متزلزل ہوں تو عائلی زندگی میں عدم توازن، جھوٹ اور بے سکونی جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ظاہری آسائش کے باوجود جب فرد معاشرتی مسائل کی گرفت میں آتا ہے تو عبادات، دعا اور روحانی وابستگی کم ہو جاتی ہے۔انسان اپنے خاندان میں بھی بے سکونی محسوس کرتا ہے۔معاشرتی مسائل صرف خاندان کے باہر نہیں ہوتے بلکہ وہ فرد کے باطن اور داخل کو جکڑ کر عائلی زندگی کی بنی ہوئی اداوں میں دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ایک پریشان انسان جو اندر سے خالی ہو وہ کبھی ایک پر سکون خاندان نہیں بنا سکتا۔اس کیے معاشرتی اصلاح اور اندرونی طہارت دونوں کی اہمیت دینی چاہیے تاکہ فرد، خاندان اور معاشرہ ایک خوشحال اور متوازن زندگی گزارنے میں آسانی حاصل کر سکیں۔

روایتی سماجی تناظر اور عائلی زندگی کے مسائل کے حوالے سے اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کے نام اہم ہیں۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے تمثیلی انداز کو اس طرح برتا ہے کہ مختلف سماجی اور نفسیاتی مسائل کے ذریعے انہوں نے اپنی تحریروں میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔دنیا کی کسی بھی زبان کے ادب کو اٹھا کر دیکھیں تو عورت ہمیشہ سے ہی موضوع رہی ہے۔افسانہ، ناول، داستان کوئی کہانی اس کے بغیر مکمل نہیں ہے۔داستان کا زمانہ تھا تو عورت شہزادی، دیوی، کنیز اور پری ہوتی تھی۔اس کے باوجود ہندوستانی عورت بہن، ماں اور بیٹی کی صورت میں زیادہ بہتر دکھائی جاتی ہے۔عورت کی فطرت کے مختلف پہلوٗ، کردار کے خدوخال، عورت کے بارے میں توہمات اور مخصوص تصورات جاری وساری رہتے ہیں۔

انسان ایک سماجی حیوان ہے۔تنہائی میں زندگی گزارنا اس کے لیے دشوار ہے۔وہ معاشرے میں رہنے پر مجبور دکھائی دیتا ہے۔سماج ایک ایسا نظام ہے جس میں افراد آپس میں مل جل، تعاون، قوانین، اقدار اور رسم ورواج کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔یہ نظام فرد کو ایک تحفظ، شناخت اور ترقی کے مواقع فراہم کرتا ہے۔سماج فرد کو جسمانی، ذہنی اور جذباتی تحفظ فراہم کرتا ہے۔علم وہنر اور تہذیب وتمدن کا تبادلہ سماج کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔افراد سماج میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے زندگی کو آسان بناتے ہیں۔سماج افراد کی اخلاقی تربیت میں بھی معاون ہوتا ہے۔سماج ہی افراد کو اچھے برے کی پہچان سکھاتا ہے۔سماج ایک فرد کو نہ صرف جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے بلکہ اسے ایک ذمہ دار شہری بھی بنانے میں اپنا کردار ادا

کرتا ہے۔ایک مضبوط اور صحت مند سماج ہی ایک مضبوط قوم کی بنیاد رکھنے میں معاون ہوتا ہے۔

سماجی معاشرے سے مراد وہ معاشرہ ہے جو مختلف روایات کا امین ہوتا ہے۔کسی بھی قسم کا ردوبدل ان روایات میں نہیں کرنا چاہتا ہے۔وہ اپنے بزرگوں کے بنائے ہوے رسم ورواج کی پابندی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔معاشرے کی عورت صدیوں سے محکومی کا شکار رہی ہے۔اس کو بھی رائے دینے کا حق نہیں دیا گیا۔کبھی بھی اپنا نقطہ نظر بیان نہیں کر سکتی۔غریب گھرانوں کی عورتوں کو بہت سارے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ شادی بیاہ کا ہوتا ہے۔غریب خاندان اکثر بنیادی ضروریات پوری کرنے میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔شادی جیسے مہنگے اور فریضے کی ادائیگی ان کے لیے بہت بڑا بوجھ بن جاتی ہے۔جہیز، تقریب کے اخراجات، رسم ورواج کی پابندیاں، کپڑے، زیور اور کھانے پینے کے خرچ اکثر ان کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔غریب گھرانے اکثر بنیادی ضروریات پورا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔شادی جیسے بڑے اور مہنگے فریضے کی ادائیگی ان کے لیے بڑا بوجھ بن جاتی ہے۔جہیز، تقریب کے اخراجات، کپڑے، زیور اور کھانے پینے کے اخراجات اور ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیتے ہیں۔اکثر غریب خاندانوں کو جہیز نہ دینے یا کم دینے کی صورت میں لڑکیوں کی شادیوں میں رکاوٹوں کا سامنا ہوتا ہے۔بعض اوقات لڑکیاں سالوں رشتوں کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں۔صرف اس لیے کہ ان کے والدین مناسب جہیز نہیں دے سکتے۔غربت کے باعث بعض والدین کم عمر لڑکیوں کی شادیاں کر دیتے ہیں۔تاکہ ان کی ذمہ داری سے جلدی سکبدوش ہو سکیں۔یہ عمل اکثر لڑکیوں کی صحت، تعلیم اور ذہنی نشوونما پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔اکثر غریب گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے وہ زندگی کے اہم فیصلوں میں پسماندہ رہ جاتی ہیں۔اپنی شادی سے متعلق باخبر فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔کئی بار غربت کی مجبوریوں میں والدین اپنی بیٹیوں کی شادیاں ایسے افراد سے کر دیتے ہیں جو عمر میں یا تو بڑے ہوتے ہیں یا کردار میں مناسب نہیں ہوتے۔اس سے بعد میں ازدواجی زندگی میں مختلف طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن میں گھریلو جھگڑے، ظلم وزیادتی جیسے مسائل سامنے آتے ہیں۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں اور عورت کو بھی مختلف شعبوں کے اندر آزادی دی جانے لگی۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے عورتوں کے حق میں آواز بلند کرنے کے لیے کردار ادا کیا اور اپنی تحریروں میں کچی عمر کے خوابوں، گھریلو ماحول کی عکاسی اور خانگی زندگی کے مسائل پر قلم

اٹھایا۔ان میں ایک اہم نام"زاہدہ حنا"کا آتا ہے۔زاہدہ حنا کی کہانیوں میں عورتوں کا باطنی قرب،ذہنی کیفیات،صنف نازک کا احساس،انسانی رویے،جبر واستحصال،عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔عورت شادی کے بعد بہت بہت ساری ذمہ داریوں میں جکڑ دی جاتی ہے۔وہ اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ ساتھ گھر کے تمام افراد کی ذمہ داری کو پورا کرنے کی بھی مجاز ہوتی ہے۔زاہدہ حنا کے افسانے بھی گھریلو ماحول،جانے پہچانے کردار،فنکارانہ برتاؤ،سرمایہ داری نظام کے سبب زندگی کے وسیع تناظر میں سوالیہ نشان بن کر رہ جاتے ہیں۔زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں غریب گھرانے کی لڑکیوں کی شادی کے مسئلے کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔غریب طبقے کی عورت بمشکل اپنا گزارا کرتی ہے۔زاہدہ حنا کے افسانوں میں سماجی اور نفسیاتی مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔

زاہدہ حنا نے روزمرہ زندگی میں پیچیدہ مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔زاہدہ حنا اپنے موضوعات عام زندگی سے چنتی ہیں۔انہوں نے اپنی تحریروں میں عائلی زندگی میں مختلف مسائل کی شکار خواتین کی عکاسی کی ہے۔خواتین تعلیمی شعور کے باعث جبر واستحصال میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔زاہدہ حنا کا افسانہ "سیاہ سونا" ایک شاہکار افسانہ ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسی عورت کا ہے جو تعلیمی شعور کی کمی کے باعث اپنے مسائل کا حل پیر مریدوں کے پاس تلاش کرتی ہے۔ہمارے معاشرے کے اندر پیر مریدی ایک اہم مسئلہ ہے۔معاشرے کے اندر پیروں پر اندھا یقین کرنا بعض عورتوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے۔اس افسانے کی مرکزی کردار جو ظاہری طور پر غربت کے مسائل کا شکار نظر آتی ہے وہ اچھے سہانے خواب لے کر شادی کی زندگی میں رچ بس جاتی ہے۔زندگی کا یہ سفر جب یہ شروع کرتی ہے تو اس پر آہستہ آہستہ زندگی کی حقیقت کھل کر آشکار ہو جاتی ہے۔وہ آئے روز زندگی کی تک ودو کو بہتر کرتی نظر آتی ہے لیکن حالات اور معاشرہ اس کی راہ میں آڑے آجاتے ہیں۔اس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی بے بسی کے آگے ہاتھ ڈل دیں۔اس کا شوہر ایک نالائق شخص ہوتا ہے جو کسی سطح پر زندگی کی مشکلات سے لڑنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اس کو زندگی کے ہر لمحے مایوس کرتا ہے۔حالانکہ اس کی توقع تھی وہ اور اس کا شوہر دونوں مل کر زندگی کے ان مسائل کو شکست دے دیں گئے۔لیکن تنگ آکر اور حالات سے مجبور ہو کر زندگی کو جینے کی آس لے کر وہ اپنے مسائل کو لے کر پیروں کے پاس چلی جاتی ہے کہ شاہد اب حالات کے سنبھلے اور مسائل کے حل کے لیے یہ آخری امید بچی ہے۔مگر یہاں بھی کہانی حقیقت سے مختلف نظر آتی ہے۔مگر یہاں امید کی بجائے مایوسی

اور دنیا کی ایک الگ حقیقت نظر آتی ہے۔ وہ جان جاتی ہے کہ یہاں بھی اس کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ یہ افسانہ معاشرے کی بے حسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ غربت میں کوئی بھی کسی کے کام نہیں آتا ہے۔ اکثر خواتین خاص کر دیہی یا غریب علاقوں میں تعلیمی سہولیات سے مستفید نہیں ہو سکتیں۔ ان کے پاس عائلی مسائل کو سمجھنے، قانونی اور نفسیاتی مدد لینے کا شعور نہیں ہوتا اس حوالے آگاہی لازمی ہے تاکہ ان کے اندر شعور کو بیدار کیا جاسکے۔

افسانے کی مرکزی کردار ایک ایسی عورت ہے جو اپنے گھریلو مسائل کی وجہ سے پریشان رہتی ہے اور اس وجہ سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور سوچتی ہے کہ اس کے تمام مسائل کا حل شاہد پیروں کے پاس ہے۔ کیونکہ ایک عورت اپنے گھر کو بچانے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے اور اس کا شوہر سارا دن آوارہ گردی کرتا رہتا ہے۔ دوسری عورتوں کے بازوں میں جب چوڑیاد یکھتا تو اس کو خیال آتا

> خدا جانے کہ چوڑیاں کس چیز کی علامت ہیں فہیم نے سوچا اتنی غربت میں بھی ان عورتوں نے اپنے بھاری لباس کہاں سے لیے ہاں شاہد کوئی مرد جب اپنی بھیڑ بکریاں فروخت کرنے میں کامیاب ہوتا ہو گا تو اپنی عورت کے لیے یہ رنگ دار کپڑے اور چوڑیاں خرید کر لاناہی اس کی زندگی میں رنگ بھرنے کا سامان ہو گا۔ (1)

عائلی زندگی کے تناظر میں بعض عورتیں اپنے مسائل کے حل کے لیے جب نام نہاد پیروں، جعلی عاملوں یا غیر معتبر افراد کے پاس جاتی ہیں تو اس سے ان کے مسائل تو حل نہیں ہوتے بلکہ مزید پیچیدہ اور سنگین ہو جاتے ہیں۔ ایسی عورتیں اکثر اپنے شوہر یا سسرال سے کھل کر بات کرنے سے گھبراتی ہیں جس کی وجہ سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ اندونی طور پر مسائل حل نہ ہونے کی وجہ سے وہ باہر کا رخ کرتی ہیں جس سے وہ مزید مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کے مسائل کم ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ تعلیم کی کمی یا دینی و سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے وہ ایسے افراد کی طرف رجوع کرتی ہیں جو جھوٹے خواب، جادو ٹونے اور عاملوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی زندگی میں مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے جس سے ان کا اچھا خاصا گھر برباد ہو جاتا ہے۔ جب ایک عورت مسلسل دباؤ، مار پیٹ یا بے اعتنائی کا شکار ہو تو وہ جذباتی طور پر ٹوٹ جاتی ہے اور کوئی بھی آسرا تلاش کرنے لگتی ہے چاہئے وہ کتنا ہی غیر حقیقی کیوں نہ ہو۔ یہ جعلی پیر اور عامل اس کا مالی استحصال کرنے کی تک و دو میں ہوتے ہیں۔ بعض عورتیں ریورات، پیسے یا قیمتی اشیاء تک قربان کرنے کو تیار

ہو جاتی ہیں اور امیدیں باندھ لیتی ہے کہ ہو سکتا ہے ان کے مسائل کم ہو جائیں مگر ان کو آخر کار مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ نام نہاد پیروں کے مشورے اکثر شوہر، ساس یا دیگر رشتہ داروں سے بد گمانی پیدا کرتے ہیں جس سے رشتوں میں مزید دراڑ آجاتی ہے۔ خواتین کو تعلیم، دینی رہنمائی اور نفسیاتی معاونت کی ضرورت درپیش رہتی ہے تاکہ وہ مسائل کو حقیقت پسندانہ انداز سے دیکھ سکیں۔ فیملی کونسلنگ اور باہمی گفتگو کے فروغ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مل جل کر ان مسائل کا حل نکالا جاسکے۔ اس سے یقینی طور پر معاشرے کے اندر ایک شعور ملے گا۔ معاشرے میں لوگوں کو آگاہی حاصل ہو گی۔ معاشرے میں لوگوں کے اندر اپنے مسائل خود حل کرنے کا جذبہ پیدا ہو گا۔

گھر کے حالات سے تنگ آکر وہ آخر کار پیروں کے پاس جانا شروع کر دیتی ہے کیونکہ
اس کا شوہر مار پیٹ کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہوتا۔ (۲)

عائلی زندگی میں جب عورت کو ظلم، بے وفائی، سسرالی جبر یا شوہر کی بے توجہی کا سامنا ہوتا ہے تو اس کی شخصیت جذباتی طور پر کمزور پڑنے لگتی ہے۔ ایسے میں اگر اسے تعویذ، عمل یا روحانی علاج کی طرف راغب کیا جائے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آسانی سے اس فریب کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس طرح بعض خاندان میں نسل در نسل یہ روایت رہی ہوتی ہے کہ کسی بھی مسئلے کا حل پیر یا فقیر کے پاس جا کر تلاش کیا جائے۔ خواتین ان سماجی روایات کی پاسداری میں بھی ان راستوں پر اکثر چل پڑتی ہیں۔ عائلی مسائل اکثر پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ ایک مشکل صورتحال ہوتی ہے۔ ان کا حل صبر، سمجھوتے اور وقت مانگتا ہے۔ لیکن جب عورت کو یہ بتایا جائے کہ یہ کالا جادو ہے یا کسی نے بندش کی ہے اور پیر صاحب تعویذ سے اسے فوری حل کر دیں گے تو وہ اس فریب میں مبتلا ہوتی ہے کہ اسے اس کا ہوش تک نہیں رہتا۔ بعض جعلی عامل اور پیر صاحب مذہب کا سہارا لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ وہ دعائیں، آیات یا احادیث کے نام پر عورتوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی روحانی علم نہیں ہوتا۔ یہ طرز عمل معاشرے میں لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک حربہ ہے۔ یہ طرز عمل نہ صرف غیر عقلی ہے بلکہ بعض صورتوں میں خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ بعض اوقات خواتین جسمانی یا جنسی استحصال کا بھی شکار ہو جاتی ہیں۔ حقیقی حل مشاورت، قانونی مدد یا تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ عائلی مسائل کا حل پیروں یا جائل افراد کے پاس ڈھونڈنا ایک سماجی اور شعوری مسئلے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس کا حل آگاہی اور خواتین کو بااختیار بنانے میں ہے۔ حکومت، میڈیا اور تعلیمی اداروں کے مثبت کردار

کی بدولت اس رجحان کے خلاف عوامی شعور بیدار کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ خواتین اپنی زندگی کے فیصلے خود شعور اور عقل کے ذریعے کرنے میں آسانی محسوس کریں۔

نیلوفر اقبال نے اپنے افسانے "سیاہ سونا" میں ایک ایسی عورت کی عکاسی کی ہے جو اپنی عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے پیروں کا رخ کر لیتی ہے۔ علم و شعور کی کمی کے باعث خواتین فرسودہ رسم و رواج میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔

نفسیات ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسان کی ذہنی اور دماغی زندگی پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔نفسیات ایک ایسی سائنس ہے جس کے تحت ایک انسان کی دماغی حالت،ذہنی خیالات،جذبات،احساسات کردار اور اس سے سرزد ہونے والے مختلف افعال پر بحث کی جاتی ہے۔اس کے تحت عائلی زندگی کے مختلف پہلو زیر غور آتے ہیں۔افسانہ "پھر" میں زاہدہ حنا نے ایک ایسی عورت کی نفسیاتی کشمکش کی تصویر کشی کی ہے جو طبقاتی تقسیم اور رسم و رواج کی شکار نظر آتی ہے۔معاشرتی طبقاتی تقسیم،فرسودہ رسم و رواج اور مدرانہ بالادستی کے نظام میں عورت عائلی زندگی میں کئی ذہنی،جذباتی اور عملی مسائل نظر آتے ہیں۔اس کا کردار اکثر قربانی،خاموشی اور برداشت تک محدود کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی شخصیت کی ساخت متاثر ہوتی ہے۔اس سے خاندان کا نظام غیر متوازن ہو جاتا ہے۔امیر اور غریب طبقے میں فرق کی وجہ سے شادیوں میں برابری کا تصور موجود نہیں ہوتا جس سے عورت احساس کمتری یا احساس برتری جیسے مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔نچلے طبقے کی عورت پر دوہرا بوجھ ہوتا ہے گھر سنبھالنا اور باہر مزدوری کرنا دونوں اس کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔اعلی طبقے میں عورت میں ظاہری معیار،رسم و رواج اور خاندانی نظام کی پاسداری کا دباؤ ہوتا ہے جس سے وہ ذہنی دباؤ اور تنہائی کا شکار رہتی ہیں۔عورت اکثر روایات اور جدیدیت کے درمیان الجھ جاتی ہے۔خاندان کی توقعات اور اپنی خواہشات کے بیچ توازن قائم کرنا اس کے لیے دشوار ہوتا ہے۔سسرال اور میکے کے تعلقات میں کھینچاؤ عورت کو جذباتی طور پر متاثر کرتا ہے۔طلاق،بانجھ پن یا لڑکیوں کی پیدائش جیسے معاملات پر عورت کو ہی مورد الزام ٹھہرانا اس کی زندگی کا ایک اور امتحان ہوتا ہے جس میں وہ شدید مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے۔جہیز،وٹہ سٹہ،کم عمری کی شادی اور خاندان کی مرضی کے بغیر فیصلہ لینے جیسے رواج عورت کی خود مختاری میں ایک اور چیلنج ہوتا ہے جو بہت بڑی رکاوٹ ہے۔بیوہ یا طلاق یافتہ عورت پر معاشرہ شک و بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اکثر تو اسے دوبارہ زندگی شروع کرنے کے حق میں بھی مسائل کو

بڑھا دیتا ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے بنیادی حقوق کا علم ہی نہیں ہوتا، وہ اپنے خلاف ہونے والی ناانصافیوں کو تقدیر سمجھ کر برداشت کرتی ہیں۔ دینی و سماجی شعور کی کمی کی وجہ سے وہ مذہبی اور روحانی استحصال کا بھی شکار ہو جاتی ہیں۔ معاشرتی طبقاتی نظام، فرسودہ روایات اور اندرونی کشمکش کی بدولت عائلی زندگی میں عورت کو بہت سارے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کا حل تعلیم، شعور، مساوی حقوق اور خاندانی رویوں میں تبدیلی سے ہو سکتا ہے۔

ب) عورت کا مقام، جبر و استحصال

کسی بھی انسان کی زندگی میں تعلیم نسواں انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر معاشرے میں منفی اور مثبت تصویر محال ہے۔ تعلیم کسی بھی انسان کی شخصیت کی تعمیر، سوچ کی وسعت اور کردار کی پختگی میں اہم حصہ ڈالتی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد عائلی زندگی کے مسائل کو عقل و دانش دونوں طرح سے حل کر لیتے ہیں۔ چھوٹے موٹے جھگڑوں کو بڑا بنانے کی بجائے سمجھداری سے سلجھاتے ہیں۔ جس سے خاندان میں سکون قائم رہتا ہے۔ تعلیم سے انسان دوسروں کے حقوق سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شوہر یا بیوی نہ صرف اپنے فرائض کو بہترین طریقے سے سرانجام دیتے ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کا بھی احترام کرتے ہیں۔ والدین اگر تعلیم یافتہ ہوں تو وہ اپنی اولاد کی تربیت زیادہ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔ بچوں کو وقت دینا، ان کی نفسیات کو سمجھنا اور ان کی تعلیم و تربیت میں کردار ادا کرنا تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ تعلیم یافتہ خواتین گھریلو بجٹ، بچت اور کفایت شعاری کو بہتر طریقے سے سنبھال سکتی ہیں۔ اس طرح تعلیم یافتہ مرد کمائی کے بہتر ذرائع استعمال کر کے اپنی معاشی مشکلات کو کم کر سکتے ہیں۔ تعلیم انسان کو برداشت، رواداری اور مثبت گفتگو سکھاتی ہے جس سے گھریلو ماحول جلدی خوشگوار ہو جاتا ہے۔ عائلی زندگی میں تعلیم نہ صرف شوہر اور بیوی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ بچوں کی بہتر تربیت، گھریلو خوشحالی اور باہمی احترام کو بھی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ تعلیم ایک ایسی روشنی ہے جو ہر رشتے کو نکھارتی ہے اور ہر مشکل کو آسان بنانے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں

> افسانہ نگار کی کہانی ایک نئی پیچیدگی سے جنم لیتی ہے جس سے کہیں پرتیں پیدا ہوتی ہیں بنیادی طور پر ان کا طریقہ کار خارج کے مواد کو ذات کی گہریوں میں جا کر ایک نیا روپ

عطا کرنے سے عبارت ہے۔ چونکہ وہ ایک کہانی کار ہے اس لیے اس کے اظہار میں
صوفیاء الجھاؤ نہیں بلکہ ان میں رواں انداز ہے۔ (۲)

نیلو فر اقبال نے افسانہ "پتھر" میں ایک ایسے خاندان کی عکاسی کی گئی ہے کہ جس میں ایک مرد اپنی ذمہ داریوں سے بالاتر ہو کر تمام ذمہ داریاں عورتوں پر ڈال دیتا ہے۔ والدین کی آپس کی ناچاقی بچوں کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ جب عائلی زندگی میں مرد اپنی ذمہ داریوں سے لاپرواہ دکھائی دیتا ہے اور عورت پر بوجھ ڈال دیتا ہے تو اس سے بہت سارے نئے مسائل جنم لیتے ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا ماحول بن جاتا ہے جس سے بچوں کی پرورش میں مسائل آتے ہیں۔ بچے والدین کی لڑائیوں اور تناؤ کے ماحول میں پلتے ہیں جس سے ان کی شخصیت میں خوف، عدم تحفظ اور احساس محرومی جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ گھر کا غیر متوازن ماحول بچوں کی توجہ تعلیم سے بٹانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے ان کے تعلیمی نتائج متاثر ہوتے ہیں۔ جب والدین ایک دوسرے سے الجھتے ہیں تو اس سے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی زندگی میں بچوں کی بھی زندگی اور تربیت کی ذمہ داری بھی ہے۔ اس سے بچے بگڑ جانے کے ساتھ ساتھ اعتماد سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ والدین کی ناچاقی کی وجہ سے بچے اندر سے باغی ہو جاتے ہیں اور ان کا مزاج کمزور بن جاتا ہے۔ وہ اکثر سماجی طور پر دوسرے بچوں کا مقابلہ تو دور ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچے آگے جا کر شادی، محبت اور رشتوں کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے ناچاقی اور تلخی کا ماحول دیکھتے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ عائلی زندگی میں اگر مرد اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتے اور میاں بیوی کے درمیان مسلسل تعلقات خراب رہیں تو اس میں سب سے زیادہ مسائل کا شکار بچے ہوتے ہیں۔ اس سے بچے ذہنی، اخلاقی اور تعلیمی طور پر پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایک مثبت، ہم آہنگ اور ذمہ دار خاندانی ماحول بچوں کی متوازن شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

والدین کے جب آپس میں رویے اچھے نہیں ہوں گئے تو وہ اپنے بچوں کا بھی خیال نہیں رکھ سکتے۔ اور ان کے بچوں کے اوپر غلط نظر رکھنے والے لوگ بھی ان کو نظر نہیں آتے۔ والدین کی آپس کی ناچاقی، جھگڑے، تلخ کلامی یا طلاق جیسی صورتحال میں بچوں پر گہرے اور دیرپا منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ بچوں کو اکثر کشیدگی کے ماحول میں زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ جس سے ان کی پرورش متاثر ہوتی ہے۔ اکثر بچے ذہنی دباؤ اور بے چینی کا شکار نظر آتے ہیں۔ والدین کا جھگڑالو رویہ بچوں کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے

اور وہ خود کو غیر محفوظ خیال کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے خود کو والدین کے جھگڑوں کا سبب سمجھتے نظر آتے ہیں۔ جس سے اکثر بچوں میں احساس جرم پیدا ہوتا ہے۔ ان مسائل کی وجہ سے بچے سکول میں کم توجہ دیتے ہیں۔ اور ان کی تعلیمی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ بعض بچے جارحانہ اور ضدی رویہ اپنا لیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے ساتھ مل جل میں دقت محسوس کرتے ہیں اور خود کو تنہا رکھتے ہیں۔ اس طرح کچھ ایسے بچے ہوتے ہیں جو مسلسل جھگڑوں کا مشاہدہ کرنے والے جذباتی طور پر غیر مستحکم ہو جاتے ہیں۔ وہ خود بڑے ہو کر بھی ان رشتوں میں مسائل کا سامنا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے کوئی مثبت نمونہ نہیں ہوتا۔ ایسے بچے بعض اوقات شادی یا دوستی جیسے رشتوں سے خوف محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان بچوں میں اکثر میں اعتماد کی کمی ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں پر بھروسہ نہیں کرتے۔ والدین کی ناچاقی صرف ان کا ذاتی معاملہ نہیں ہے بلکہ پورے خاندان خصوصاً بچوں کی ذہنی اور اخلاقی نشوونما پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ اختلاف کو سلجھانے کے لیے بات چیت، صبر اور مشورے جیسے مثبت طریقوں کا طرز عمل بنائیں تاکہ بچے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور ان کی معصوم زندگی پر برا اثر نہ پڑے۔ جب گھر کا ماحول تنازعات، تلخ کلامی یا مسلسل ناراضگی کا شکار نظر آتا ہو تو اس کا سب سے زیادہ اثر گھر کے کمزور ترین افراد یعنی بچوں پر پڑتا ہے۔ بچے ذہنی، جذباتی اور اخلاقی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول سے سیکھتے ہیں۔ والدین کی آپس کی گفتگو، برتاؤ اور تعلقات ہی ان کے ابتدائی استاد ہوتے ہیں۔ اگر والدین کے تعلقات میں تلخی ہو تو اس کے منفی اثرات بچوں کی زندگیوں پر کئی طرح سے مرتب ہوتے ہیں۔

اس افسانے کے کردار جب آپس میں دونوں لڑتے رہتے ہیں۔ ماں شوہر کے رویے سے تنگ آ کر جان بوجھ کر بیٹی کو گھر سے باہر نکال دیتی ہیں اپنی بیٹی کو دہی لینے کے لیے دکان پر بھیج دیتی ہیں۔ بیوی خود تو شوہر کا رویہ برداشت کرتی رہتی ہے لیکن اس افسانے کی مرکزی کردار گھر کے ماحول سے بیٹی کو دور رکھنے کی کوشش میں ہوتی ہیں اور خود کو بے بس اور بہت مجبور پاتی ہے بیٹی گھر کے تمام ماحول کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ بچی جو نفسیاتی دباؤ میں مبتلا ہوتی ہے تو وہ وہی پیار و محبت دوسرے لوگوں میں تلاش کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اسی علاقے کا مرد جب اس سے لاڈ محبت سے بات کرتا ہے تو اس کو اپنے والدین سے نا ملنے والی محبت اس شخص کی صورت میں نظر آتی ہے اور وہ اس کے بہکاوے میں آجاتی ہے۔ اس کو یوں لگتا ہے کہ گھر کے ماحول سے یہ ماحول بہت اچھا ہے۔ جب گھر کا ماحول والدین کی ناچاقی، تلخی اور جذباتی سرد مہری سے بھر جائے تو بچے پیار

ومحبت اور اپنائیت کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ یہ محرومی انہیں دوسروں میں محبت اور اپنائیت تلاش کرنے پر اکساتی ہے۔ لیکن یہ تلاش اکثر ناکامی، استحصال اور نفسیاتی مسائل کا باعث بنتی ہے۔ اس سے مسائل مزید بڑھ جاتے ہیں۔ بچے جب ماں باپ سے توجہ اور محبت نہیں پاتے ہیں تو وہ سکول، محلے یا اپنی ارد گرد کی دنیا میں یہ خلا پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی شخص کی ہلکی سی محبت یا توجہ سے فوری متاثر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں سے اکثر ان کے استحصال کا آغاز ہوتا ہے۔ مسلسل نظر انداز ہونے سے بچوں میں احساس کمتری اور خود اعتمادی کی کمی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انہیں ہر رشتہ وقتی اور غیر محفوظ لگنے لگتا ہے۔ وہ حد سے زیادہ لیٹ جاتے ہیں یا سب سے الگ ہو کر اپنی ایک نئی دنیا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ محبت نہ ملنے کی وجہ سے وہ شدید ذہنی دباؤ اور تنہائی کی زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔ بعض اوقات بچے اکثر غلط صحبت میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں وہ وقتی محبت، نشہ یا مجرمانہ رجحانات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر بچے ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں سے زیادہ توقعات وابستہ کر لیتے ہیں لیکن جب ان توقعات پوری نہیں ہوتیں تو وہ مزید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چاہنے کے باوجود وہ دوسروں سے حقیقی محبت حاصل نہیں کر پاتے۔ ان کی شخصیت میں خوف، شک اور جذباتی توازن ہوتا ہے۔ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو محبت کی عدم موجودگی سے باغی بن جاتے ہیں۔ وہ گھر سے بھاگتے، قانون شکنی کرتے یا خود کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

> کبھی کبھی بات کرتا تھا۔ کبھی اس کا حال پوچھتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کدھر جا رہی ہو۔ کبھی میٹھی گولیاں بھی دیتا رہا۔ (۳)

عائلی زندگی میں والدین کی کشیدگی کا سب سے بڑا خمیازہ بچوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ان میں محبت کی طلب انہیں معاشرے میں دھکیلے جانے، جذباتی استحصال اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار کر دیتی ہے۔ اگر والدین اپنا رشتہ درست نہیں کرتے تو بچوں کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ پوری زندگی محبت کی تلاش میں تھک ہار کر دوسروں سے امیدیں لگا بیٹھتے ہیں اور مزید مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔

والدین کے جھگڑوں سے بچوں کی ذہنی کیفیت متاثر ہوتی ہے۔ وہ خود کو خوف، بے چینی اور غصے کا شکار پاتے ہیں۔ بار بار کے جھگڑے بچوں کے اندر عدم تحفظ کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ ان کا گھر ایک محفوظ جگہ نہیں رہا۔ اس احساس سے ان کا اندرونی اعتماد کمزور ہو جاتا ہے۔ کچھ بچے خاموش ہو جاتے ہیں جبکہ کچھ بچے جارحانہ رویہ اپنا لیتے ہیں۔ وہ اکثر الجھن اور غصے میں رہنے لگتے ہیں۔ اور یہ کیفیت عمر بھر ان

کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔ ایسے بچے جب والدین کے ساتھ کشیدگی میں پلتے ہیں تو وہ اکثر تعلیمی میدان میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان کی توجہ پڑھائی سے ہٹ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا ذہن گھر کے مسائل میں الجھا ہوتا ہے۔ وہ سکول میں بھی غیر حاضر ذہن کے ساتھ وقت گزاری کرتے ہیں۔ ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کا درست استعمال نہیں کر پاتے۔ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس دباؤ کے نتیجے میں سکول تک چھوڑ کر تعلیمی سرگرمیوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ والدین کی ناچاقی بچوں کے سماجی رویوں کو بھی شدید نقصان پہنچاتی ہے۔ ایسے بچے یا تو دوسروں سے کٹ کر رہنے لگتے ہیں یا پھر غیر مناسب رویہ اپنانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ دوست بنانے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات بنانے سے کتراتے دکھائی دیتے ہیں۔

میاں بیوی کی ناچاقی اور روزانہ کے جھگڑے کی وجہ سے جب بچے والدین کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تو گھر کے باہر اگر کوئی مرد ان ہی بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے بات کرتا ہے تو وہ اس کی شفقت میں آجاتے ہیں۔ اس کی عکاسی افسانہ "پتھر" میں کی ہے کہ والدین کی ناچاکی کی وجہ سے بچی گھر سے دور رہنا شروع ہو جاتی ہے اور گھر کے باہر محبت تلاش کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ درندہ آخر کار اس بچی کو جنسی استحصال کا نشانہ بنالیتا ہے۔

> بچی کچھ دیر نامانوس اور اجنبی شخص کو دیکھتی رہی۔ اس کے میٹھے بول میں والد کی شفقت تلاش کرتی رہی۔۔۔ اس نے میرے بال پکڑے، زور زور سے تھپڑ مارے اور میری بانہہ ٹوٹ گئی اور مجھے زمین میں دھکیل دیا۔ (۴)

بچے جو والدین کی ناچاقی کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر خود بھی رشتوں سے گھبراتے ہیں۔ انہیں شادی، اعتماد یا محبت جیسے رشتوں پر یقین نہیں رہتا۔ ان کے دل میں یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی رشتے میں بندھیں گے تو ان کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ والدین کی وقتی تلخیاں بچوں کی پوری زندگی پر اثر ڈال سکتی ہے۔ والدین کی آپس کی ناچاقی صرف ایک ذاتی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک نسل کی بنیادوں کو ہلا سکتا ہے۔ بچوں کی پرورش ایک محفوظ، محبت بھرا اور پر سکون ماحول چاہتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے اختلافات کو بچوں کے سامنے نہ لائیں۔ محبت، برداشت اور گفتگو سے مسائل کو سلجھائیں۔ اگر جھگڑے ناگزیر ہوں تو ماہرین نفسیات یا خاندان کے بزرگوں کے مدد لینا ایک مثبت قدم ہو سکتا ہے۔ بچے یقیناً باتوں کی بجائے رویوں سے سیکھتے ہیں۔

ج) سماج میں عورت اور مرد کا رشتہ اور عائلی مسائل

افسانہ "ڈیپارچر لانج" میں زاہدہ حنا نے ایک ایسے خاندان کی عکاسی کی ہے جو معاشی اور سماجی حوالے سے کمزور نظر آتے ہیں۔ مرد اپنے آپ کو جو گھر کا سربراہ منوانا چاہتا ہے۔ ہر وقت کا رعب دیدہ، غصہ اور لڑائی جھگڑے کے ذریعے اپنی بیوی کو دبانا چاہتا تھا۔ وہی اپنی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔

زاہدہ حنا کا "ڈیپارچر لاؤنج" ایک شاہکار افسانہ ہے یہ افسانہ ایک ایسی کہانی پر منحصر ہے کہ میاں بیوی دونوں روزگار کمانے کی غرض سے مصروف رہتے ہیں۔ لیکن زندگی کے آخری مراحل میں یاد آتا ہے کہ دولت تو بہت زیادہ کمالی ہے اور زندگی کے بہت سے قیمتی لمحات بھی ضائع کر دیئے ہیں۔ لیکن کبھی اس نے اپنی بیوی کو تحفے میں کچھ نہیں دیا۔ وہ بیوی جو ساری زندگی اس کی ضروریات کا خیال رکھتی رہی۔

> دیکھو نا انسان کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے۔ ستر سال بھی لگا لو تو کل پچیس ہزار دن بنتے ہیں۔ اگر اسے پچیس ہزار یا پچیس لاکھ سمجھ لو تو جب یہ ختم ہونے لگے ہیں تو انسان اسے سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا اور اس آخری نقدی کو ضائع تو نہیں کرے گا۔ (۵)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کہ شادی ایک بہت خوبصورت رشتہ ہے کہ زندگی کے بہت سے خوبصورت لمحات کو اکھٹا گزار کے اور تحفے دے کے یادگار بنایا جاتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کے اندر صرف مرد دولت کمانے کے سفر کی طرف نکل پڑتا ہے اور اپنی رائیں الگ استوار کر لیتے ہیں۔ اور زندگی کے آخری دور میں جا کر اسے یاد آتا ہے کہ وہ خود تو گھر کی چار دیواری سے نکل کر دنیا کی رنگینیوں میں خود کو مصروف رکھتا ہے لیکن وہ عورت جو اس کی بیوی ہے اس کو چار دیواری کے اندر مقید رکھتا ہے۔ کبھی بھی اس نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ کہ گھر میں صرف پیسے اور دولت بھیجنا ہی کافی نہیں ہوتا کہ پیار و محبت کا عنصر بھی شامل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس افسانے کے کردار "منگو" بھی اسی سوچ میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس نے کبھی بھی اپنی بیوی کو وہ حق نہیں دیا جس کی وہ حق دار تھی۔

> دو تین روز گزرنے کے بعد یکایک اسے خیال آیا کہ اس نے کبھی بھی اپنی بیوی کو کچھ خاص نہیں دیا۔ جبکہ اس بیچاری نے اپنی پوری زندگی اس کو دے دی۔ اسے بے تحاشہ ملال ہوا۔ (۶)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے بیرون ملک دولت کمانے والے شوہروں کی عکاسی کی ہے کہ شادی کر

کے ایک عورت کو صرف چار دیواری کے اندر مقید کر کے چلا جاتا ہے۔جو ساری زندگی اپنی جوانی انہی چار دیواری میں ضائع کر دیتا ہے اور بیوی اس کے والدین اور بچوں کی خدمت میں اس امید پر ساری زندگی گزار دیتا ہے کہ کب اس کا شوہر واپس آئے گا اور ان کے حالات بہتر ہوں گئے اور وہ اس کی محبت کی حقدار بنے گئی۔بہت سارے شوہر ایسے ہوتے ہیں جو شادی کر تو لیتے ہیں لیکن روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔وہ شادی تو کر لیتے ہیں مگر بعد میں بیوی اور بچوں کی ذمہ داری بھی ادا نہیں کرتے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو صرف مالی امداد کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری احسن انداز سے ادا کر رہے ہیں۔بیوی اپنی زندگی شوہر کے والدین،بچوں اور گھریلو کاموں میں گزار دیتی ہے۔جبکہ خود محبت،توجہ اور جذباتی سہارا سے محرومیت کی زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ایسی صورتحال میں عائلی زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور مزید معاشرتی اور نفسیاتی مسائل میں جکڑ دی جاتی ہے۔شوہر کی مسلسل غیر موجودگی بیوی کو تنہائی،بے توجہی اور جذباتی مسائل کا شکار بنا دیتی ہے۔بیوی صرف محبت کی کمی محسوس کرتی ہے بلکہ وہ زندگی بھر اپنے شوہر سے قربت کی آرزومند رہتی ہے۔بیوی پر دوہرے بوجھ کی ذمہ داری ہوتی ہے سسرال کی خدمت،بچوں کی پرورش اور گھر کی دیکھ بھال۔اس کی اپنی زندگی خواہشات اور جذبات کی قدر نہیں ہوتی۔بچوں کو باپ کا سایہ،رہنمائی اور جذباتی وابستگی نہیں ملتی۔ماں اکیلے بچوں کی تربیت کرتے کرتے تھک جاتی ہے۔اس سے بچوں کی نشوونما اور کردار سازی متاثر ہوتی ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیوی اور شوہر کے درمیان جذباتی فاصلے بڑھ جاتے ہیں۔بعض اوقات یہ تعلق رسمی یا ٹوٹا ہوا لگنے لگتا ہے۔بعض صورتوں میں شک،بدگمانی اور تعلق کا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ایسی عورت کو تنہا،غیر محفوظ اور ناکامی محسوس ہونے لگتی ہے لوگ بھی اس پر انگلی اٹھانے لگ جاتے ہیں یا ترس کھانے لگ جاتے ہیں۔وہ خود کو تنہا،غیر محفوظ اور ناکام محسوس کرنے لگتی ہے جس سے ڈپریشن،ذہنی دباؤ اور احساس کمتری جیسے مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں۔بیرون ملک کمانے والا شوہر اگر صرف پیسے بھیج کر اپنی ذمہ داری مکمل سمجھتا ہے،تو اس کا سب سے زیادہ نقصان اس کی بیوی اور بچوں کی زندگی پر ہوتا ہے۔بیوی محبت،ساتھ اور عزت کو ترستی ہے اور بچے باپ کی شفقت سے محروم ہو کر پرورش پاتے ہیں،ان کی شخصیت میں خلارہ جاتی ہے۔عائلی زندگی صرف مالی مدد سے نہیں بلکہ جذباتی وابستگی،وقت،محبت اور شراکت سے مکمل ہوتی ہے۔

اس کے بچے بھی اپنے والد کے پیار و محبت کو ترستے ہوئے پتا ہی نہیں لگا کہ کب بڑے ہو جاتے

ہیں۔اور ان کو والدین کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔اور بیوی ان کو ان کے والد اور اپنے شوہر کے حوالے سے یہ تسلی دیتی ہے کہ جلد ان کے بابا واپس آئیں گئے اور وہ دن نہیں آتا۔

زاہدہ حنا کا افسانہ "بت" ایک شاہکار افسانہ ہے اس افسانے کے اندر ایک ایسے مرد کی عکاسی کی گئی ہے کہ جو اپنی بیوی اور بچوں پر توجہ دینے کی بجائے باہر محبت تلاش کرتا پھرتا ہے۔معاشرے کے اندر جب والدین اپنے بچوں کی شادی زبردستی کروادیتے ہیں تو وہ مرد اپنی بیویوں اور بچوں کو محبت دینے کی بجائے باہر آوارہ گردی کرتے نظر آتے ہیں۔اس افسانے کا کردار جو "بادشاہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔جو اپنی بیوی سے محبت کرنے کی بجائے محلے کی ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔اور میاں بیوی کے تعلقات میں آپس میں ناچاکی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔اور ان کی زندگی مکمل انتشار کا شکار ہو جاتی ہے لیکن وہ ان تمام کی پروہ کیے بغیر اپنا تمام قیمتی وقت محلے کی لڑکی کو دینے لگا۔

> یہ تمہارا وجود صرف وجود نہیں ہے میرے لیے کل اثاثہ ہے۔کیوں اس سے پہلے میری جو زندگی گزر رہی تھی وہ بت کی مانند گزر رہی تھی۔لیکن میرا بت تو کل تک موجود تھا۔تمہارے ملنے کے بعد مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آج ختم کیسے ہو سکتا ہے۔۔[۷]

بادشاہ کا کردار بھی عائلی زندگی کے مسائل کی سب سے اہم مثال ہے۔جو ماحولیاتی جبر سے تنگ آکر اپنے آپ کو گھر کی چار دیواری کی قیود سے آزاد کر لیتا ہے اور محلے کی لڑکی سے محبت کر کے یوں محسوس کر لیتا ہے جیسے وہ بڑی آزاد دنیا میں سانس لے رہا ہے۔عائلی زندگی میں بے پناہ چمک دمک اورآن بان ہوتی ہے۔خاندانی نظام میں خاندان کا سربراہ تمام سہولیات میسر کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔تعلیم،صحت اور روزگار کے تمام مواقع میسر کرتا ہے۔مرد اور عورت دونوں برابر کام کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔اگر میاں اور بیوی میں کوئی ایک معذور ہوا ہے تو دوسرا اس کی کفالت کی ذمہ دار ی اپنے اوپر کر دیتا ہے تاکہ ازدواجی زندگی کا پہیہ خوبصورت طریقے سے چلتا رہے۔جہاں بہت سی دیگر سہولیات میسر ہوتی ہیں وہیں عائلی زندگی میں مسائل کا مسئلہ ہوتا ہے وئیں عائلی زندگی میں مسائل کی وجہ سے میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ بھی ہو جاتے ہیں۔طلاق کا مسئلہ بہت زیادہ پایا جا رہا ہے۔افسانہ نگار "سیمیں درانی" نے عائلی زندگی کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔وہ مسائل جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن ان کے اثرات دیر پا ہوتے

ہیں۔جیسا کہ طلاق کا مسئلہ بظاہر معمولی نظر آتا ہےلیکن اس کے اثرات اولاد پر براہراست مرتب ہوتے ہیں۔

اسی تناظر میں ان کا ایک شاہکار افسانہ "چھام چھاب" نظر آتا ہے۔جس میں انہوں نے ایک ایسے مسائل کی طرف عکاسی کی ہے کہ میاں بیوی ازدواجی زندگی میں منسلک ہونے کے بعد اولاد کی نعمت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔لیکن نفسیاتی مسائل ابھر کر سامنے آتے ہیں۔اس افسانے کی مرکزی کردار "چھیماں" ہے۔اس کا شوہر ایک عیاش پرست انسان ہے جو اپنی جسمانی ہوس پورا کرنے کے بعداس کو اس کی بیٹی کے ساتھ گھر سے نکال دیتا ہے۔چھیماں اپنی بیٹی کو لے کراپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے مجبور ہو کر سڑکوں پر بھیک مانگنا شروع کر دیتی ہے۔اس کی بیٹی جو چند سال کی ہوتی ہےلیکن بظاہر بہت خوبصورت ہوتی ہے۔"چھیماں"جو اپنے شوہر سےعلیحدہ ہونے کے بعد اپنی بیٹی کی جو کفالت کرتی ہے لیکن اپنی بیٹی کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکی۔جب سڑکوں پر بھیک مانگ رہی ہوتی ہےتو ایک صاحب روزانہ اس کو دس روپے دے کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔اس کے دماغ میں صرف یہی ہوتا ہے کہ شاہد یہ مجھ سے اور میری بیٹی سے ہمدردی کر تا ہے۔وہ اس کی عزت وتکریم کرنا شروع کر دیتی ہے۔ایک دن صاحب نے رک کر کہا،کل اپنی بیٹی کو تیار کر کے لانا تو بدلے میں تمہیں ہزار کا نوٹ تھما دوں گا۔بے سہاراعورتوں کو دیکھ کراس کی بے بسی کا فائدہ اٹھاکر اوراسکی مدد کرنے کے بجائے فائدہ اٹھانامعاشرے میں عام ہے۔طلاق شدہ عورت مرد کے سہارے کے بغیراپنے پیٹ کی بھوک مٹا رہی ہوتی ہے۔وہ اس کے بہکاوے میں آجاتی ہےاور اگلے دن اپنی بیٹی کو تیار کر کے لے آتی ہے۔اس کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صاحب اس کو اور اس کی بیٹی کواپنا نام دے کر اپنی زندگی اس کے نام کر دے گا۔لیکن صاحب بیٹی کو گاڑی میں بیٹھا کر جاتاہے اور اسے دھکامار کر پھینک جاتاہے۔اگلے دن جب وہ دوبارہ سڑک پڑ آتی ہے تو دیکھتی ہے کہ صاحب نہیں آیاوہ بہت پریشان ہوتی ہے ماں کا دل یہ سوچ کر اور زیادہ غم زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی بیٹی کیسی حالات میں ہو گی۔

چھیماں تذبذب کے عالم میں ہزار کا نوٹ لے کر کھڑی تھی کہ گڑیا کی آواز
آئی چھام چھاب،وہ خوشی سے کھل اٹھی۔۔۔۔شان کی گاڑی قریب آکر

رکی۔اس نے دروازہ کھولا۔جب چھیماں بھی ساتھ بیٹھنے لگی تو تلخ لہجے میں
بولا میں نے صرف گڑیا کا کہا تھا تمہارا نہیں۔ (۸)

عائلی زندگی میں جب کوئی شخص کسی مجبور، تنہا اور غریب خاندان کو سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے تو چند ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بے بسی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ نہ صرف ان عورتوں کی بے بسی کا فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ بعض تو اس قدر ظالم ہوتے ہیں کہ ان کی بیٹیوں کو بھی جنسی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں اور انہیں اس میں زرا بھر بھی ندامت نہیں ہوتی۔یہ ایک نہایت سنگین، اخلاقی، معاشرتی اور قانونی مسئلہ بن جاتا ہے۔اس جرم سے نہ صرف ایک فرد کی زندگی تباہ ہوتی ہے بلکہ پورے خاندان کو نفسیاتی، سماجی اور جذباتی لحاظ سے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتی ہے۔ایسے میں بعض درندہ صفت لوگ محض دکھاوا کرتے ہیں کہ وہ کسی مجبور عورت یا بیوہ کی مدد کر رہے ہیں۔مگر ان کا در حقیقت مقصد صرف ذاتی ہوس پوری کرنا ہوتا ہے۔یہ لوگ خاندانی کمزوری، مرد کی غیر موجودگی یا ماں کی تنہائی میں جنسی درندگی جیسے بڑے گناہ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔بیٹی جو گھر میں سب سے زیادہ محفوظ ہونی چاہیے وہ آسانی سے بھلائی کی تمنا لیے ایسے مجرموں کا نشانہ بن جاتی ہے۔اسے جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کے صدمے سے واسطہ پڑتا ہے۔اس سے اس کا پورا مستقبل برباد ہو جاتا ہے۔ماں خود کو مجرم سمجھنے لگتی ہے کہ اس نے جس پر اعتماد کیا وہی درندہ نکلا۔خاندان میں شرمندگی، معاشرتی بدنامی اور عزت کے ڈر سے اکثر ایسے واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے مجرم کو مزید حوصلہ ملتا ہے۔ایسے سانحات سے پورا خاندان نفسیاتی مسائل میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اعتماد، سکون اور تعلقات کا توازن ٹوٹ جاتا ہے۔بعض اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ والدین خود ہی ایک دوسرے پر الزام لگا دیتے ہیں جس سے میاں بیوی کا رشتہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔خاص کر ایسا شوہر جو بیرون ملک ہوتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ بیوی پر ڈال جاتا ہے وہ تو ایسے موقعوں پر بیوی پر کردار کشی جیسے گھٹیا الزام لگا کر اس کو طلاق تک دے دیتا ہے حالانکہ وہ اس میں برابر کا قصوروار ہوتا ہے۔اکثر ایسے جرائم رپورٹ نہیں ہوتے کیونکہ عورتوں کو ڈرایا جاتا ہے یا بدنامی کے خوف سے خاموشی کی تلقین کی جاتی ہے۔معاشرے کے افراد بھی متاثرہ خاندان کو سہارا دینے کی بجائے ان پر مزید الزامات لگا کر ان کی زندگی کی تکالیف کو بڑھا دیتے ہیں۔عائلی زندگی میں کسی مجبور خاندان کو سہارا دے کر ان کی عزتوں پر حملہ کرنا نہایت شرمناک اور غیر انسانی عمل ہے۔یہ مسئلہ صرف فرد کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا ہے۔ایسے مجرموں کے خلاف سخت قانونی

کاروائی کرنی چاہیے۔ خواتین کی خود اعتمادی اور سماجی شعور کی بیداری سے ہی اس ظلم کا خاتمہ ممکن ہے۔

سیمیں درانی نے اس افسانے میں طلاق شدہ عورتوں کے مسائل کی عکاسی کی ہے کہ وہ مرد جو عورتوں کو طلاق دے دیتے ہیں ان عورتوں کو معاشرے میں کوئی عزت نہیں دیتا بلکہ ان کے جذبات کو مجروع قدم قدم پر کیا جاتا ہے۔ عائلی زندگی میں طلاق ایک نازک اور تکلیف دہ صورتحال ہوتی ہے۔ طلاق کے بعد عورت کو صرف جذباتی اور معاشی مشکلات کا ہی نہیں بلکہ معاشرتی رویوں، تنقید اور تنہائی جیسے مسائل کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ اپنے رویے بدلے۔ عورت کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع دے اور ریاست و خاندان اس کی معاونت کریں۔

سیمیں درانی اپنے افسانے "ایٹم گرل" میں عائلی زندگی سے جڑے مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ تعلیمی شعور کی کمی انسان کو زندگی کے ہر مرحلے میں سامنا کرنا پڑتی ہے۔ افسانہ "ایٹم گرل" میں انسانی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار "حسینہ" ہے جس نے ازدواجی زندگی میں منسلک ہونے کے بعد ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی کہ جہاں غربت وافلاس کی وجہ سے مذہب تو دور کی بات سلام کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ حالانکہ وہ لوگ بظاہر خود دین دار اور مذہبی نظر آتے تھے۔ اور گھر کی عورتوں کو صرف چاردیواری اور پردے ہی میں رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ "حسینہ" اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کوٹھیوں میں کام کرنے لگ گئی وہ مجبورا اپنے بچوں کو پڑوس میں چھوڑ کر چلی جاتی۔ قریب میں اس کی سہیلی رہتی تھی جو اس کے ساتھ کام پر جاتی تھی۔ واپس آکر حسینہ تھکی ہاری لیٹ جاتی ااور اگلے دن کے تھکن کے خوف کی وجہ سے سوئی رہتی تھی۔ اس کا شوہر سارا دن گھر میں پڑا رہتا۔ اس نے زندگی کی ذمہ داریوں میں بیوی کو اکیلا ہی چھوڑ رکھا تھا۔ کسی بھی موقع پر اس کا ساتھ نہ دیتا تھا۔ حالانکہ یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ زندگی کے ان مسائل میں اپنی بیوی کے شانہ بشانہ ساتھ رہے تاکہ زندگی کا پہیہ رواں دواں رہے اور زندگی کی مشکلات کو کم کیا جا سکے۔ مگر ساتھ تو دور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بھی لاپرواہ تھا۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی بجائے عیاشی کی زندگی گزارنے پر بضد تھا۔ اپنے عیش و عشرت سے اس کو فرصت ہی نہیں تھی۔ اس طرح وہ وقت کو فضولیات پر خرچ کرنے کو ہی زندگی سمجھنے لگا اور حقیقت سے منہ موڑنے لگا۔ اس کے اس رویے کی وجہ سے اس کے گھر کی

زندگی فاقوں پر آنا شروع ہو گئی تھی۔مشکلات کم ہونے کی بجائے آئے روز بڑھنے لگیں۔

کھولیوں میں رہنے والی روٹی کی فکر میں اور اپنے بچوں کی خاطر اپنے وجود کو
بھلا بیٹھی۔کیونکہ ماں اپنے بچوں کو پڑوس میں چھوڑ کے صاحب کی کوٹھیوں
میں چلی جاتی۔اور اپنے بچوں کی خاطر اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔(۹)

جب ایک مرد گھر بیٹھ کر فضول زندگی گزارے۔ساری محنت، کمائی اور گھریلو ذمہ داریاں بیوی پر ڈال دے اس سے بدتمیزی، بے رخی اور طعن و تشنیع کا رویہ اپنائے تو ایسی عورت کی عائلی زندگی بوجھ، تکلیف اور ذہنی اذیت کا نمونہ بن جاتی ہے اس ماحول میں عورت جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی طور پر ٹوٹنے لگتی ہے۔عورت صبح سے شام تک محنت کو اپنا شعار بناتی ہے، باہر کام بھی کرتی ہے کہ اس کے گھر کے حالات بہتر ہو جائیں مگر بدقسمتی سے شوہر نہ صرف اس کی مدد کرتا بلکہ اسے طعنوں، بے حسی اور طنز کا نشانہ بناتا ہے۔عورت کو محبت، توجہ اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، مگر شوہر کا بے حس رویہ اس کی جذباتی ضروریات کو ختم کر دیتا ہے۔یہ بے رخی آہستہ آہستہ عورت کی زندگی کو اندر سے توڑ دیتی ہے۔ مسلسل طعن و تشنیع عورت کے اندر احساس کمتری اور ڈپریشن جیسے مسائل پیدا کرتے ہیں۔وہ خود کو ناکام، غیر اہم اور ناپسندیدہ محسوس کرنے لگتی ہے۔اس ماحول میں بچوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔وہ ماں کو دکھ میں دیکھ کر خود بھی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔شوہر اور بیوی کا رشتہ نفرت اور فاصلے میں بدل جاتا ہے۔جس سے گھر کا ماحول زہر آلود ہو جاتا ہے۔اکثر ایسی عورتیں برداشت اور صبر کے نام پر خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔جس سے مرد مزید بے حس اور جابر بن جاتا ہے۔عائلی زندگی کا حسن باہمی محبت، عزت اور تعاون میں مضمر ہے۔اگر شوہر اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر بیوی پر بوجھ ڈالے اور اس کے بدلے میں تلخی کرے تو یہ ظلم ہے۔یہ عورت کی شخصیت، صحت اور خوشی کو کم کر دیتا ہے۔ایسے مردوں کو خود احتسابی اور ایسے معاشروں کو عورت کے مقام کا صحیح شعور حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ گھر امن کا گہوارہ بن سکے۔

وہ عورت جو گھر کی چار دیواری تک محدود تھی اب وہ چاردیواری سے باہر کی دنیا کی زینت بن رہی ہے۔ماں باپ اولاد کی تربیت ایسے کر رہے ہیں کہ بیٹی اپنے گھر جا کر سسرال والوں کی خدمت کرنے کی بجائے اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے باہر کی دنیا کا رخ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔جب عورت اپنی عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہے اور بچوں اور گھر کی خاطر محنت

مزدوری کرتی ہے تاکہ بچوں اور گھر کا نظام بہتر ہو سکے تو اس میں اس کی حوصلہ افزائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔وہ ایسا اس لیے کرتی ہے تاکہ بچوں کا پیٹ پال سکے۔ان کو اچھی تعلیم دے سکے۔اور گھر کے اخراجات پورے کر سکے تو یہ اس کی قربانی اور حوصلے کی علامت ہے۔لیکن اگر شوہر اس جدوجہد میں اس کا ساتھ نہ دے بلکہ خود کو غیر ذمے دار بنائے رکھے تو عورت نہ صرف دوہری ذمہ داری کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ شدید جسمانی،ذہنی اور جذباتی دباؤ میں بھی آجاتی ہے۔اس صورتحال کی وجہ سے عائلی نظام کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔عورت دن بھر باہر کام کرتی ہے اور گھر آکر بھی کھانا پکانا،صفائی،بچوں کی دیکھ بھال جیسے کاموں کو بھی اس نے خود ہی کرنا ہوتا ہے۔شوہر کی عدم دلچسپی عورت کو جسمانی و ذہنی طور پر تھکا دیتا ہے۔شوہر مدد تو دور بلکہ عورت کی قربانی کو معمولی سمجھتا ہوا اس کی بے قدری کرتا ہے۔وہ نہ حوصلہ دیتا ہے،نہ شکریہ ادا کرتا ہے اس رویے سے عورت کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔وہ خاموشی سے سب کچھ سہتی ہے آخرکار مایوس ہو جاتی ہے۔جب عورت تھکی ہوئی،باپ غیر ذمہ دار اور گھر کا ماحول کشیدہ ہو تو بچوں کی تربیت اور ذہنی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔عورت جب محسوس کرتی ہے کہ اس کی محنت کی قدر نہیں ہو رہی تو وہ مایوس ہو جاتی ہے۔جس سے شوہر اور بیوی کا رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔عائلی زندگی اس حوالے سے ایک ایسا سفر ہے جو مشترکہ ہے۔جس میں دونوں شریک حیات کا برابر کا کردار ہوتا ہے۔اگر عورت تک ودو کر رہی ہے تو شوہر کا فرض ہے کہ وہ اس کا ساتھ دے،اس کی حوصلہ افزائی کرے اور خود بھی ذمہ داری کا مظاہرہ کرے۔عدم توازن کی صورت میں پورا خاندانی نظام متاثر ہوتا ہے۔

سیمیں درانی نے افسانہ "ماتھو" میں عائلی زندگی کے مسائل اور اس کی پیچیدگیوں کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔سیمیں درانی نے میاں بیوی کی شادی سے پہلے اور شادی کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کو اپنے افسانے "ماتھو" میں کبھی ہنستے ہوئے اور کبھی طنز کے نشتر چھوتے ہوئے بیان کیا ہے۔افسانہ "ماتھو" کہ جس میں افسانے کا مرکزی کردار "کبیر" جو مالی حوالے سے مضبوط ہوتا ہے۔اس کے بہت سے کارخانے ہیں۔لیکن وہ خود ان کارخانوں میں جا کر کام نہیں کرتا۔اس کی بیوی اس سے اکثر کام نہ کرنے کا گلہ شکوہ کرتی ہے کہ کارخانوں کا صرف جائزہ لینا ہی کوئی کام ہے۔نہ بیوی بچوں کا خیال ہے،کیونکہ کارخانے کے پیسوں سے صرف پیٹ ہی بھرا جا سکتا ہے۔اس سے ازدواجی زندگی کے تعلقات مضبوط نہیں ہو سکتے۔

"سوہا" درمیانی قامت اور مناسب ساخت کی خوب صورت عورت تھی۔ وہ بیٹیوں کی شفیق ماں جس کو ہر پل اپنے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ کردار سازی کی بھی فکر رہتی۔یہی وجہ تھی کہ اس نے شادی کے بعد کسی مستقل نوکری کی بجائےاپنے مضمون سوشیالوجی کی وزٹینگ لیکچرشپ کو ترجیح دی تاکہ گھر اور بچوں پر توجہ قائم رکھ سکے۔شوہر جو کارخانے کا مالک تھا تاکہ گھر میں ذہنی اور مالی آسودگی دونوں برقرار رہیں۔

ازدواجی زندگی میں مختلف مواقع آتے ہیں کہ جس میں میاں بیوی کو بچوں سے ہٹ کر بھی اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔لیکن ان کی گاڑی کا پہیہ صرف پیٹ کی بھوک مٹانے اور ایک عورت کا اپنے بچوں کی تربیت کرنے میں لگ جاتا ہے۔اور میاں بیوی آپس میں ہر وقت کی ناچاکی اور لڑ جھگڑ کر اپنی زندگی بسر کر دیتے ہیں۔

سیمیں درانی کا افسانہ "مثلث" ایک شاہکار افسانہ ہے جس میں ایک ایسی عورت کی کہانی پیش کی گئی ہے کہ مرد اور عورت ازدواجی زندگی کے رشتے میں منسلک تو ہو جاتے ہیں لیکن بعض مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھاتے نظر نہیں آتے۔جس کی وجہ سے ایک عورت کی ساری زندگی بے سکون ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس افسانے کی مرکزی کردار "سسٹر انجیلا" ہے جس کے ہاں ایک ننھے بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔لیکن اس کا شوہر اس کو بے سہارا اور لاچار حالت میں ہسپتال میں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ازدواجی زندگی میں سماجی مسائل بہت زیادہ غالب نظر آتے ہیں۔ ہمارے سماج کے اندر مرد اکثراپنے فرائض سے خود کو بے نیاز کر دیتے ہیں اور عورت بطور ماں بچے کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لیتی ہے۔

> انجیلا ایک پہاڑ کی مانند دنیا اور بچے کے درمیان کھڑی تھی۔پہاڑ یکجا مگر اپنی ذات میں یکتا ہوتے ہیں۔پہاڑ ساکت اور خاموشی سے آسمان اور زمینی تفسیر کی تاب لاتے رہتے ہیں۔کبھی ٹوٹ کے، کبھی سرک کے اپنے جذبات کی بے زبانی سے اظہار کر دیتے ہیں۔مگرانسان اپنے ہر جذبے کو شکر اور ناشکری کی شکل میں آواز دے کراپنی برتری ثابت کرتے رہتے ہیں۔اور عورت اپنے آنسو اپنے دل کی زمین ڈبوتے ہوئے صبر کی فصل کی کھا جاتی

ہے۔[۱۰]

سیمیں درانی نے عورتوں کی سماجی حیثیت کوبطور خاص موضوع بنایا ہے۔اور معاشرے میں عورتوں کے مسائل ہر قلم اٹھایا ہے کہ عورت بطور ماں جس کے پاس الجھنوں اور دباؤ کو سہہ لینے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوتاوہ اولاد کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن جاتی ہے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیےہمہ وقت تیار رہتی ہے۔

ازدواجی زندگی میں ایک اہم مسئلہ انسانی رویوں کا بھی درپیش ہے۔عائلی زندگی کے تناظر میں انسانی رویے ازدواجی زندگی کے استحکام اور بگاڑ دونوں سطح میں ایک بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ازداجی رشتے میں محبت،برداشت اور اعتماد اور ایک دوسرے کی عزت جیسے رویے تعلق کو مضبوط کرتے ہیں۔جبکہ ضد،شک غصہ،بے توجہی اور خود غرضی جیسے منفی رویے سے یہ رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔اگر ازدواجی رشتہ مستحکم ہو تو خاندان میں خوشگوار ماحول پروان چڑھتاہے۔بچوں کی تربیت مثبت طریقے سے کرنے میں آسانی ہوتی ہے جو کہ متوازن شخصیت کے حامل بنتے ہیں۔اس کے برعکس جھگڑوں اور تناؤ سے بھرپور ماحول بچوں کی ذہنی نشوونما پر منفی اثر ڈالتاہے۔مثبت ازدواجی رویے جیسے افہام و تفہیم،ایثار و قربانی معاشرے میں ہم آہنگی اور برداشت کو فروغ دیتے ہیں۔ایسی اقدار جب خاندان سے نکل کر معاشرے میں جاتے ہیں تو اس سے ایک پرامن معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل میں آسانی ہوتی ہے۔اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے رویوں کو نہ سمجھیں اور منفی رویوں کو آپنائیں تو اس کا نتیجہ طلاق یا علیحدگی کی صورت اختیار کرلیتاہے۔جو نہ صرف افراد کو متاثر کرتاہے بلکہ پورے معاشرے میں عدم استحکام پیدا کرتاہے۔انسانی رویوں سے اقدار زندہ ہوتی ہیں۔یہ اقدار ایک تہذیب اور تمدن کا حصہ ہوتی ہیں۔ازدواجی زندگی میں اچھے رویے روایات اور ثقافت کے تحفظ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ازدواجی زندگی صرف دو افراد کا معاملہ نہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام کی بنیاد اس پر استوار ہوتی ہے۔اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک،برداشت اور محبت کارویہ اختیار کریں تو نہ صرف ان کی اپنی زندگی خوشحال ہوتی ہے بلکہ ایک مضبوط معاشرہ بھی جنم لیتاہے۔انسانی رویے دراصل اس معاشرتی فضا کی تشکیل میں کردار ادا کرتے ہین جہاں امن،سکون اور ترقی ممکن ہو۔اس لیے رویوں کی اصلاح ازدواجی زندگی اور معاشرتی بہتری دونوں کے لیے ایک اہم چیز ہے۔

انسانی رویوں کے مسائل کی عکاسی سیمیں درانی نے اپنے افسانے"فیمنسٹ اور چندا"میں کی

ہے۔ سیمیں درانی نے انسانی رویوں کے موضوع پر قارئین کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ان کے افسانوں میں ایسے کردار ملتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں کہ ان کا موازنہ دوسرے خاندانوں سے کیا جا رہا ہے۔اس کی عکاسی ان کے افسانے"فیمنسٹ"میں ملتی ہے جس کی مرکزی کردار"ساجدہ"ہے۔ساجدہ جو ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد گھر کی تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے لگی۔تو محلے کی عورتیں پہلے اسے بے اولادی کا طعنہ دینے لگیں جس کی وجہ سے وہ نفسیاتی طور پر ہر وقت غصہ،ذہنی تناؤ اور ڈپریشن کا شکار ہونے لگی۔اس تمام صورتحال کا اثر اس کی ازدواجی زندگی پر بھی ہونا شروع ہو گیا۔اور ان کے آپس کے تعلقات بھی خراب ہونا شروع ہو گئے۔خاندان کے طعنے سہتے سہتے وہ اپنے شوہر سے بہت دور ہوتی جا رہی تھی۔

> شوہر نکھٹو تھا لیکن جب سے چچا حمید نے رقیہ کو سکول میں ڈالا تو اس کے اندر بھی ضد آگئی۔ وہ ہمیشہ اپنے مالک کو دوچار گالیاں دیتا۔اور ساجدہ شوہر کے آگے کھانا پروستی اور بے اولادی کا رونا رونے لگتی ۔[۱۱]

"فیمنسٹ" افسانے کی تحریر قاہرین کو سوچ و بچار میں مبتلا کر دیتی ہے۔جب ساجدہ کے ہاں حامد اور ماجد کی جوڑی پید ا ہوئی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ اب اس کے حالات بدل گئے ہیں۔ اس کی ازدواجی زندگی بہتری کی جانب گامزن ہو جائے گی۔وہ زچگی کی ساری تکلیفیں بھول گئی تھی۔ اس کا شوہر نکما اور بے روزگار تھا۔چچا حمید نے اپنی بیٹی رقیہ کو سکول میں ڈالا تو ساجدہ بھی ضد میں آگئی کہ وہ بھی اپنے بچوں کا مقابلہ چچا حمید سے کروائے گئی۔

> جب سے چچا حمید نے رقیہ کو سکول میں ڈالا تو اماں کو بھی ضد ہوئی کہ اپنے بچوں کا مقابلہ نہ کروایا تو میری ناک کاٹ ڈالو۔عورت کا کوئی روپ نہ پہچان پاؤ گئے۔آدم سے پہلے کوئی تخلیق نہ تھی۔اور اس کے تخلیق کے وقت کوئی عورت نہ تھی۔[۱۲]

افسانے کی مرکزی کردار ساجدہ نے اپنی ضدکو پورا کرنے کے لیےاپنے اور اپنے شوہر کے درمیان اچھا خاصہ ماحول قائم کر لیا تھا۔ آئے روز ان کے درمیان جھگڑے ہونا شروع ہو گئے۔

> گھر میں روز کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ہر قسم کا لعن طعن اور گالی گلوچ

ساجدہ کی روح میں سراعیت کر گئی تھی۔جہاں بھی موقع ملتا وہ نہ چونکتی۔اور جمیل کی زندگی ایک عذاب کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔
(۱۳)

عائلی زندگی میں والد کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔یہ رشتہ محض کفالت تک محدود نہیں ہوتا بلکہ جذباتی تحفظ، نظم وضبط اور تربیت کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔جب ایک باپ اپنی پوری زندگی بچوں پر صرف کر دیتا ہے تو اس چیز کا فطری تقاضا ہے کہ بڑے ہو کر بچے اس کی دل سے عزت کریں، محبت سے پیش آئیں اور بڑھاپے میں اس کا سہارا بنیں۔ لیکن جدید معاشرے کی خود غرض اور مادہ پرستانہ سوچ بعض بچوں کو والدین سے دور کر رہی ہے۔اس سے عائلی نظام میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔بچوں کی طرف سے والدین کی خدمت نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ رشتوں کی قدر کم ہو رہی ہے۔اپنے والدین خصوصاً باپ کی جو بڑھاپے میں تنہائی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔جب بزرگوں کی عزت وخدمت نہ کی جائے تو پورا خاندانی نظام کو متاثر ہوتا ہے اور نئی نسل بھی یہی رویے سیکھتی ہے۔والدین کے ساتھ بدسلوکی یا غفلت معاشرتی اخلاقیات کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔والدین کے ساتھ حسن سلوک بہت زیادہ ضروری ہے۔والدین کی خدمت اور ان کا احترام انسان میں صبر ،عاجزی، انحصار جیسے اوصاف پیدا کرتا ہے یہ اوصاف مہذب اور مضبوط شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔جب والدین کو عزت، محبت اور سہارا دیا جاتا ہے تو خاندانی ایک مضبوط اکائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اس سے سماجی استحکام مزید مضبوط ہوتا ہے۔والدین اپنے تجربات واقدار نئی نسل تک منتقل کرتے ہیں۔اگر ان کا احترام کیا جائے تو نسلوں کی بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔اس سے معاشرے میں اخلاقی زوال رک جاتا ہے۔والدین کے حقوق کی ادائیگی کا کلچر جب فروغ پاتا ہے تو معاشرہ ایک ہمدرد، رحمدل اور اجتماعی ذمہ داری کو سمجھنے والا سماج بن جاتا ہے۔عائلی زندگی کے لیے صرف مالی یا مادی آسائشیں کافی نہیں ہوتیں، بلکہ روحانی واخلاقی پہلو بھی ضروری ہوتے ہیں۔والدین کے حقوق کی پاسداری ایک ایسا عمل ہے جس سے فرد کی زندگی میں برکت پیدا ہوتی ہے اور معاشرے کو فلاح، محبت اور انصاف کا گہوارہ بناتا ہے۔

جدید معاشرے کے اندر دیکھا جائے تو ایک باپ جو ساری زندگی اپنے بچوں کے لیے وقف کر دیتا ہے لیکن جب وہی بچے بڑے ہو جاتے ہے تو ان کے پاس اپنے ہی والدین کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا وہ پہلے تو اپنی زندگی بے مقصد گزار رہے ہوتے ہیں اور باپ کے پیسوں پر عیاشی کر رہے ہوتے ہیں لیکن انھیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب گھر کی ساری ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ جائے یا ان پر کوئی

تکلیف یا مصیبت آجائے یہ عائلی زندگیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جس نے خاندان کے افراد کی زندگیوں کو اجیرن بنا دیا ہے۔ اور خاندان کے افراد داخلی اور خارجی کرب میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ شعیب خالق کا افسانہ "مونولاگ" میں گھر کا سربراہ کی داخلی مسائل کی عکاسی کی گئی ہیں۔ اس افسانے کا مرکزی کردار مسرت علی چیمہ کا ہے جس کے دو بیٹے ہوتے ہیں وہ ان کے بہتر مستقبل کے لیے دن رات محنت کرتا ہے تاکہ اس کے بیٹوں کا مستقبل سنور سکے۔ اور وہ خوب بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اوراس کے بیٹے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ کاروبار کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے بیٹے کو سونپ دیتا ہے اور خود آرام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن اس کے بیٹے اپنی اپنی زندگیوں میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں ان کے پاس باپ کے لیے وقت ہی نہیں رہتا۔ باپ سارا وقت تنہا کمرے میں گزارتا، ٹی وی دیکھتا اور اس طرح مایوس پروگرام دیکھنا اس کا معمول سا بن گیا۔ جس کی وجہ سے آئے روز اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گی۔ اس کا وجود اس کے ہی بچوں کے لیے بوجھ بن گیا۔ اس اذیت کی وجہ سے باپ ذہنی کرب میں مبتلا ہو گیا۔

> خود ساختہ ریٹائرمنٹ کے چند دن پہلے فرصتی ہفتوں میں ہی غیر محسوس انداز سے ٹی وی اخبار نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور یوں داخلی تنہائی کا بہلاؤ کے سبب کہیں خارجی تنہاؤ بھی اسکے اندر چلا گیا۔ (۱۴)

د۔ عائلی زندگی کے اندر بیوی کا مقام

افسانہ "چندہ" میں بھی انسانی رویوں کی عکاسی نظر آتی ہے۔ اس افسانے میں بھی ایک ایسی عورت کی کہانی پیش کی گئی ہے جو اپنے نامولود بچے کو لے کر ایک مسجد کے باہر آکر بیٹھ جاتی ہے، وہ دن جمعہ کا ہوتا ہے، جمعہ پڑھ کر جب مولوی صاحب اور بہت سارے لوگ مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو اس پر لعن طعن اور سوال پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس افسانے کے اندر بھی ہمیں انسانی رویوں کی عکاسی نظر آتی ہے۔ کہ کوئی بھی اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ عورت جو بے یارومددگار تھی ۔ جس کو بیٹی کی پیدائش پر گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ مرد جو خود کو گھر کا سربراہ سمجھتا ہے۔ وہ بھی اپنے وارث کا منتظر ہوتا ہے۔ اور بیٹی کی پیدائش کو دل سے قبول کرتا دکھائی نہیں دیتا۔

> عورت جو مسجد کے باہر اپنی بچی کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اب لوگ اس کے

پاس جمع ہونا شروع ہو گئے۔وہ درد سے کراتی رہی۔ہجوم بڑھتا رہا۔جامع
مسجد کے عقب میں اس کچھرے کے ڈھیر پر جب ایک وجود کو اس حال
میں پایا تو لوگ مجمعے شکل اختیار کر گئے۔(۱۵)

عائلی زندگی وہ ہے جس میں ہر فرد کو برابری، عزت، انصاف اور مواقع میسر ہوں۔ لیکن جب ایک بیوی کو صرف بیٹی کی پیدائش پر قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے تو یہ عائلی زندگی کے بنیادی اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔بچے کی جنس کا تعین مرد کے کروموسومز ایکس یا وائے سے ہوتا ہے، عورت سے نہیں، لیکن معاشرتی لاعلمی اور دقیانوسی سوچ عورت کو ناحق مورد الزام ٹھہراتی ہے۔بیٹی کی پیدائش پر طلاق دینا اور عورت کو بے سہارا چھوڑ دینا ایک سنگین ظلم ہے جو نہ صرف عورت بلکہ بچے کے مستقبل پر بھی منفی اثرات ڈالتا ہے۔ایسی عورت جب معاشی بے بسی کا شکار ہوتی ہے تو وہ دربدر پھرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔معاشرہ اس کی مدد کرنے کی بجائے اس پر تنقید اور نفرت کے تیر چلاتا ہے جو ہمارے سماجی اخلاق کا زوال ظاہر کرتا ہے۔مثالی معاشرہ اس وقت تشکیل پاتا ہے جب بیٹی یا بیٹے کی پیدائش پر کوئی امتیاز نہ ہو اور عورت کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔عائلی زندگی عورت کو صرف بیوی یا ماں کے رشتے تک محدود نہیں کرتی بلکہ اسے ایک مکمل انسان کا درجہ دیتی ہے جس کے حقوق اور وقار کا تحفظ ضروری ہے۔ایسے حالات میں معاشرے میں رہنے والے لوگوں کا بھی فرض ہے کہ وہ بے سہارا عورت کی مدد کرے۔اس کے لیے روزگار، تحفظ اور عزت کے مواقع فراہم کرے۔بیٹی کو بوجھ سمجھنے کی سوچ کا خاتمہ صرف تعلیم اور مثبت سماجی مکالمے سے ممکن ہے۔الغرض بیٹی کی پیدائش پر عورت کو قصور وار ٹھہرانا ایک جہالت پر مبنی عمل ہے جو عائلی زندگی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ایک مثالی معاشرے میں عورت کو عزت، تحفظ اور مواقع دیے جاتے ہیں نہ کہ تنقید اور طلاق۔اس رویے کی اصلاح کے بغیر نہ صرف عورت بلکہ پورا معاشرہ پسماندگی کا شکار رہتا ہے۔

رویہ کسی بھی شخصیت کا بیان ہے۔رویے عام طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں، اول مثبت رویہ اور دوم منفی رویہ۔رویے کا انحصار انسان کے طرز فکر، نکتہ نظر اور عقائد پر ہوتا ہے۔جذباتی رویوں کا تعلق براہ راست انسانی جذبات سے ہے۔ان جذبات میں پیار و محبت، نفرت، جدائی اور دوستی وغیرہ شامل ہے۔تمام انسانی جذبات انسان کی عائلی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں جس طرح اس افسانے میں ایک شوہر کی عورت سے توقعات اور بیٹے کی فرمائش نے شدید غصے کا

اظہار کیا اور ایک بیٹی کو اور ماں کو گھر سے دربد کر دیا۔اور وہ اپنی زندگی سڑکوں پر گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

عائلی زندگی کے مسائل میں ایک مسئلہ جہیز کا بھی ہے۔جہیز کا رواج شادی کو ایک مقدس بندھن کی بجائے ایک مالی سودا بنا دیتا ہے۔لڑکی کے والدین پر غیر ضروری بوجھ ڈلا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے وہ قرضوں کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔یہ عمل معاشرتی،طبقاتی فرق کو مزید گہرا کرتا ہے۔جہیز کی کمی یا ناپسندیدگی پر نئی نویلی دلہن کو طنز،طعنے اور بعض اوقات تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔یہ رویے اس کے اعتماد،ذہنی سکون اور جذباتی توازن کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں جو عائلی زندگی میں محبت اور ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔جہیز کی بنیاد پر پیدا ہونے والی تواقعات،شکوے اور شکایات میاں بیوی کے درمیان تعلقات کو زہر آلود کر دیتی ہیں۔یہ مسائل وقت کے ساتھ بڑھ کر علیحدگی یا طلاق تک بھی جاسکتے ہیں۔جہیز کے رواج نے عورت کی عزت و وقار کو اس کے لیے لائے گئے سامان سے جوڑ دیا ہے یہ عورت کی انسانی قدر و قیمت کو مجروح کرتا ہے۔عائلی زندگی میں اس کے مقام کو مشروط بنا دیتا ہے۔عائلی زندگی کی خوبصورتی محبت،اعتماد،احترام اور باہمی تعاون سے جڑی ہوئی ہے نہ کہ جہیز جیسے مادی مطالبات میں۔جہیز کا رواج نہ صرف خاندانی نظام کو کمزور کرتا ہے بلکہ سماجی اور نفسیاتی بیماریوں کو بھی بڑھاتا ہے۔ہمیں معاشرے میں ایسے شعور کو فروغ دینا ہو گا جو شادی کو آسان اور بامقصد بنائے۔اس سے عائلی زندگی سکون،اعتماد اور خوشیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

اس افسانے "اندھیر گلی" میں سیمیں درانی نے جہیز کے مسئلے کی عکاسی کی ہے۔کہ شادی ایک بہت خوبصورت بندھن ہے۔لیکن معاشرے میں جہیز کو فوقیت دی جاتی ہے۔جو ماں باپ اپنی بیٹی کو بہت زیادہ جہیز دیتے ہیں سسرال میں اس بیٹی کی اتنی ہی اہمیت ہوتی ہے۔اس افسانے کی مرکزی کردار "کنیز جہاں" ایک بڑے ذمہ دار گھرانے میں بیائی گئی تھی۔وہاں پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔لیکن اس کو ہر وقت جہیز کا طعنہ دیا جاتا۔ وہ یہی سوچتی کہ جب بھی اپنی بیٹی کی شادی کرے گئی تو اس کو رخصت کرنے سے پہلے جہیز اس کے گھر میں ڈال دے گی۔

> گھر والوں سے پیار کی قیمت جھکانے کو جہیز نہ دیا جاتا تھا۔پہلے پہل تو اماں نہ سمجھ سکی۔پھر جب سمجھی تو پلے ڈال لیا کہ بیٹی کو گھر سے بعد میں رخصت کروں گی۔پہلے داج لے جا کر اس کے لیے سسرال میں جگہ بنائے

گا۔حقیقتاً داج ہو گا اتنا ہی کہ وہ چاہی جائے گی۔اس کی اٹھان ہو گی۔[۱۶]

شادی ہو گئی مگر اس کا شوہر بے روزگار تھا۔اس کی بنیادی ضروریات پورا کرنے سے بھی قاصر تھا۔وہ شادی کے کچھ دن بعد فاقوں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی۔اور آخر کار اس نے اپنے کنگن بیچنے شروع کر دیے۔

> چلیں آج سے آپ سبزی بنایئے گا اور میں کھانا۔مجھے ایک مددگار مل گیا۔گھر میں دل بھی بہلا رہے گا۔اور کچھ دن تک۔۔۔۔جب گھر سودے کے پیسے ختم ہوئے تو کنیز اپنے کنگن لے کر چپ چاپ ماں کے پاس پہنچی۔ماں کنگن بیچ دو۔[۱۷]

شادی بچانے کے لیے بعض اوقات تو اپنے اثاثوں تک کو فروخت کرنا پڑھتا ہے۔ سیمی دہرانی کا افسانہ"سجدہ"اس کا شاہکار افسانہ ہے۔اس افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔سماجی مسئلہ گہرا بھی ہو سکتا ہےاور معمولی بھی۔سماجی مسئلے کا اثر خاندان کے تمام افراد کو متاثرکرتا ہے جیسے کہ بے روزگاری کا اثر گھر کے تمام افراد پر اثرانداز ہوتا ہے۔اس افسانے کی مرکزی کردا"نصیبن"ہے جس کے شوہر نے شادی کے بعد تمام کام دھندا چھوڑ دیا۔

"نصیبن" جب سے بیاہ کر آئی تھی رفیق نے کام دھندہ چھوڑ دیا تھا۔سارا دن دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق یا آمنہ کے گھر کا چکر،ماں ،بھائی دو گلی چھوڑ کر ایک کٹیا میں دوسرے بیٹے کے ساتھ رہتے تھے۔جب بھی اس کو گود میں لے کر آتی بلائیں لیتی کہ اس کے لیے بیوی کا وجود صرف جسم رہ جاتا۔لاڈ پیار کی وجہ سے وہ کوئی بھی کام دھندہ نہیں کر پایا۔سارا دن ماں چمکالاتی اور بہلاتی۔دوسرے بیاہ کے خواب دکھاتی۔

اچھی تربیت اور اچھی عادتیں کامیاب زندگی کی ضامن ہوتی ہیں۔اور والدین کی بروقت رہنمائی سے بچوں کی اصلاح ممکن ہوتی ہے۔والدین کا فرض ہوتا ہے بچوں کی اچھی طرح تربیت کر سکے۔اور آنے والی زندگی کے لیے تیار کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔دینی ودنیاوی تعلیم دلوانے کے ساتھ اخلاقی تعلیم دینا والدین کے فرائض میں شامل ہے۔عائلی زندگی میں اقدار،اخلاق،علم،شعور اور کردار کی بلندی بہت ضروری ہے۔بچوں کی تربیت میں اخلاقیات کا عنصر بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔کیونکہ اخلاقیات ہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک فرد،خاندان اور پورا معاشرہ کھڑا ہوتا ہے۔اخلاقیات ہی بچوں کی شخصیت

کو سنوارتے ہیں۔ سچ بولنا، بڑوں کا احترام، دیانت داری، رحم دلی اور انصاف پسندی جیسے اوصاف ان کے کردار میں رچ بس جائیں تو وہ نہ صرف اچھے انسان بنتے ہیں بلکہ معاشرے کے مفید شہری بھی بنتے ہیں۔ جب بچوں کی پرورش اخلاقی اصولوں پر ہو تو وہ اپنے والدین، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بہتر سلوک کرتے ہیں۔ یہ خاندانی بندھن کو محبت، برداشت اور باہمی احترام سے بھر دیتا ہے۔ اخلاقی تربیت یافتہ بچے بڑے ہو کر ایسی معاشرت قائم کرتے ہیں جہاں جھوٹ، فریب، نفرت اور تعصب کی جگہ سچائی، محبت اور مساوات ہوتی ہے۔ یوں ایک پرامن اور خوشحال معاشرہ جنم لیتا ہے۔ اخلاقی تربیت بچوں کو صبر، استقامت، ہمدردی اور قربانی جیسے اوصاف دیتی ہے جو انہیں زندگی کے نشیب و فراز میں ثابت قدم رکھتے ہیں اور انہیں اعلیٰ انسان بناتے ہیں۔ اخلاقیات دین کا جوہر ہے۔ اعلیٰ زندگی صرف دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ روحانی پاکیزگی بھی ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب بچوں کو ابتدا سے سچائی، انصاف اور خیر خواہی کی تربیت دی جائے۔ عائلی زندگی میں بچوں کی اخلاقی تربیت ناگزیر ہے۔ اخلاقیات ایک فرد کی زندگی کو وقار، امن، عزت اور کامیابی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ اخلاقی تربیت یافتہ بچے نہ صرف خاندان بلکہ معاشرے اور قوم کا فخر بنتے ہیں۔ صاگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسل ایک مثالی، خوشحال اور ترقی یافتی دنیا بنائے تو ہمیں بچوں کو صرف تعلیم نہیں بلکہ اخلاقی اقدار بھی سکھانی ہوں گی۔

اساتذہ سے پہلے والدین کا بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا ہوتا ہے۔ بچے ہمیشہ ماں باپ کے رویوں سے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جس طرح کا رویہ ماں باپ کی شخصیت میں پاتے ہیں اس طرح ہی عملی زندگی میں عمل کرتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگیوں کو بدلیں۔ وہ اپنی زندگی کو بہترین کریں۔ وہ بچوں سے جس چیز کی توقع کرتے ہیں پہلے خود اس پر عمل کریں۔ وہ جس طرح کا اخلاق بچوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں پہلے اس رویے سے گھر والوں سے زندگی گزاریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے سامنے ان کے والدین کی زندگی ہوتی ہے۔ بچے ان سے سیکھتے ہیں۔ ان کی طرح بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی باتوں کو اپنے الفاظ میں شامل کرتے ہیں۔ وہ وہی لہجہ اپناتے ہیں جس لہجے میں انہوں نے ساری زندگی والدین کو دیکھا ہوتا ہے۔

لیکن آج کل والدین اس فرض کو پورا کرنے میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ حد سے زیادہ لاڈ پیار سے بچوں کی اخلاقی تربیت کی راہ میں رکاوٹ حائل ہوتی ہے۔ افسانہ "سجدہ" میں مرکزی کردار

نصبین بھی شوہر کے جبر اور اس کے نفسیاتی مزاج سے اثر انداز نظر آتی ہے۔

یہ میرا قصور ہے میرے مولا میرا شرک تو معاف کرمولا ۔میں اسی لمحے دروازے کو پیر کی ٹھوکر مار کر کھولتا۔اس کا مجازی خاوند داخل ہوا۔چل نصیبن کھانا لا۔آج تو پہلی ہے تو گوشت لائی ہو گئی۔شوہر گھر میں بے روزگار بیٹھا رہا۔اور آخرکار وہ خود روزگار کی تلاش میں نکل پڑی۔اور وہ اس امید پر کہ ایک رفیق نوکری کرے اور کما لائے۔لاکھ جھگڑے ہوئے مگر رفیق اپنی اکڑ اور لاڈ کی تربیت کی وجہ سے کہیں ٹک کر کام نہ کر سکا۔ایک دو بار جب اس نے ساس اور سسر سے شکوہ کیا تو سسر نے توحقے کے کش پر مزید دھواں چھوڑ کر اظہار کر دیا۔مرد خود کو گھر کا سربراہ منواتا ہے۔معاشرے کی مظلوم ترین صنف عورت ہے۔جس کی مظلومیت کی حد ابھی مقرر نہیں ہو سکی۔مرد خود کو حاکم بنانے کی تک ودو کے لیے منصوبہ بناتا رہتا ہے۔گھر کی سلطنت خود کو سونپ رکھی ہے۔جبکہ افسانے میں نفیس کا شوہر ہے جو خود کو مجازی خدا تو مانتا ہے لیکن اس کے اندر انسانیت اور احساس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

> اس کو کمی خدا نے نہیں مجازی خدا نے دی ہے۔خود تو مجازی خدا کہلوا کر خدا کے چسکے لیتا ہے۔کبھی یہ بھی سوچا خدا ہے کیا۔۔۔۔۔وہ پالن ہار ہے،وہ پیار ہے،وہ رحمان ہے۔۔۔۔۔یہ سارے لگن مرد اپنے گنوا کر سجدے کا تقاضا کیوں کرتے ہیں۔(۱۸)

سیمیں درانی نے اس میں نفسیاتی مسائل کی عکاسی کی ہے۔کسی بھی عورت کا شوہر اس کے لیے ایک مضبوط چھت مہیا کرتا ہے۔شوہر کی موجودگی عورت کو تحفظ دیتی ہے۔عورت شوہر کی موجودگی میں گھر اور باہر دونوں جگہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہے۔گھر کے اندر اگر دونوں کا رویہ ایک دوسرے سے بہتر ہو تو ان دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔دونوں کی زندگی پر سکون گزرتی ہے۔دونوں کی زندگی میں جب عزت واحترام کا رشتہ موجود ہو تو اس کی بدولت دونوں کی زندگیوں میں خوشحالی آتی ہے۔اگر صرف بیوی کا رویہ اچھا ہو اور اس سے ہی امید کی جائے کہ ہر وقت وہ ہی اچھے رویے کا مظاہرہ کرے گی تو یہ ناممکن ہوتا ہے۔شوہر پر بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اچھا رویہ اختیار کرے اور اپنی بیوی کی ہر جائز ضرورت پر اس کا ساتھ دے اور اس کی مشکلات کم کرنے میں اہم کردار ادا کرے۔اس سے دونوں کی زندگی اچھی گزرے گی

اور معاملات بہتر ہوں گے۔شوہر گھر کی عورت پر بری نظر رکھنے والے کو جان سے مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔وہ اپنی بیوی کی عزت کا محافظ ہوتا ہے۔لیکن گھر کی چار دیواری کے اندر وہ اپنی ہی بیوی کو شک اور وہم کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کے گھر کے نظام درم برہم ہو جاتا ہے۔جیسا کہ افسانے "سجدہ"میں نفیس کا شوہر باہر تو اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن گھر کے اندر اس کو شک ووہم کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

زاہدہ حنا کا افسانہ"رقص بسمل"میں معاشی اور سماجی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ان کا افسانہ"آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی"ایک ایسا شاہکار افسانہ ہے جس میں سماجی اور نفسیاتی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔افسانے کی مرکزی کہانی عائشہ اور اس کا شوہر احمد کے گرد گھومتی ہے۔دونوں ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔لیکن ہمارا معاشرہ چونکہ قدیم روایات کا امین ہے اور کسی بھی قسم کا ردوبدل ان روایات میں نہیں کرنا چاہتا ہے۔۔صدیوں سے ہی معاشرے کی عورتیں محکومی کا شکار رہی ہیں۔نہ ہی اپنا نقطہ نظر بیان کر سکتی ہیں اور نہ کسی قسم کی رائے دینے کا حق رکھتی ہیں۔عورتوں کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔عورتوں کی رائے تو بعض اوقات پوچھی تک نہیں جاتی۔مرد ہی ہر مواقع پر فیصلہ کر دیتے ہیں۔وہ اس بات کی پروا تک نہیں کرتے کہ انکی زندگی کی ساتھی کو یہ بات پسند بھی ہے یا نہیں۔عائلی زندگی میں عورت کے جذبات کا سمجھنا،سننا اور اہمیت دینا نہایت ضروری ہے۔اگر مرد عورت کی رائے کو نظر انداز کر دے تو وہ نہ صرف خود الجھتا ہے بلکہ رشتوں کی بنیاد بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔لہذا زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کے لیے مرد کو چاہیے کہ عورت کی رائے کو سنجیدگی سے لے۔اسے صرف جذباتی یا کمزور نہ سمجھے بلکہ اس کی رائے کو سنا جائے اور اس سے مشاورت کی جائے تاکہ دونوں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا ہوں۔

اکیسویں صدی کی نمائندہ خواتین کی بات کی جائے تو" زاہدہ حنا"کا نام آتا ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں کے اندر ایک ایسی عورت کی کہانی پیش کی ہے جس کی حقیقت ایک شئے کی طرح ہے۔جو اپنی مرضی سے نہ ہی اپنی زندگی بسر کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنی خواہشات پورا کر سکتی ہے۔عائشہ جو گھر کے تمام امور انجام دیتی ہے۔لیکن اس کا شوہر اس کا ساتھ دینے کی بجائے اس پر شک کرنا شروع ہو جاتا ہے۔

رات میں احمد دیر تک جاگتا رہا تھا۔اب سو رہا ہے۔میری بے قراری مجھے
اندھیرے تک لے آئی ہے۔صبح کے سات بج رہے ہیں۔اچانک احمد زور زور
سے چلانا شروع کر دیتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سب مشینیں کہیں چل
رہیں ہیں۔اور کھڑکیاں ریزہ ریزہ ہو رہی ہیں۔احمر مجھے ڈھونڈتا ہوا وہاں آجاتا
ہے اور مجھے اس فلائیٹ کے اندر لے جاتا ہے جسے وہ گھر کہتا ہے۔میں نے
چیخ چیخ کر آوازیں دینا شروع کیں کہ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔اور وہ چونک
کر دیکھتا ہے کہ ہم گھر ہی تو ہیں۔میں تمہارے گھر کی ہی بات کر رہی ہوں
وہ جو کراچی میں ہے۔[۱۹]

"زاہدہ حنا"نے عورت کی بے بسی کو اپنے جدید علامتی اسلوب میں اس طرح ڈالا ہے کہ عورت کا وجود ہمارے سامنے ایک سوالیہ نشان بن کر سامنے آتا ہے۔زاہدہ حنا کے افسانوں کی عورت اپنے عائلی زندگی کے مسائل میں اس طرح جکڑی ہوئی نظر آتی ہے کہ جیسے جانے پہچانے کردار اپنی فنکارانہ تدبیر کے سبب ماورائی فضا میں تبدیل ہو کر زندگی کے تناظر کو وسیع پیمانے پر بیان کرتے ہیں۔معاشرے میں بے بس عورت کئی شکلوں میں ہمارے سامنے آتی ہے۔وہ بیٹی ہو سکتی ہے،بیوی ہو سکتی ہے حتی کہ ماں یا بہن بھی ہو سکتی ہے۔بے بسی کا مطلب صرف مالی یا جسمانی کمزوری نہیں بلکہ سماجی،نفسیاتی، قانونی اور جذباتی کمزوری بھی اس میں شامل ہے۔بہت سی عورتیں معاشی طور پر مردوں پر انحصار کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ فیصلے لینے کے قابل نہیں ہوتیں۔کئی عورتیں شوہروں یا خاندان والوں کے ظلم کا شکار ہوتی ہیں مگر جب وہ بے بس ہوتی ہیں تو خاموشی کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔لوگ کیا کہیں گے کے خوف میں عورت اکثر اپنی مرضی،خواب اور آواز تک کو قربان کر دیتی ہے۔قانونی حقوق ہونے کے باوجود وہ ان تک رسائی حاصل کر نہیں کر پاتیں۔کیونکہ یا تو قوانین سے واقف نہیں یا سسٹم پیچیدہ ہے۔عورت کو تعلیم دے کر اور اس میں خود اعتمادی پیدا کر کے اسے مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ہنر مند بنانے،نوکری یا کاروبار کے مواقع دے کر اسے اپنے پیروں پر کھڑا کرنا ضروری ہے۔قوانین پر عمل درآمد اور عورتوں کو قانونی مدد کی آسان فراہمی ضروری ہے۔عورت اور مرد دونوں کی تربیت لازم ہے۔وہ ایک دوسرے کو عزت دیں نہ کہ ایک دوسرے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کریں۔مرد کو عورت کا محافظ کے علاوہ اچھا ساتھی بھی بننا چاہیے وہ اس کی آواز کو دبانے کی بجائے اس کو سنے۔عورت کے فیصلوں کا احترام کرنا ضروری

ہے۔ تعلیم، ملازمت اور رائے میں اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ رواج اور روایت کو بدلنے کی ضرورت ہے جو عورت کو کم تر سمجھتے ہیں۔ میڈیا، اسکول، مذہبی ادارے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے سب کا کردار اہم ہے تاکہ عورت کو برابری کا مقام ملے۔ عورت کی خاموشی کو کمزوری نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے بولنے کے حق کو طاقت دینا چاہیے۔ بے بس عورت کی بے بسی معاشرتی، تعلیمی اور معاشی ڈھانچے کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اس کا حل صرف عورت کو کوششوں سے نہیں نکل سکتا بلکہ مرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کو مشترکہ طور پر کردار ادا کرنا ہو گا۔ عورت اگر خود کو پہچانے یا مرد اسے سمجھنے کی کوشش کرے اور معاشرہ اس کا ساتھ دے تو وہ بے بس نہیں، بااختیار عورت بن سکتی ہے۔

روایتی سماج کے اندر جب ایک عورت کی شادی ہو جاتی ہے تو عورت کا استحصال بحیثیت بہو بھی کیا جاتا ہے۔ عورت کا روپ بہن، بیٹی اور ماں کا بھی ہے۔ جب عورت ان رشتوں میں بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ تو سماج کا رویہ عموماً اس کے ساتھ اچھا ہوتا۔ اور نہ اس کے جذبات، احساسات اور خیالات کی قدر کی جاتی ہے۔ لیکن جب عورت شادی کے بعد بہو کے درجے پر فائز ہوتی ہے تو سماج کا سلوک اور رویہ اس سے قدر مختلف ہو جاتا ہے۔ اس سے اچھا رویہ اور سلوک نہیں رکھا جاتا۔ اور نہ اس کے جذبات، احساسات اور خیالات کی قدر کی جاتی ہے۔ بحیثیت بہو اس کے ساتھ اخلاقی برتاؤ بھی اچھا نہیں رکھا جاتا۔ جس طرح ماں باپ کے گھر میں اس کے تمام حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے اس طرح سسرال میں نہیں رکھا جاتا۔ افسانہ "پانیوں پر بہتی پناہ" ایک شاہکار افسانہ ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار "رحیم چچا کی بیٹی ہے" جس کی شادی تو بڑے دھوم دھام سے تو کر تو دی جاتی ہے مگر شادی کے بعد اس کا کام صرف آٹا گوندھنا، ناشتہ بنانا اور گھر کے تمام افراد کی خدمت کرنا بن جاتا ہے۔ اور گھر تک اس بہو کو محدود رکھا جاتا ہے۔ اس کو کوئی بھی اہمیت نہیں دی جاتی۔ تمام کام کے باوجود بھی اس کو ہر بات پر ٹوکا جاتا ہے جس سے وہ ذہنی قرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

بہن بیٹی، ماں، بیوی اور الغرض بہو عورت کا ہر روپ اور ہر کردار بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ عورت کہیں قربانیوں میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے، کہیں الفت و محبت، کہیں ہمدردی اور کہیں غمگساری کی جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہے۔ لیکن بحیثیت بہو عورت جبر و استحصال اور امتیازی سلوک

کا شکار ہے۔زاہدہ حنا نے اپنے افسانے"پانیوں پر بہتی پناہ"میں عورت کا استحصال بحیثیت بہو کی عکاسی کی ہے۔

> آج کے دور میں بھی ایک بہو کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔کسی قسم کا اختیار اس کو گھر میں نہیں دیا جاتا ہے۔بلکہ گھر میں بہو کو ایک شئے سمجھا جاتا ہے۔اور اس کو گھر میں کسی امور پر اختیار نہیں دیا جاتا ہے۔ان کی ایک ہی سلمٰی بیٹی تھی جو چچا نے اپنے سکے بھتیجے کو بیاہی تھی۔جس نے اسے دان دھیج نہ لینے کی سزا میں جلا کر مار دیا۔سلمٰی سوکھی لکڑی کی طرح جل گئی۔
> (۲۰)

زاہدہ حنا نے سماج میں ایسی عورتوں کی نشاندی کی ہے جنہیں ازدواجی زندگی سے متعلق منسلک ہونے کے ساتھ کام پر لگا دیا جاتا ہے۔حالانکہ ابھی مہندی کا رنگ بھی ان کے ہاتھوں سے نہیں اترا ہوتا۔ہر طرح کی بے جا ذمہ داری شادی کے بعد ان کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے۔ گھر کے دیگر افراد خود کو اس ذمہ داری سے الگ کر کے پرسکون ہو جاتے ہیں۔

سماج کے حوالے سے دیکھا جائے تو بہت ساری عورتوں کو مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔عورت پر اولاد نہ ہونے کی ذمہ داری عہد کر دی جاتی ہے۔عائلی معاشرہ میں عورت کو اکثر اولاد نہ ہونے کی صورت میں تنقید، تشدد اور نفرت کا نشانہ بنایا جاتا ہے حالانکہ بانجھ پن مرد و عورت دونوں پر ممکن ہے۔عورت پر یک طرفہ الزام لگانا نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ جسمانی و ذہنی ظلم کے مترادف بھی ہے۔اس سوچ کا اصل سبب جہالت، پدرسری نظام اور سائنسی شعور کی کمی ہے۔عورت سے شادی کے فورا بعد ماں بننے کی توقع کی جاتی ہے اگر چند سال تک اولاد نہ ہو تو گھر اور خاندان کا پہلا سوال عورت کی طرف ہوتا ہے۔ساس، سسر، شوہر اور یہاں تک کہ قریبی رشتہ دار بھی اسے طعنوں کا نشانہ بناتے ہیں۔عورت خود اعتمادی ٹوٹ جاتی ہے۔وہ احساس جرم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔چاہے اصل مسئلہ مرد کی طرف سے ہو۔تنہائی، ڈپریشن اور خودکشی کے خیالات جنم لیتے ہیں۔کئی عورتیں ایسی ہیں جن کو مارا پیٹا جاتا ہے دوسری شادی کی دھمکی یا عملی اقدام کیا جاتا ہے۔بعض اوقات عورت کو طلاق دے کر بانجھ پن کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔طبعی ماہرین کے مطابق بانجھ پن مرد و عورت دونوں میں ہو سکتا ہے۔علاج دونوں کا ہونا چاہیے مگر عائلی معاشرے میں صرف عورت کو قصور وار ٹھہرا دیا جاتا ہے۔مرد کے معائنے کو بے عزتی سمجھا جاتا

ہے۔ معاشرے میں شعور کو بیدار کرنا ضروری ہے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ بانجھ پن کوئی جرم نہیں بلکہ ایک طبعی مسئلہ ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کو طبعی معائنے اور علاج کی طرف راغب کیا جائے۔ عورتوں پر اس بے بنیاد ہونے والے تشدد کے خلاف قانون سازی اور اس پر عمل درآمد ضروری ہے۔ مرد کو بھی سمجھایا جائے کہ وہ عورت کا ساتھی ہے۔ اولاد کا نہ ہونا ایک قدرتی اور طبعی معاملہ ہے۔ عورت کا اس میں قصور ہے۔ عورت کو اس بنیاد پر تشدد کا نشانہ بنانا، طعنہ دینا یا اس کی زندگی برباد کرنا انسانیت، مذہب اور انصاف کے خلاف ہے۔ عائلی معاشرے کو چاہیے کہ وہ عورت کو صرف بچے پیدا کرنے کی مشین نہ سمجھے بلکہ ایک مکمل انسان کے طور پر اس کا احترام کرے۔

قصور وار صرف اور صرف عورتوں کو سمجھا جاتا ہے۔زاہدہ حنا کا افسانہ "منزل ہے کہاں تیری" ایک ایسا شاہکار افسانہ ہے۔ جس میں زاہدہ حنا نے سماج کے اندر اولاد کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار جس کی شادی تو ہو جاتی ہے مگر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس عورت کا گھر میں رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔

> میں جانتا ہوں تم کس مشکل سفر پر جا رہی ہو۔ بس وہی فیصلہ کرنا جو تمہارا جی چاہے اپنے گھر والوں کی اور میری خوشی کے لیے اپنی خوشیوں کلی بھینٹ نہ دینا۔ اور ادھر عالیہ دن رات مارے خوف کے تھر تھر کانپتی ہے اور سوچتی ہے کہ اس کا شوہر کس وقت زبردستی آگھسے گا اور زبردستی گھر سے باہر پھینکے گا۔ (۲۱)

زاہدہ حنا سماج کے ملاپ سے افسانہ بُنتی ہیں جسے قاری پڑھنے کے بعد غوروفکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔افسانہ "معدوم ابن معدوم" میں ایک ایسی عورت کی عکاسی کی گئی ہے جو ساری زندگی اپنے بچوں اور شوہر کے لیے وقف کر دیتی ہے۔ ابتداء میں میاں بیوی اور اس کا بیٹا بہت ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اس کا شوہر اس پر اور اس کے بیٹے پر ناحق زبردستی کرتا تھا۔ اسے ظلم وجبر اور ستم کا نشانہ بناتا تھا۔ جب بیٹا جوان ہوا اور ایک عہدے پر فائز ہوا تو اپنے والدین کو چھوڑ کر کراچی بہو کے پاس چلا گیا اور وہ عورت ایک بے جان شئے کی طرح پوری زندگی ایک چوبارے میں گزار دیتی ہے۔ اور اسے بدلے میں بھی کچھ نہیں دیا جاتا ہے۔ زاہدہ حنا شعور کی بازیاب اور انسانی نفسیات کی رمز شناسی سے انسانی ذات کے حوالے سے عرفان حاصل

کرتی ہے۔زاہدہ حنا کے افسانوں کی عورت عائلی زندگی کے اندر بے بسی اور احساس کمتری کی شکار نظر آتی ہے۔

> پیر آرا بیٹے کی شادی میں شرکت کے لیے کیا کیا نہ تڑپی۔لیکن معصوم حسین کی نہیں۔۔۔۔۔ہاں میں نہ بدل سکی معصوم پیر آرا کے خواب۔و خیال میں کبھی نہ آیا تھا کہ اکلوتا بیٹا جیتے جی یوں چھٹ جائے گا۔اس نے اپنے بیٹوں کی تصویروں سے اپنے گھر کی دیواریں بھر دیں۔لیکن اس کا بیٹا واپس نہیں آیا۔(۲۲)

ایک عورت جو شوہر کے ظلم کو برداشت کرتی ہے صرف اس لیے کہ وہ اپنے بچوں کو ماں باپ دونوں کا سایہ دینا چاہتی ہے۔وہ خاموش رہتی ہے،برداشت کرتی ہے۔وہ شوہر کے ظلم سہنے کے باوجود اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو وہ ظلم کو دیکھ دیکھ کر اتنا تنگ ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ دونوں کو چھوڑ کر الگ شہر میں اپنی دنیا بسالیتا ہے۔یہ منظر ایک عام مگر دکھ بھری حقیقت کو بیان کرتا ہے جو کہ عائلی زندگی میں ملتا ہے۔ایک عورت جو ساری زندگی درندہ صفت شوہر کے ظلم کو برداشت کرتی ہے صرف اس لیے کہ وہ اپنے بچوں کو ماں باپ دونوں کا سایہ دینا چاہتی ہے۔وہ ایک مقصد کے لیے خاموش رہتی،برداشت کرتی اور سہتی رہتی ہے کہ اس کا بچہ بڑا ہو کر اس کی خدمت کرے گا۔وقت کے ساتھ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو تنگ ہو کر اپنی ماں کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔حالانکہ اس کی ماں نے بہت دکھ برادشت کیے ہوتے ہیں۔اسے اپنے بچوں کا مستقبل عزیز ہوتا ہے۔وہ سمجھتی ہے کہ برداشت سے گھر بچا رہے گا اور بچے محفوظ رہیں گے۔وہ خود پر ہونے والے جبر کو سہتی ہے لیکن بچوں پر سایہ بن کر کھڑی رہتی ہے۔عورت کی ساری قربانیاں اس وقت رائیگاں جاتی ہیں کہ جس بیٹے کے لیے وہ ظلم سہتی رہی وہی بیٹا آخر میں اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔دوسری طرف ظالم شوہر کا کردار گھر برباد کر دیتا ہے اور بچے سایہ امن کی تلاش میں دور نکل جاتے ہیں،اس سارے عمل میں سب سے زیادہ نقصان ماں کو ہوتا ہے جس کو جب سہارے کی ضرورت تھی تو اس کا اپنا بچہ اس کو بے یارومددگار چھوڑ جاتا ہے۔ظلم پر خاموشی اختیار کرنا کبھی کبھار خود ظلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔عورت کو چاہیے کہ وہ ظلم کو برداشت کرنے کی بجائے آواز بلند کرے تاکہ گھر بھی بچے اور نسلیں بھی برباد نہ ہوں۔مرد کو سمجھنا چاہئے کہ اگر وہ بیوی اور بچوں پر ظلم کرے گا تو رشتے صرف جسمانی طور پر ساتھ رہیں گے دلوں سے دور ہو جائیں گے۔بچے بڑے ہو کر کبھی بھی ایسے والدین کی خدمت نہیں کریں گے جس

نے درندوں کی طرح اس کی والدہ سے سلوک کیا ہو۔ جس نے درندوں کی طرح اس پر تشدد کیا ہو۔ لہذا باہمی محبت، صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور عورت کے ساتھ نرمی اور محبت کا رشتہ رکھنا چاہئے اور اس کی اولاد کے سامنے یا خاندان کے دیگر افراد کے سامنے اس کی ہر گز تذلیل نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی بات سے اختلاف ہو یا کوئی بات ناگوار گزرے تو علیحدہ میں اچھے رویے کو ملحوظ خاطر رکھ کر بات کرنی چاہئے اور اپنے مسائل کو مل جل کر حل کرنا چاہیئے تاکہ محبت اور سکون سے یہ رشتہ چلتا رہے اور اولاد بھی ان کی خدمت کرے اور ان کی زندگیوں کو دیکھ وہ ابھی راحت محسوس کریں اور ان کی طرح اچھی زندگی گزارے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں موجود عورت خارجیت سے زیادہ باطنیت پرست نظر آتی ہے۔ جو اپنی اندرونی دنیا سے واقف رہنا چاہتی ہے۔ اس عورت میں عقل وشعور کا ادراک ہونے کے ساتھ ساتھ آگاہی موجود ہے۔ معاشرے کے اندر مرد اور عورتوں کو عائلی مسائل میں بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان سمجھوتا نہ ہو جانے کی وجہ سے اکثر اوقات نوبت طلاق تک آجاتی ہے۔ سماجی حوالے سے دیکھا جائے تو ہمارے معاشرے کے اندر طلاق شدہ عورتوں کا وجود ناقابل وجود سمجھا جاتا ہے۔

افسانہ "جاگے ہیں خواب میں" عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ افسانہ "جاگے ہیں خواب میں" کا مرکزی کردار "کنول" کا ہے۔ جس کو اس کا شوہر اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے نفرت کرتا ہے۔ بات بات پر طنز کرتا ہے۔ مارتا اور پیٹتا ہے۔ حالانکہ سماج کے اندر عورتیں اپنی زندگی کا مکمل وجود مرد کے ساتھ ہی سمجھتی ہیں۔ اگر کوئی عورت شوہر سے علیحدہ ہو جائے تو اس کی ذات اور وجود کا ہی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں بھی اکیلی عورت کو مرد کے بغیر حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کہانی زاہدہ حنا کے وجود سے ذاتی تجربے کے نتیجے میں آتی ہے جسے دنیا میں اپنی شناخت اور جگہ بنانے کا بیان ہے۔ سماج کے اندر عورت کا وجود صرف مرد کے ساتھ ہی مکمل سمجھا جاتا ہے۔ مرد کے بغیر عورت اپنے وجود کو ناقص سمجھتی ہے۔ اکثر تو شوہر کو چھوڑ جانے کے بعد اپنے آپ کو کمرے کے اندر قید کر لیتی ہے۔ طلاق لینے کے بعد "کنول" اور بجھ گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ "کنول" نے نہر کے کنارے تک پہنچنا چاہا۔ راستے میں گرداب تھے۔۔۔۔۔

لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔تمہاری زبان سے حالات سننا چاہتے ہیں۔۔۔میں
کہیں نہیں جانا چاہتی۔کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔پلیز مجھے آرام کرنے دو۔[۲۳]

سماج کے اندر اگر کوئی عورت ذہین اور صلاحیت مند ہے،خود کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بجائےاس کی تما تر صلاحیتوں کو دبا دیا جاتا ہے۔معاشرے میں جب کوئی عورت ذہین،باصلاحیت یا ہنر مند ہوتی ہے تو اکثر اسے مکمل آزادی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع نہیں دیا جاتا اسے زیادہ سمجھدار،باغی یا غیر روایتی کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔عورت کی عقلی ذہانت اور جذباتی ذہانت کو اکثر مردوں کے مقابلے میں کم اہمیت دی جاتی ہے یا اسے صرف گھریلو دائرہ تک محدود کر دیا جاتا ہے۔عقلی ذہانت ایک شخص کی تجزیاتی، منطقی اور مسئلہ حل کرنے کی صلاحیتوں کی پیمائش کرتی ہے۔اگر ایک عورت میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں تو اسے ترقی کے بہتر مواقع ملنے چاہیئے تاکہ وہ معاشرے کی فلاح و بہبود میں کردار ادا کر سکیں۔لیکن اگر ایسی ذہین خواتین کو محض اس لیے دبا دیا جائے کہ وہ عورت ہے تو اس سے صرف ایک فرد کی ترقی کا نقصان ہے بلکہ اس سے پورے معاشرے کی ترقی رک جاتی ہے۔

سماج کے اندر عورتوں کی تخلیق کا مقصد صرف بچوں کی پیدائش سمجھا جاتا ہے۔سماج میں کم عمر شادی کا رواج عام ہے۔اکثر زبردستی شادی کسی بھی بچی کی کم عمری میں کر دی جاتی ہے۔اور اس کے نتائج عمر بھر اس کو بھگتنا پڑ جاتے ہیں۔معاشرے کو چاہیئے کہ عورت کی ذہانت کو دل سے تسلیم کرے،ان کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کے ایسے مواقع فراہم کرے جن سے وہ خود کو بہتر طور پر منوا سکیں۔ایک ذہین عورت صرف اپنا نہیں بلکہ اپنے خاندان اور پورے سماج کا مستقبل سنوارنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔عورت اگر تعلیمی میدان میں ترقی کر جائے تو پورے خاندان میں تبدیلی لے آتی ہے۔عورت کی ترقی سے پورے خاندان کی بہتری ہوتی ہے۔علاقے کی خواتین اس سے صحیح مستفید ہوتی ہیں۔عورتوں کے بہت سارے مسائل جلدی حل ہو جاتے ہیں۔بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں بروقت رہنمائی اور مشورے کی ضرورت ہوتی ہے ایسے میں اگر کوئی باصلاحیت خاتون سے مشورہ لیا جائے تو اس سے خاص کر خواتین کو بہت رہنمائی ملتی ہے۔وہ بلا جھجک اپنے مسائل پوچھ سکتی ہیں اور صحیح رہنمائی لے سکتی ہیں۔شوہر کی طرف سے زیادتی اور دوران حمل پیچیدگی کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔اس کی عکاسی زاہدہ حنا نے اپنے افسانے "نیند کا زرد لباس" میں کی ہے۔

ایک ہی گھر میں رہنے والے شوہر اور بیوی کی سوچ میں اتنا فرق کہاں ہے۔میں تو خوش بخت تھی اور اماں کی رضا سے میٹرک کیا۔سولہ سال لگنے سے پہلے ہی بیاہی دی گئی۔اور خوفزدہ لہجے میں بولی۔میری وجہ سے ہی مجھے اپنے شوہر سے کڑوے جملے سننا پڑتے ہیں۔[۲۴]

شادی پوری عمر کا ساتھ ہوتا ہے۔لڑکے اور لڑکی کی ذہنی ہم آہنگی اور ہم خیال بہت ضروری ہوتا ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو زندگی کا سفر محال ہونا شروع ہو جاتا ہے۔شادی ایک ایسا رشتہ ہے جو دو افراد کو صرف جسمانی یا قانونی طور پر نہیں بلکہ روحانی،ذہنی اور جذباتی طور پر بھی جوڑتا ہے۔یہ ایک طویل سفر ہوتا ہے جو عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ ہوتا ہے۔اس لیے اس رشتے کی بنیاد صرف ظاہری خوبصورتی،دولت یا رسم ورواج نہیں بلکہ ذہنی ہم آہنگی،باہمی احترام اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔اگر شوہر اور بیوی کے درمیان پسندیدگی نہ ہو تو زندگی کا سفر مشکل اور تلخ ہو جاتا ہے۔اختلاف بڑھنے لگتے ہیں۔چھوٹی باتیں بڑے جھگڑوں کا باعث بنتی ہیں اور ایک خوشحال زندگی بے سکونی میں بدل جاتی ہے۔شادی نہ صرف دو افراد کا اتحاد ہے بلکہ نئی نسل کی تربیت اور نشوونما کا ذریعہ بھی ہے۔ایک متوازن گھرانہ ہی صحت مند معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔عائلی رشتے معاشرے میں محبت،خلوص،ایثار اور اعتماد کی فضا قائم کرتے ہیں۔شادی انسان کو ذمہ داری اور قربانی کا درس دیتی ہے۔یہ انسان کو دوسروں کے لیے جینا سکھاتی ہے۔اگر شادی سے پہلے یا بعد میں ذہنی ہم آہنگی،پسندیدگی اور باہمی احترام کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ خوبصورت رشتہ بوجھ بن سکتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ شادی سے پہلے دونوں فریقین ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور جانیں،اپنی زندگی کے ساتھی کو صرف رسم یا مجبوری کے تحت نہ چنیں بلکہ سمجھداری،شعور اور دل سے قبول کریں۔

شعیب خالق نے اپنے افسانے "ڈور" کے اندر ایک ایسے کردار کی عائلی زندگی کی عکاسی کی ہے جن کی زندگی میں ناچاقی اور بے سکونی کی وجہ سے خوف کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔خوف ایک ایسا مسئلہ ہے جو عائلی زندگی کے مسائل میں دن بدن اضافہ کر رہا ہے۔خوف ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔یہ عائلی زندگی میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ کسی مشکل اور خطرے کا شکار ہوں۔شوہر کے ظلم سے خود کو چھپانے کی جب عورت کوشش کرتی ہے تو اسے متعدد مسائل کا سامنا کرنا

پڑتا ہے اس صورت میں وہ ماضی اور مستقبل کی تفتیش صورت حال میں مبتلا ہو جاتی ہے۔افسانے کی مرکزی کردار بھی ہمیشہ اداسی اور پریشانی کی باتیں کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔غیر معمولی بات کو بھی محسوس کر کے خوف اور ڈر کا شکار نظر آتی ہے۔کچھ ماضی میں گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچ سوچ کر خوف میں مبتلا ہو جاتی ہے اور وہ آنے والی زندگی میں بھی خوف سے چھٹکارا حاصل کر نہیں سکتی۔

> ہاں میرا ہدف وہ ڈور ہے جو دماغ کے پنے سے نکل رہی ہے۔جانتے ہو جب اس لیے پنے کی ڈور کے گنجل ٹوٹے تھے۔تو نام نہاد معتبر لوگ اپنا اپنا سرا لیے ایک دوسرے کے مخالف سمت میں اس گولے کے گرد ایسے چکر کاٹنے لگے تھے کہ ساری زمین ڈور کے بنائے ہوئے مختلف خانوں میں بٹ گئی تھی۔یوں عارضی خوشحالی احساسات آگے چل کر گھٹی ہوئی جائل سانسوں میں اڑس لیے گئے تھے۔مگر میں اب ان سانسوں سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں یا بہت آگے رہنا چاہتا ہوں۔ (۲۴)

سماج کے اندر مرد ہمیشہ عورت کو غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔عائلی زندگی کے آغاز کے بعد مرد سمجھتا ہے کہ عورت اس کی غلام بن گئی ہے۔وہ عورت نہیں بلکہ اس عورت کی حیثیت ایک شئے کی طرح ہے۔مرد کی مرضی کے بغیر وہ عورت سانس بھی نہیں لے سکتی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ عورت اس کا نام سنتے ہی خوف زدہ ہو جائے۔ڈور کی طرح عورت کی زندگی الجھی ہوئی ہے۔ شادی کے بعد مرد مکمل طور پر ایک عورت کو قید کر لیتا ہے۔اس عورت نے اپنے ماں باپ سے کب ملنا ہے۔اس کا فیصلہ بھی اسی نے کرنا ہے۔عائلی زندگی میں مرد اور عورت کی زندگی ڈور کی طرح الجھنوں کا شکار ہو جاتی ہے۔جسے سلجھانے کے چکر میں اور زیادہ الجھا دیاجاتا ہے۔اکثر عورتوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں والا سلوک کیا جاتا ہے۔گالم گلوچ اور مار پیٹ کو مرد اپنی شان سمجھتا ہے۔ بیوی کو جانوروں کی طرح مارا پیٹا جاتا ہے،ظلم وستم کیا جاتا ہے۔تمام ناانصافیوں کے باوجود بھی معاشرے کی نیک پروین سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ مرد کے ہر رویے کو خوشی خوشی اور خوش اسلوبی سے برداشت کرے۔اسی افسانے کی کردار جس کو شوہر جانوروں کی طرح مارتا پیٹتا ہے۔ اسے یہ تمام ظلم خاموشی سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔گھریلو زندگی میں مرد کی جانب سے عورت پر غلبہ

جمانا اور اس کی آزادی محدود کرنے کی کوشش کرنا بہت ناانصافی ہے۔اس مسئلے کو سمجھنے اور حل کرنے کے لیے مرد کی تربیت نہایت ضروری ہے۔عائلی زندگی میں مرد کی کردار سازی کے حوالے سے خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔مرد کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ عورت اس کی ملکیت نہیں بلکہ برابر کی انسان ہے جسے زندگی کے فیصلوں میں خود رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔شوہر اور بیوی کی زندگی شراکت داری پر مبنی ہے نہ کہ حکم چلانے اور غلام بنانے پر۔مرد کو برداشت، صبر نرمی اور گفتگو کے ذریعے مسائل حل کرنے کی تربیت دینی چاہیے۔عورت کی بات سننا،اس کی رائے لینا اور اگر اختلاف ہو تو عزت کے ساتھ اسے سنبھالنا سکھانا بہت ضروری ہے۔مرد کو ایسی حرکات وسلوک کا جائزہ لینے کی عادت ڈالنی چاہیے کہ کہیں وہ غیر شعوری طور پر زبردستی یا ظلم تو نہیں کر رہا۔معاشرے میں ایسے نظریات کو چیلنج کرنا ہو گا جو مرد کو غالب اور عورت کو تابع بنانے کے لیے غیر اخلاقی رویوں کو اپناتے ہیں۔اسکولوں، میڈیا، مذہبی خطبوں اور خاندانی نشستوں میں برابری اور باہمی احترام کی تعلیم ناگزیر ہے تاکہ عورت کو انسان سمجھا جائے،اس کی رائے کو اہمیت دی جائے اور اسے محض نکاح اور شادی کرنے کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنایا جائے۔بلکہ شادی سے پہلے اس کی تربیت کی جائے،اس کی نفسیاتی حالت کو بھی چیک کیا جائے کہ آیا وہ مرد گھر بسانے کے لیے ذہنی حوالے سے بھی بہتر ہے یا نہیں۔مردانگی کو سختی،غصے یا جبر سے نہ جوڑا جائے بلکہ حفاظت، محبت، قربانی اور سمجھداری سے جوڑا جائے۔اگر مرد کو شروع ہی سے یہ سکھایا جائے کہ عورت اس کی غلام نہیں بلکہ اس کا ساتھی ہے،ایک دوسرے سے بات کس طرح کرنی ہے، کس طرح سے ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے،بچوں کی تربیت میں کیسا رویہ اختیار کرنا ہے، کس طرح سے زندگی کے اس سفر کو مل کر چلانا ہے تو یقینی طور پر یہ رشتہ اور زندگی کامیاب کی منزل حاصل کرے گی۔

> پتا نہیں زندگی کے سفر میں ہی دو حصوں میں بٹا ہوں۔شاہد بعد میں بھی ایسا ہو۔لیکن کیوں نہ میں ڈور کے بچے کے اندر سرائیت کر جاؤں اور ڈور کی دھار پر رینگتا رینگتا اتنا گہرائی میں اتر جاؤں کہ پھر مجھے لگے کہ میں خود ڈور ہوں ۔یوں میں پھر آخری سرا اپنے اندر ہی کریدوں اور ادھیڑوں۔[۲۶]

سماج کے اندر زاہدہ حنا نے معاشرے کی حقیقی تصویر کو پیش کیا ہے۔کہ روایتی سماج میں ایک عورت اپنے شوہر کے ظلم وستم کو برداشت کرتی ہے۔شوہر اس کو مارتا،پیٹتا اور ظلم کا نشانہ

بناتا ہے۔ان تمام کے باوجود معاشرے کی تمام خواتین بحثیت بیوی اپنے شوہر کا بھرم رکھتی ہیں۔بعض اوقات طلاق کے ڈر سے اور بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے احتجاج نہیں کرتیں۔زاہدہ حنا نے عورت کی زندگی میں سمجھوتے کے اس رخ کو "منیجر کی بیوی" کے ذریعے پیش کیا ہے۔اس کا شوہر جائیداد کی خاطر اپنے سکے بھائی سے نہ صرف لڑتا ہے بلکہ اپنے بیوی بچوں کے منہ سے بھی نوالہ چھین کر وکیلوں کے پیسے بھرتا ہے۔

> دس سال سے وہ اپنے آبائی زمین کے جھگڑے میں سگے بھائی کے ساتھ مقدمہ لڑتے ہوئے بیوی بچوں کے منہ سے نوالے چھین چھین کر اپنے وکیل اور کچہری کے اخراجات کا پیٹ بھر رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں سوچوں کا زہر اور انگلیوں اور دانتوں پر کثرت سے کیے جانے والے فلیٹر کے سگریٹوں کا رنگ ایک جیسا دکھائی دیتا ہے۔ملازمت سے حاصل شدہ رقم اس کے بیوی بچوں کو مستقبل کے حوالے سے سہارا دینے کے لیے قاصر تھی۔(۲۷)

شوہر اور بیوی کا رشتہ اعتماد، محبت، برداشت اور شراکت سے جڑا ہوتا ہے۔دونوں کو ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہونا چاہئے۔مرد کو صبر برداشت اور شفقت کا دامن تھامنا چاہیے جبکہ عورت کو فہم وبصیرت کے ساتھ ساتھ مرد کا سہارا بننا چاہیے۔ایک متوازن، بااخلاق اور خوشحال گھرانہ ہی ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے سے محبت، عزت اور اعتبار سے پیش آنا چاہیے۔رشتے میں نرمی، برداشت اور ہمدردی ہونی چاہیے۔دونوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی بات توجہ سے سنیں۔ایک دوسرے کے مشورے کو اہمیت دیں۔زندگی کے فیصلے باہمی رضامندی سے ہوں۔نہ صرف الفاظ بلکہ لہجہ بھی نرم اور دل جو ہونا چاہئے۔مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا سہارا بننا، حوصلہ دینا اور عملی مدد کرنا لازم ہے۔ایک کا غم دوسرے کا غم ہونا چاہئے۔گھر کے کاموں میں مرد بھی عورت کا ہاتھ بٹائے اور عورت شوہر کی ذمہ داریوں میں فہم وفراست سے شریک ہو۔شوہر اور بیوی کا رشتہ محض قانونی یا معاشی بندھن نہیں بلکہ محبت قربانی اور شعور کے گہرے تعلق سے جڑا ہے۔اگر مرد نرمی، برداشت اور عزت کا مظاہرہ کرے اور عورت دانائی، محبت اور ساتھ دینے والا رویہ اپنائے تو عائلی زندگی نہ صرف خوشحال ہوتی ہے بلکہ وہ معاشرے کی اصلاح کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔

اکیسویں صدی کا اردو افسانہ صرف رومانی یا ماضی پرستی کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ یہ دور جدید کے زمینی

، حقیقی اور اجتماعی مسائل بھی بیان کرتا ہے۔ امیر اور غریب کا فرق شدت اختیار کر چکا ہے۔ افسانہ نگار اس معاشرتی ناہمواری کو کرداروں اور ان کے تجربات کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ عورت کی شناخت، آزادی، گھریلو تشدد، تیزاب گردی، کم عمری کی شادی جیسے موضوعات کو افسانوں میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نوجوان نسل کی تعلیمی، جدوجہد، ملازمت کی کمی، میرٹ کا قتل، سفارش و کرپشن جیسے مسائل کی جھلک افسانوں میں واضح نظر آتی ہے۔ ہجرت، شناخت، شہری تنہائی، دیہی معصومیت کا زوال بھی اکیسویں صدی کے افسانوں میں شامل ہیں۔ اکیسویں صدی میں انسان بظاہر ترقی یافتہ، مگر اندر سے تنہا، بکھرا اور الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اردو افسانہ ان داخلی الجھنوں کو بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے۔ فرد جدید سوسائٹی میں اپنے رشتوں، ٹیکنالوجی اور مصروفیت کے باوجود تنہائی جیسے مسائل سے جڑا ہے۔ زندگی میں مقصدیت کی کمی، ذہنی خلاء، بوریت اور وجودی سوالات جیسے مسائل نفسیاتی طور پر کرداروں کو جکڑ لیتے ہیں۔ دہشت گردی، معاشرتی دباؤ، مذہبی عدم برداشت جیسے حالات افراد کو نفسیاتی عدم توازن کی طرف دھکیلتے ہیں۔ نئی نسل میں اپنی شناخت کھونے کا خوف، مغربیت اور مقامی اقدار کے درمیان کشمکش افسانوں میں بیان ہوتی ہے۔ اکیسویں صدی کا اردو افسانہ محض قصہ گوئی نہیں، بلکہ انسانی سماجی اور نفسیاتی زندگی کا بھرپور عکاس ہے۔ سماجی مسائل جیسے غربت، صنفی امتیاز، طبقاتی فرق اور شہری زندگی کی پیچیدگیاں افسانوں کا مرکزی موضوع ہے۔ نفسیاتی پہلوؤں میں تنہائی، بت معنویت، شناخت کا بحران، ذہنی دباؤ اور خوف کو کرداروں کے ذریعے بڑی شدت سے پیش کیا گیا ہے۔ الغرض عائلی زندگی وہ سطح ہے جہاں فرد شعور، اخلاق اور فکری بیداری کے ساتھ جینے کی کوشش کرتا ہے۔ اردو افسانے میں عائلی زندگی کے تناظر میں سماجی ناانصافی، طبقاتی تقسیم، صنفی امتیاز جیسے مسائل کی عکاسی کی جاتی ہے۔ نفسیاتی سطح پر افسانے میں اندرونی کشمکش، تنہائی، بے مقصدی اور اضطراب کو گہرائی سے پیش کیا گیا ہے۔ فرد کی زندگی میں نفسیاتی الجھنیں اس کے رویے، تنہائی اور خودی کے بحران میں نمایاں ہوتی ہیں۔ سماجی دباؤ درد کی آزادی، شناخت اور زندگی کے فیصلوں پر اثر ڈالتا ہے۔ نفسیاتی مسائل فرد کی ذہنی کیفیت کو بھی متاثر کرتی ہے اور گھر کے تمام افراد پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سماج کے اندر غربت، بے روزگاری، کرپشن جیسے مسائل نفسیاتی مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ذہنی دباؤ، خوف، عدم تحفظ، تنہائی اور احساس کمتری جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مرد بعض اوقات اپنے جذبات کا بھی اظہار نہیں کر پاتے۔ تعلیمی شعور کی کمی کے باعث عورتیں اپنے مسائل کا حل پیروں کے پاس تلاش کرنا

شروع کر دیتی ہے کیونکہ شوہر ازواجی زندگی سے منسلک ہو جانے کے بعد بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھاتے نظر نہیں آتے۔ جس کی وجہ سے ساری ذمہ داری عورتوں پر عائد ہو جاتی ہے۔ گھر کی عورتوں کو یہی لگتا ہے کہ اس کے شوہر پر کسی تعویذ کا اثر ہو گیا ہے اور وہ گھر کی جانب توجہ مبذول نہیں کر پا رہا ہے۔

شادی کے بعد جہاں مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے وہاں عورت کا کردار بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ زندگی کا سفر اسی وقت خوبصورت ہو سکتا ہے جب شوہر اپنی بیوی کو وہ مقام اور عزت دیں جس کی وہ حق دار ہوں۔ اگر شوہر گھر کے اندر اس کی عزت نہیں کرتا گھر کے دیگر افراد بھی اس عورت کو وہ مقام نہیں دیتے جس کی وہ حق دار ہوتی ہے۔ لالچ اور حسد ایک ایسی چیزیں ہے جن پر نظر رکھی ہوں وہ تباہ ہو جاتے ہے۔ ازدواجی رشتوں میں بندھنے سے پہلے مرد جہیز کے حوالے شرط رکھ لیتے ہیں۔ شادی کے شروع میں ناچاکی کا عمل شروع ہوتا ہے اور معاملہ مار پیٹ تک پہنچ جاتا ہے جس کی وجہ سے حالات بہت خراب ہو جاتے ہیں۔ اور جہیز کے ساتھ ساتھ بعض مردوں کو ہر حال میں بیٹا چاہیے ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ عورت ماں بن جاتی ہے لیکن یہ بھی قدرت کی طرف سے عطا ہی ہوتی ہے اس کے ہاں بیٹا ہے یا بیٹی۔ لیکن مرد بعض اوقات تعیش میں آکر بیویوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد کھانے کے لیے کچھ نہیں دیا جاتا۔ الٹا گالی گلوچ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور شوہر جو ڈپریشن کا شکار رہنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر کار بے روزگار ہو جاتا ہے ۔ اوران کی زندگی فاقوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا قصوروار بھی اس بیٹی کی پیدائش کو مان لیا جاتا ہے۔ کچھ دنوں تک اثاثوں کو فروحت کر دیتی ہے۔ یہ ایک سماجی مسئلہ گہرا بھی ہو سکتا ہے اور معمولی بھی۔ سماجی مسئلے کا اثر خاندان کے تمام افراد کو متاثر کرتا ہے۔ جیسے کہ بے روزگاری کا اثر گھر کے تمام افراد کو متاثر کرتا ہے

حوالہ جات

۱۔ نیلوفر اقبال، افسانہ، بت، مشمولہ، سیاہ سونا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۲۱، ص، ۳۲،

۲۔ نیلوفر اقبال، سیاہ سونا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۳۳

۳۔ رشید امجد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸، ص ۱۰۳

۴۔ نیلوفر اقبال، سیاہ سونا سیاہ سونا، افسانہ، پھر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۴۴

۵۔ نیلوفر اقبال افسانہ، ڈیبار چر لاؤنج، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۵۰

۶۔ نیلوفر اقبال، سیاہ سونا سیاہ سونا، افسانہ، ڈیبار چر لاؤنج، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۵۳

۷۔ ایضاً، ص، ۵۵

۸۔ سیمیں درانی، آنول نال، افسانہ چھام چھاب، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ ص ۱۲

۹۔ سیمیں درانی، ایٹم گرل، مشمولہ آنول نال، ص ۳۵

۱۰۔ سیمیں درانی، مثلث، مشمولہ آنول نال، ص ۱۶۸

۱۱۔ سیمیں درانی، فیمنسٹ، مشمولہ آنول نال، ص ۱۶۹

۱۲۔ سیمیں درانی، فیمنسٹ، انول نال ص، ۹۸

۱۳۔ سیمیں درانی، فیمنسٹ، مشمولہ، آنول نال ص ۹

۱۴۔ سیمیں درانی، چندہ، مشمولہ، آنول نال، ص ۱۰۶

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ سیمیں درانی، اندھیری نگری، مشمولہ، آنول نال، ص ۳۴۱

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۱۸۔ سیمیں درانی، سجدہ، مشمولہ آنول نال، ص ۲۴

۱۹۔ زاہدہ حنا، رقص بسمل، افسانہ، آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء ص، ۲۰

۲۰۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ، رقص بسمل، ص ۲۳

۲۱۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ، رقص بسمل، ص ۳۹

۲۲۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ رقص بسمل، ص۱۶۷

۲۳۔ شعیب خالق، ڈور، مشمولہ، بے حرف لفظ، پرنٹ سٹائل، اسلام آباد، ۲۰۰۴، ص۵۴

۲۴۔ شعیب خالق، ڈور، مشمولہ، بے حرف لفظ، پرنٹ سٹائل، اسلام آباد ص۵۵

۲۵۔ شعیب خالق دوہرا زہر، مشمولہ بے حرف لفظ، ص۵۳

۲۶۔ شعیب خالق دوہرا زہر، مشمولہ بے حرف لفظ، ص۵۳

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ زاہدہ حنا، منیجر کی بیوی، مشمولہ رقص بسمل، ص۹۸

باب سوم

معاصر اردو افسانے میں بدلتی سماجی صورتحال میں عائلی زندگی کے مسائل

(معاشی و معاشرتی حوالے سے)

پاکستانی معاشرے میں عورت کی سماجی اور گھریلوں ذمہ داریوں، روزگار کی مجبوری، مالی مشکلات اور خاندانی نظام میں مشکلات کی عکاسی کی گئی ہے۔ عورت کی سماجی و معاشرتی حیثیت اور اس کی مسائل اور مختلف چیلنجز کی عکاسی کی گئی ہے خواتین کو نہ صرف بچوں اور گھر کی ذمہ داری نبھانا پڑتی ہے بلکہ معاشی مشکلات کی وجہ سے گھر سے لے کر باہر کے تمام امور نبھانے پڑتے ہیں۔ یہ دوہری ذمہ داری عورتوں کی ذہنی اور جسمانی دباؤ کا باعث بنتی ہے۔ خاص طور پر وہ خواتین جو مردوں کے ساتھ برابری کی سطح پر کام کرتی ہے۔ بدلتی سماجی صورتحال میں دیکھا جائے تو شہری زندگی میں بے پناہ چمک دمک اور آن بان ہوتی ہے۔ بدلتے دور میں سہولیات بہت زیادہ ہیں۔ شہروں میں میاں اور بیوی دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ میاں اور بیوی دونوں ایک دوسرے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بیمار یا معذور ہوتا ہے تو کفالت کی ذمہ داری دوسرا اپنے اوپر عائد کر لیتا ہے۔ گھروں کے اندر آرام اور آسائش کا رجحان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ مالی اعتبار سے بھی گھروں میں سکون ہوتا ہے۔ لیکن تمام سہولیات ہونے کے باوجود بھی عائلی نظام مسائل سے دوچار رہتا ہیں۔ یوں تو پوری دنیا میں عائلی نظام میں بیویاں جبر، امتیازی سلوک اور استحصال کا شکار ہیں۔ عموماً محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے والے عائلی خاندانوں کو ان مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتے ہیں

> اکیلا رہ جانے کا خوف ہو یا مستقبل کی غیر یقینی صورتحال، رشتے ٹوٹنے کا خوف ہو یا تنہائی کا۔ ان افسانوں میں خوف کی کیفیت اتنی حاوی ہے کہ ان افسانوں سے اس کیفیت کو نکال دیا جائے رو افسانہ اپنی توانائی کھو دیتا ہے۔ (۱)

پاکستانی معاشرے میں عام طور پر مرد کماتے ہیں۔ خواتین گھر کے کاموں تک خود کو محدود رکھتی ہیں عورتیں اپنی معاشی اور معاشرتی ضروریات کے لیے مردوں کی محتاج ہوتی ہیں۔ پاکستان میں خواتین کا براہ راست ملازمت میں حصہ لینا عام نہیں ہے۔ اگر خواتین حصہ لے بھی لیں تو ان کی کمائی پر مردوں کا اختیار ہوتا ہے۔ عموماً عائلی زندگی کے بنیادی مسائل میں خواتین کا مردوں پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شوہر کی

بے روزگاری، معذوری کی صورت میں یا شوہر کی وفات پر کمانے کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ خواتین کی گر ہستی کے معمول کی ذمہ داری کندھوں پر آپڑتی ہیں۔ بے ہنر خواتین اور ان پڑھ خواتین کو ڈھنگ کی ملازمت نہیں ملتی۔

عائلی زندگی اور پاکستانی اردو افسانہ کے موضوعات آپس میں گہرے جڑے ہوئے ہیں۔ اردو افسانوں میں عائلی زندگی کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے کہ نہ صرف تہذیبی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی حقیقتوں کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ ان کی پیچیدگیوں اور تنازعات کو بھی اجاگر کرتی ہیں۔ پاکستانی اردو افسانہ نگاروں کے افسانوں میں عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دیگر مسائل جیسے لڑائی جھگڑا، محبت کے شادی بیاہ، خاندان کے افراد کا سماجی اور اخلاقی دباؤ، بچوں کی پرورش کرنا۔ پاکستان اردو افسانہ نگار اپنے افسانوں میں عائلی زندگی کو مرکزی موضوع بناتے ہیں۔ افسانوں میں مشترکہ خاندانی نظام، ازدواجی زندگی، شوہر کے درمیان تعلقات اور بچوں کی تربیت کو مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح معاشرتی توقعات، روایات اور ذاتی خواہشات کے درمیان شادی کے بعد توازن قائم کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پاکستان اردو افسانہ نگاروں میں زاہدہ حنا، شعیب خالق، عثمان عالم، طاہرہ اقبال، مبین مرزا، نیلوفر اقبال شامل ہیں ان کی تخلیقات میں عائلی زندگی کے معاشی اور معاشرتی مسائل کو بڑی چابکدستی سے پیش کیا ہے۔

الف۔ مشترکہ خاندانی نظام اور ازدواجی زندگی

اکیسوی صدی کے افسانہ نگاروں نے عورتوں کے مسائل اور ان کے حق میں آواز بلند کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنی تحریروں میں گھریلو ماحول کی عکاسی اور مشترکہ خاندانی نظام اور ازدواجی زندگی پر قلم اٹھایا ہے ان میں ایک اہم نام زاہدہ حنا کا ہے۔ زاہدہ حنا کی کہانیوں میں عورتوں کا باطنی کرب، نازک کا احساس، ذہنی کیفیات اور خاندانی ذمہ داریوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ شادی کے بعد عورت بہت ساری ذمہ داریوں میں جکڑی جاتی ہے۔ بچوں اور خاوند کے ساتھ وہ گھر کے دیگر افراد کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانے گھریلو ماحول، مشترکہ خاندانی نظام کے جانے پہچانے کردار اور فنکارانہ برتاؤ اور عائلی زندگی کے پہلو تناظر میں سوالیہ نشان بن کر رہ جاتے ہیں۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں غریب گھرانوں کی لڑکیوں کی شادی کے مسئلے کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ زاہدہ حنا نے روزمرہ عائلی زندگی کے مسائل اور مشترکہ خاندانی نظام کی عکاسی کی گئی ہے۔ افسانہ "معدوم ابن معدوم" میں مشترکہ خاندانی نظام اور

ازدواجی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ افسانہ میں مرکزی کردار ایک میاں بیوی اور ان کا بیٹا ہے جو مشترکہ خاندانی نظام میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ والد کی اکثر اپنے بیٹے کے اوپر ناحق زبردستی اور سختی کرتا ہے۔ گھر کے کسی بھی معاملات میں اپنے بیٹے سے مشورہ نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے بھائی کے بیٹے کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان اختلافات بڑھنا شروع ہو جاتے ہے۔ وہ دل ہی دل میں باپ سے غداری کا سوچتا ہے۔ اس کی پھوپھو کراچی میں ہوتی ہے۔ وہ بہت وقت تو خاموشی سے گزار دیتا ہے لیکن ایک دن وہ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیتا ہے باپ کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کے وہ پھوپھو کے گھر چلا جاتا ہے۔

> کراچی اپنے پھوپھو کے پاس چلا گیا وہیں شادی کرلی بیوی جو ہر وقت اپنے بیٹے کی یاد میں تڑپتی رہتی ہے لیکن بے سود بیٹا نے کبھی مڑ کے بھی والدین کو نہیں دیکھا۔ ہر وقت سوچتا رہتا ہے کہ شاہد میں کبھی ان کی سگی اولاد ہی نہیں تھا۔ (۲)

زاہدہ حنا نے اس افسانے کے اندر مشترکہ خاندانی نظام کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کہ افسانہ کے مرکزی کردار "علی" نے اپنی زندگی کے اہم فیصلے میں اپنے خاندان کی توقعات اور روایات سے انحراف کیا جس کا اثر اس کے رشتہ داروں پر بھی پڑا۔ لیکن والدین اس کے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اس طرح کی عکاسی مبین مرزا نے اپنے افسانے "ریت کی دیوار" میں کی ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام اور ازدواجی زندگی کے مسائل براہ راست شادی کے بعد بیائی جانی والی عورت پر پڑتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار "حمیدہ" کا ہے۔ منشی نور محمد جس کے دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ حمیدہ اس کے بڑے بیٹے سے بیاہ دی جاتی ہے۔ مبین مرزا نے اپنے افسانے "ریت کی دیوار" میں مشترکہ خاندانی نظام کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ حمیدہ جیسی عورت جس کا شوہر اسے پہلی رات تمام بھاشن سنا دیتا ہے کہ گھر کی تمام ذمہ داری تم پر ہے۔ گھر والے تم سے خوش ہیں تو میں بھی تم سے خوش ہوں تو اس کے بعد حمیدہ بحیثیت بیوی شوہر کے ساتھ ساتھ اس کے گھر کے تمام کام کاج کی ذمہ داری اپنے کندھے پر اٹھالیتی ہے۔ حمیدہ شادی کر کے صرف ایک شوہر کے ساتھ آتی ہے لیکن گھر کے تمام معاملات اس کے کندھوں پر ہوتے ہیں۔ ساس کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ رات کو اس کے ساتھ جاگتی تھی۔ سسر کا خیال رکھنا بھی اس کی ذمہ داری بن گئی۔ گھر کے سارا دن کام کاج کے ساتھ نندوں کی خدمت کرنا بھی اس کی ہی ذمہ داری تھی۔ اسے تو اُف کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی کیونکہ اس کے شوہر نے اسے سمجھا دیا کہ اگر کسی دن اس نے گھر کے کسی کام سے انکار کیا تو وہ دن اس کا اس گھر میں

آخری ہو گا۔مارے خوف کے وہ چھپ چھاپ اپنی زندگی کے دن پورے کرنے لگی۔

حمیدہ اس گھر میں آئی تو ایک آدمی کی دلہن بن کر تھی لیکن کام اس کے ذمے پورے گھر کی دیکھ بھال کا تھا شوہر نے بھی سہاگ رات گھونگھٹ اٹھانے سے پہلے بھاشن دے دیا تھا دیکھو میرے لیے توے پر روٹی ڈال رکھی ہے اور اماں بابو جی پکاریں تو فوراً اٹھ کر چلی جانا یہ مت دیکھنا کہ روٹی جل جائے گی میں جلی روٹی کھالوں گا لیکن اماں اور بابو جی کا جی جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ دونوں چھوکریاں عمر میں زیادہ چھوٹی تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی تم ان سے نند بھاوج کا ٹنٹنا مت پال لینا۔۔۔ان کی دیکھ بھال اور شادی بیاہ ہماری ذمہ داری ہے۔[۳]

مشترکہ خاندانی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں خاندان کے افراد ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں مشترکہ خاندانی نظام میں شوہر کو اپنی بیوی، والدین، بہنوں، بھائیوں، اور دیگر رشتہ داریوں سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے۔ ماضی میں خاندان کے لوگ مل جل کر ایک ہی گھر میں رہتے تھے جہاں بزرگوں کی بہت عزت ہوتی تھی۔اور بچوں کی تربیت بہت بہتر انداز میں ہوتی تھی۔یہ نظام وقت کے ساتھ ساتھ زوال کا شکار ہوتا گیا ہر فرد کی ذمہ داری مشترکہ خاندانی نظام میں متعین ہوتی ہے۔زندگی کے مسائل ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ حل کیے جاتے ہیں۔ مصروفیات اور خود غرضی نے اس نظام کو متاثر کیا ہے۔ہر فرد کی زندگی مشترکہ خاندازنی نظام میں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہے۔ذاتی معاملات میں مداخلت بہت بڑھ جاتی ہے۔ایک چھت کے نیچے مختلف مزاج اور خیالات رکھنے والے افراد کا اکٹھے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں گھر کے چند افراد پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ گھر کے دیگر افراد ذمہ داریاں نہیں اٹھاتے ۔نا انصافی کا احساس پروان چڑھتا ہے۔

عائلی زندگی میں تنازعات اور پیچیدگیاں اور تناؤ پیدا ہوتے ہیں۔ شوہر اور بیوی دونوں کو مشترکہ خاندان میں رہتے ہوئے مالی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریوں کا سامنا ہوتا ہے اس کا اثر ان کی عائلی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔افسانہ "ریت کی دیوار" میں حمیدہ کا شوہر جو گھر میں مالی ذمہ داریوں کا بوجھ تو اٹھا لیتا ہے اور گھر کی تمام ذمہ داریوں کا بوجھ حمیدہ کے کندوں پر ڈال دیتا ہے۔وہ فوج میں ملازمت کرتا تھا۔ اور کبھی کبھار سال میں دو تین مرتبہ گھر کا چکر لگالیتا تھا اور حمیدہ کے ہاں اوپر نیچے تین بچے پیدا ہوئے تو اس کی ساس شادی کے ساتھ ہی بستر پر لیٹ گئی اور گھر کا کوئی کام نہیں کیا۔وہ اپنی ساس کا وہ اپنے بچوں کی طرح

خیال رکھتی ہے۔

> نندوں کا ہی نہیں اس نے اپنی ساس کا بھی ایسے خیال رکھا جیسے اپنے بچوں کا رکھتی ہے۔پہلے تو اسے ساس کے کارن حمیدہ کو جاگنا پڑتا لیکن اب اسے ایک اور بہانا مل گیا۔ بچہ ذرا سا سیانا ہوا تو تب دوسری روح نے تیاری کر دی۔۔۔۔ ساس کی آنکھیں بند ہونے کے بعد جوان نندوں کا کا خیال آیا اور جب نندیں اپنی گھر کی ہوئیں تو یہ تیسری اولاد۔۔۔ساس کی بیماری اور شوہر کا انتظار اور پھر بچوں کی دیکھ بھال۔(۴)

مشترکہ خاندانی نظام میں اکثر بہو پر گھر کی تمام ذمہ داریاں عائد کر دی جاتی ہے۔حمیدہ ایک محنتی بہو اور بیوی ہے زاہدہ حنا نے اپنے افسانے میں عائلی زندگی کے اندر عورت کے کردار کی عکاسی کی ہے حمیدہ نہ صرف ساس کا بلکہ اپنی نندوں کا بھی ایسے خیال کرتی جیسے بچوں کا رکھتی ہے غیر محسوس انداز میں عورت کو گھر کی ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے۔چاہیے وہ ساس ہو، بچے ہوں یا نند۔افسانے کی مرکزی کردار حمیدہ کو ابتدا میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وقت جیسے جیسے گزرتا ہے ساس کی بیماری اور بڑھاپے کے ساتھ ساتھ حمیدہ کو ان کی خدمت کا ایک اور فریضہ مل جاتا ہے وہ سارا دن ان کی خدمت میں وقت گزارتی اور گھر کے ساتھ ساتھ تمام امور کی بھی ذمہ داری اس پر ہی سونپ دی گئی تھی۔وہ ایک مشین بن کے رہ گئی۔ساس کی وفات کے بعد جوان نندوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ تھی یہ سب ذمہ داریاں حمیدہ کو گھریلو زندگی میں الجھائے رکھتی ہیں۔

عائلی خاندان میں جہاں صحت کے مسائل عورتوں میں کثرت اولاد سے پیدا ہوتے ہیں تو دوسری طرف بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داریاں بھی کافی تھکا دیتے ہیں۔بچوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ اگر گھر کے تمام کاموں کی ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر پڑیں تو اس کی زندگی ایک عذاب مسلسل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔اپنے حالات اور وسائل کے پیش نظر آتے ہیں جب ضروریات میں عدم مطابقت اور وسائل جب حد سے تجاوز کر جاتے ہے تو انسان شرف انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے۔کہ اپنے ہی بچوں پر توجہ ہٹ جاتی ہے۔مبین مرزا نے افسانہ "ریت کی دیوار" میں مشترکہ خاندانی نظام اور عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام کے حوالے سے طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "تپینا" میں خاندانی نظام کے حوالے سے عکاسی کی ہے۔افسانہ "تپینا" میں مرکزی کردار "سانوال" کا ہے جو کہ ماہی جنت کا بیٹا ہے۔ماہی

جنت اپنے بیٹے کو سہرہ پہنانے کے لیے بڑی بے تاب تھی۔ بہت تگ و دو کے بعد اس کی آخر کار زینب سے شادی کروا دی جاتی ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے اثرات براہ راست عائلی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی عکاسی طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے کے اندر ساس اور بہو کی لڑائی کے ذریعے کی ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں ایک ساس جو ہمیشہ خود کو گھر کا سربراہ ہی سمجھتی ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے بیٹے کو بیوی کا تابعدار نہیں دیکھ سکتی۔ شادی کے بعد جب وہ دیکھتی ہے کہ گھر کے تمام امور زینب نے سنبھال لیے ہیں تو وہ دل ہی دل میں اس کے لیے نفرت پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور ٹھان لیتی ہے کہ وہ ہر حال میں اسے گھر سے نکال باہر پھینکے گی۔ ایک دن جب سانول جب ملازمت سے گھر واپس آتا ہے۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ زینب اور اس کی ماں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ ماں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رونا دھونا شروع کر دیتی ہے کہ اسے ہر حال میں طلاق دو اور گھر سے باہر نکال دو۔ عائلی زندگی میں عورت خود مختاری کے نام پر مرد سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی اور نہ ہی نکل کر مردوں کے خلاف اپنی برتری ثابت کرنا چاہتی ہے۔ ایک بیوی جانتی ہے کہ اس کا وجود شوہر کے بغیر ایک بنجر کھیتی کی طرح ہے۔ سانول جب اپنی ماں کو روتے ہوئے دیکھتا ہے تو شدید غصے میں ہو جاتا ہے وہ اپنی بیوی سے معالات کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا بلکہ جو آئینہ اس کی ماں اس کو دکھاتی ہے وہ اس کو مان لیتا ہے۔ بیوی کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ سانوال کو یہ بات معلوم تھی کہ زینب کیسی لڑکی ہے۔ کیونکہ زینب جس دن بیاہ کر آئی تھی اس نے اف کیے بغیر گھر کے سارے امور سرانجام دیے ۔ وہ شوہر کے پاؤں دھو کر پانی پیتی تھی کہ اس کا شوہر اس کا مجازی خدا ہے لیکن شوہر ان تمام صورتحال کا بھرم تک نہیں رکھ سکا اور اسے بہت مارا حتی کہ اس کے منہ سے خون نکل پڑا۔ پاس کھڑی ساس صرف تماشا دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں خوش ہوتی رہی کہ اب بہت جلد اس سے جان چھوٹ جائے گی۔

> سانول دیکھ رہے ہو اس کی زبان کس طرح قینچی کی طرح چل رہی ہے سانول نے کندھے سے اٹھا کر پرے پھینکی زینب اس ناروا سلوک پر لب وائی کرنا چاہتی تھی لیکن سانول نے اسے موقع نہیں دیا اسے بالوں سے گھسیٹا گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی وہ اسے یوں پیٹ رہا تھا جیسے فرش کے روڑوں کو درموٹ سے کوٹ رہا ہے۔۔۔ آج اپنی ماں کی حسرت پورا کر اور کم ذات کے سینے میں ٹھنڈ ڈال دے۔ اور اسے طلاق دے کر ادھر سے رخصت کر دے۔(۵)

عورت کی ازواجی زندگی کے اس پہلو کی عکاسی کی گئی ہے جو پردے کے پیچھے اکثر رہ جاتی ہے۔ بے

قدری، تشدد اور ذلت، اس افسانے میں سانول کا کردار ایک ایسا مرد کردار ہے جو اپنی بیوی پر ذہنی، جسمانی اور جذباتی تشدد بھی کرتا ہے۔ وہ صرف معافی مانگتی ہے وہ اسے بہانہ بنا کر اور خاموش کروانے کے لیے مار پیٹ کی نوبت تک آجاتا ہے۔ سانول اسے بالوں سے گھسیٹتا اور لاتوں کی بارش شروع کر دیتا ہے۔ سانول کی ماں سانول کے جذبات کو مزید بڑھکاتی ہے۔ عائلی مسائل میں مرد کے ساتھ ساتھ اس کا سماجی پس منظر اور خاندان بھی عورت کی تذلیل کا باعث بنتا ہے۔ عورت ذات خاندانی انا، مرد کے غرور اور جھوٹی مردانگی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ طاہرہ اقبال نے اس افسانے میں اس دردناک حقیقت کی عکاسی کی ہے بعض عورتوں کی زندگی شادی کے بعد زوال پذیری، غیر انسانی سلوک اور ظلم کا شکار بن جاتی ہے عائلی نظام میں جہاں عورت کے لیے تحفظ، عزت اور محبت کا ذریعہ ہونا چاہیے وہی وہ گھر عورت کے لیے تشدد۔ قید خانہ اور تذلیل کا مرکز بن جاتا ہے۔

عائلی زندگی میں اس وقت راحت اور حسن پیدا ہوتا ہے جب عائلی زندگی میں مسائل نہ ہوں۔ لیکن اگر اس رشتے کے کردار میں کراہٹ، نفرت، ناچاقی اور علیحدگی کا عضو آجائے تو بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ عورت مالی حیثیت سے شوہر سے کم تر ہو، لاچار اور بے بسی کی وجہ سے شوہر کے ناروا سلوک کو برداشت کر لیتی ہے۔ جس طرح مرد کو عورت کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایک عورت بھی مرد کے سہارے کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اسی طرح کی عکاسی "تپینا" افسانے میں زینب کی ذریعے کی گئی ہے کہ جو شوہر کی مار پیٹ اور لڑائی خاموشی سے سہہ جاتی ہے۔ وہ شوہر کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مشترکہ خاندانی نظام میں ماں اکثر بیٹے کو اپنی طرف مائل رکھتی ہے وہ بیٹے کی محبت کو بانٹنے سے اور تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی۔ وہ خود ہی ٹھان لیتی ہے کہ وہ ہر حال میں اس کو گھر سے باہر نکلوائے گی۔ وہ بیٹے کی محبت کو تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ جب زینب اور سانول کی لڑائی ہوتی ہے تو مائی جنت کو بہت خوشی ہوتی ہے کہ اب یہ اس گھر سے نکل جائے گی اسی وجہ سے وہ بار بار بیٹے پر دباؤ ڈالتی ہے کہ اس کلموئی کو طلاق دے دیں تاکہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ مائی جنت کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے آنے کے بعد اس کے گھر کے اختیارات ختم ہو رہے ہیں اور وہ بے داخل کر دی جائے گی۔ وہ اس ڈر سے بہو کو گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ جب سانول کو غصے کی حالت میں دیکھا تو وہ بہت زیادہ خوش ہو گئی اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور سانول پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ اسے ہر حال میں طلاق دیں

ماہی جنت بار بار بیٹے کے اوپر دباؤ ڈالنا شروع کرتی ہے بیوی اور ماں کے درمیان لڑائی میں یک طرفہ کسی ایک کا ساتھ دے۔ آج اس کلموئی کو طلاق دے کر اپنی ماں کی حسرت پورا کر دے اور اس کم ذات کے سینے میں بھی ٹھنڈ ڈال دے۔ (۶)

خوف اور بے بسی کی فضا افسانہ "تیپنا" میں پائی جاتی ہے۔ نام سے بے نام ہونے کا خوف کہانی کا کردار آگے بڑھنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ کہانی کی مرکزی کردار زینب بے نام ہونے کے خوف کی وجہ سے چپ چاپ مار سہہ جاتی ہے۔ معاشرے کے اندر عورت اور مرد آزادانہ طور پر اپنی زندگی گزارنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ عورت شوہر سے ہی اپنے وجود کا تحفظ محسوس کرتی ہے۔ مرد کے سہارے کے بغیر عورت اپنی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ عورت کو زندگی گزارنے کے لیے مرد کی ضرورت ہوتی ہیں۔ جدید دور کے اندر بھی عورت کو سب سے سنگین مسئلہ خانگی زندگی میں درپیش ہے۔ طلاق کا مسئلہ معاشرے کر اندر پروان چڑھ چکا ہے۔ معمولی سی معمولی بات برداشت کرنے کی ہمت مردوں کے اندر نہیں ہوتی۔ اس افسانے کی مرکزی کردار زینب کو بھی سانول جب مار پیٹ کا نشانہ بناتا ہے تو اسی وجہ سے خاموش ہو جاتی ہے کہ اگر اس نے اس کو چھوڑ دیا تو اس کے نام کی پہچان ختم ہو جائے گی۔ اس کا وجود کی کیا حیثیت رہ جائے گی اور اس کی شناخت چھین جائے گی۔ طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "تیپنا" میں عورت کے خوف اور پہچان جیسے رویے کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے اور عورت کے دلی جذبات، کیفیات، اور محسوسات کو بڑے متاثر کن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ایک بیوی اپنے آپ کو شوہر کے ساتھ ہی محفوظ سمجھی جاتی ہے۔ شوہر کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اگر کسی وجہ سے ایک عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب اس کے وجود کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

وہ مرد کے سہارے کی محتاج ہے بغیر خاوند کے وہ بالکل صفر بن جاتی ہے، غرض یہ کہ ہر لحاظ سے اسے مقابلتاً مرد سے، کمزور قرار دیا جاتا ہے۔ وہ مرد کے برابر نہیں اور اسے زیادہ سے زیادہ جو درجہ مل سکتا ہے وہ نصف بہتر کا ہے۔ (۷)

پاکستان کے جدید معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ اکثر اوقات مرد خود کو حاکم سمجھتا ہے۔ گھر میں مرد کی حیثیت ایک حکمران کے طرح ہوتی ہے۔ کہ حکمران اپنی رعایا کے لیے جب بھی کوئی فیصلہ کرتا ہے تو خاموشی کے ساتھ رعایا اس کو مان لیتی ہے۔ احتجاج کرنے کا حق اور ان فیصلوں کے خلاف بغاوت کرنے کا بھی حق نہیں رکھتی۔ اگر کوئی رعایا ان فیصلوں کے خلاف احتجاج کرے تو اسے نام سے بے نام ہونے کا سفر طے کرنا پڑتا

ہے۔ زینب بے نام ہونے کے ڈر سے چپ چاپ سانوال کی مار کھاتی ہے۔ زینب جیسی خاتوین چھپ چھاپ سماجی دباؤ کی وجہ سے، طلاق کے خوف کی وجہ سے تشدد برداشت کرتی ہے۔ وہ جسمانی اذیت اور جذباتی رویہ جھیل لیتی ہے۔ یہ رویہ ان کے نفسیاتی اور روحانی پہلو کو متاثر کرتی ہے۔ اکبر ایس احمد لکھتے ہیں:

> پاکستانی معاشرہ پیچیدہ بھی ہے اور متنوع بھی۔ پاکستانی معاشرے میں مردانگی اور عزت ہے۔ نسل مرد سے چلتی ہے۔ شادی کے بعد تو طن جدی ہوتا ہے۔ روایتی معاشرے میں مرد کی عزت کا اس کی عورت سے گہرا تعلق ہے اور اس کی خدمت اور اس کے موقف سے وفاداری عورتوں کا مقصد حیات ہے۔(۸)

زینب کو بیاہ کے وقت اس کے گھر والے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ہر حال میں گھر کو قائم رکھیں۔ جب زینب کو مارا پیٹا جاتا ہے وہ مار کھاتے ہوئے اور ظلم سہتے ہوئے خود کو بے بس سمجھتی ہے۔ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ معاشی طور پر وہ خود کفیل نہیں تھی وہ معاشی طور پر اپنے خاندان یا شوہر پر انحصار کرتی ہے زینب کو خوف ہوتا ہے کہ علیحدگی کی صورت میں بچوں کا خرچ کیسے برداشت کرے گی۔

ب: جدید زندگی کے تصورات اور انسان تشخص کے مسائل

جدید معاشرے میں عائلی زندگی کے اندر ایک مسئلہ انسانی تشخص کا درپیش ہے جو عورت کو عدم تحفظ، خوف اور نفسیاتی کشمکش میں مبتلا کر رہا ہے۔ شادی کے بعد بہت سی عورتیں خوف میں مبتلا رہتی ہیں انسانی تشخص کے مسائل کی عکاسی طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "اسیر ان ذات" میں کی ہے۔ اردو افسانوں میں عائلی زندگی کے اس موضوع پر قاہرئین کی توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔ طاہرہ اقبال کے افسانوں میں ایسے کردار ملتے ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شادی کے بعد وہ خود کو عدم تحفظ میں مبتلا سمجھتی ہیں۔ یہ کردار نومی کا ہے۔ وہ کم عمر لڑکی جس کی شادی ایک بڑے عمر کے چچار حمن سے کر دی جاتی ہے نومی جو ہر وقت اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہتی ہے اس نے دولت کی خاطر شادی تو کر لی لیکن ان دونوں کے درمیان کبھی بھی ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی۔

> نومی کم عمر اور انفرادیت پسند لڑکی ہے اس کا نام نعیمہ ہے۔۔ وہ چاند کی چودھویں رات تھی اور چاند فراخ دل سے نایا نہال لوٹا رہا تھا۔ رحمن دیکھو کتنی خوبصورت رات ہے آؤ

باہر چلیں آنکھیں تو کھولو۔ رحمن خدا کے لیے کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ آؤ۔
رحمن چچا کی تلخ آواز سنائی دی میں سولہ گھنٹے متواتر کام کرتا ہوں جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے صبح
سویرے پھر اٹھنا ہے۔ سونے نہیں دو گی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔(۹)

اس پیراگراف میں "نومی" ایک ایسی عورت کی تصویر کشی کی گئی ہے جو سماج کے سامنے تو شادی شدہ زندگی گزار تو رہی ہے لیکن اندرونی طور پر تنہائی اور جذباتی دوری کا شکار ہے۔ نومی سماجی دباؤ اور دولت کی خاطر شادی تو کر لیتی ہے لیکن وہ شوہر کی توجہ اور محبت سے محروم ہو جاتی ہے۔ سارا دن اکیلے گھر میں وقت گزاری کرتی رہتی اور شوہر کا انتظار کرتی رہتی لیکن شوہر کے پاس اس کے لیے ایک لمحہ بھی نہ ہوتا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ دو منٹ بات کر سکے۔ کیونکہ نومی کا گھر والا ایک بزنس مین تھا۔ شوہر کے موجودگی کے باوجود وہ اکیلے پن محسوس کرتی ہے جو اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ رشتے نکاح کی بنیاد پر مضبوط نہیں ہوتے۔ بلکہ ذہنی اور جذباتی ربط بھی ضروری ہے۔

میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کا روحانی، جذباتی اور ذہنی ہم سفر بننا چاہیے۔ ورنہ شادی شدہ زندگی کی ایک رسمی بندھن بن جاتی ہے۔ نومی کی شادی شدہ زندگی روحانی ہم آہنگی، توازن اور فہم کی عدم شکار نظر آتی ہے۔ بظاہر تو وہ ایک آرام دہ زندگی گزار رہی ہوتی ہے جیسے نوکر، بڑا گھر اور گاڑی وغیرہ۔ لیکن جذباتی قربت اس کی ازواجی زندگی میں نہیں ہے۔ شوہر کے پاس بیوی کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا وہ اس سے کوئی بات نہیں کرتا ہے نہ ہی اس کی کسی ضروریات کا خیال کرتا ہے۔ نومی چپ چاپ ہر رات کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہتی ہے، دل میں خلا لیے۔ یہ خلا اس کی اندرونی تنہائی اور جذباتی پیاس کو بڑھا دیتی ہے اسے محسوس ہوتا ہے اس کی زندگی ایک قیدی کی طرح ہو گئی ہے جس کے پاس سب کچھ ہے لیکن روحانی اور آزادی کا سکون نہیں ہے۔ دراصل طاہرہ اقبال نے جدید زندگی کے تصورات اور انسانی تشخص کے مسائل کو علامتی انداز میں پیش کر کے ایک عورت کے جذبات، دلی کیفیات کو بڑے متاثر کن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ آج بھی عورت اپنے بہتر مستقبل کے لیے ایک بڑی عمر کے مرد کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد شوہر کی محبت اور توجہ نہ ملنے کی صورت میں وہ ذہنی اذیت کا شکار ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں۔

وہ مرد کے سہارے کی محتاج ہے۔ بغیر خاوند کے وہ بلکل صفر بن جاتی ہے۔ غرض یہ کہ
ہر لحاظ سے اسے مقابلتاً مرد سے کمزور کردار دیا جاتا ہے۔ وہ مرد کے برابر نہیں اور اسے

زیادہ سے زیادہ وہ درجہ مل سکتا ہے وہ بہتر کا ہے۔(۱۰)

انسانی تشخص کے مسائل کی عکاسی طاہر اقبال نے اپنے افسانے "شب خون" میں کی ہے۔ معاشرے کے اندر آج بھی ایک مسئلہ درپیش ہے کہ اکثر مردوں کا جب اپنی بیوی سے جی بھر جاتا ہے تو وہ دوسری شادیوں کے چکر میں ہو جاتے ہیں۔ رابعہ کی ماں ہر وقت خود کو سنگھار میز کے سامنے سجاتی رہتی ہے تاکہ اس کا شوہر اس کے قبضے میں رہے۔ رابعہ کی ماں کو اس بات کا احساس ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ جب بھی شوہر بیوی سے جذباتی دوری یا اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ تو ان تمام باتوں کا حل وہ دوسری شادی کو سمجھنے لگتا ہے طاہرہ اقبال نے اس افسانے میں اس بات کی عکاسی کی ہے کہ عائلی زندگی میں عورت کی وفاداری، عزت اور فکری ہم آہنگی کو نظر انداز کر کے اس کے ظاہری حسن اور دلکشی کو فوقیت دی جاتی ہے۔

طاہرہ اقبال نے دوسری شادی کے مسئلے پر ایک گہرا نفسیاتی اور سماجی تجزیہ پیش کیا ہے۔ افسانہ "شب خون" میں عورت کی وفا، قربانی اور خلوص کی عکاسی کی گی ہے۔ عورت جب نکاح کے بندھن میں بند جاتی ہے تو وہ اسے مکمل طور پر اپنا مان لیتی ہے دھوکہ اور بے وفائی کو دوسری شادی کے مترادف محسوس کرتی ہے۔ دوسری عورت کو قبول کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو وہ شوہر کی مار پیٹ اسی وجہ سے سہہ بھی جاتی ہیں کہ کہیں اسے سوکھن جیسا ظلم نہ برداشت کرنا پڑے۔

شب خون میں مرکزی کردار بھی اپنی ازواجی زندگی کو اپنی پہچان، اپنی وقار اور عزت سے جوڑ لیتی ہے جو خود کو ہر وقت شیشے کے سامنے بٹھائے رکھتی ہے۔ وہ شوہر کے لیے تیار رہتی ہے تاکہ اس کے شوہر کی نظر کہیں اور نہ جائے۔ اسے اچھے طریقے سے معلوم تھا کہ جب شوہر دوسری شادی کر لیتا ہے تو ایک بیوی کی اپنی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری شادی کا اثر نہ صرف بیوی پر پڑتا ہے بلکہ اس کی اولاد بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ جب ایک ماں ذہنی تناؤ کا شکار ہوتی ہے تو ماں کے ساتھ ساتھ بچے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور اندرونی کشمکش کی وجہ سے عورت احساس محرومی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ رابعہ کی ماں بھی اس کے والد کے گھر آنے کا ہفتہ ہفتہ انتظار کرتی رہتی۔ کیونکہ وہ ایک زبردست قسم کا عاشق مزاج آدمی تھا۔ بیگم ہر لمحے یہی کشمکش میں مبتلا رہتی کہ کہیں اس کا شوہر اس سے دور نہ ہو جائے وہ بہت پریشان رہتی لیکن اس ڈر کو وہ کسی اور کے سامنے عیاں نہ کرتی وہ ہمیشہ اپنے ذہن سے ہی سوال وجواب کرتی رہتی۔

رابعہ کی ماں اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے بیٹھی سنگھار میں مصروف تھی آج

شہباز خان ہفتے بعد گھر آرہا تھا جو ذبردست ستم کا عاشق مزاج آدمی تھا اور ثریا بیگم کو ہر
لمحے سے اپنے قابو میں کرنے کے لیے ہر جتن کرنا پڑتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد
صرف اور صرف شہباز خان کا جی بہلانا تھا۔(۱۱)

افسانہ "شب خون" میں عائلی زندگی کے حوالے سے افسانے کی مرکزی کردار ایک ایسی عورت ہے جو اگر اپنی انا کو ختم کر کے خود کو مرد کے حوالے کر دے تو وہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ مگر جہاں عورت اپنی انا چاہتی ہو اور اپنی پہچان کو عزیز رکھنا چاہتی ہو وہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیتی ہے۔ جدید معاشرے میں بھی شوہروں کی حیثیت ہے۔ شوہر ہی معاشرے میں اپنی پہچان برقرار رکھ سکتا ہے۔ زاہدہ حنا کا افسانہ "برہر سو رقص بسمل بود" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں زاہدہ حنا نے روزمرہ زندگی میں پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ زاہدہ حنا، شعیب خالق، خالد فتح محمد موضوعات کو عام زندگی سے چنتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں عائلی نظام، عائلی زندگی کے مسائل اور توہم پرستی کی شکار خواتین کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔

خواتین تعلیمی شعور کی کمی کے باعث توہم پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ پاکستانی معاشرے کے اندر جادو ٹونہ اور پیر مریدوں کا رواج ہے تعلیمی شعور کی کمی کے باعث شادی کے بعد بعض خواتین اپنے مسائل کا حل پیر فقیروں اور عامل حضرات میں تلاش کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا کے افسانوں کی عورت کوفت اور توہم پرستی سے دو چار نظر آتی ہے۔ زاہدہ حنا کا افسانہ "باہر سو رقص بسمل بود" ایک شاہکار افسانہ ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار "ماں" کا ہے۔ جو تعلیم شعور کی کمی کے باعث اپنے مسائل کا حل پیر مریدوں میں تلاش کرتی ہیں۔ پاکستانی معاشرے کے اندر پیروں پر اندھا یقین ایک سنگین مسئلہ ہے۔ جعلی پیروں کے ہاتھوں کچے ایمان کے پڑھے لکھے لوگ بھی اذیت ناک تکلیف اٹھاتے ہیں اور اف تک بھی نہیں کرتے اکثر اوقات ان پڑھ پیروں کے ہاتھوں اپنی جانیں تک گنواہ دیتے ہیں۔ تعلیمی شعور کی کمی کے باعث شعور سے کام نہیں لیا جاتا۔ جعلی پیر روایتی معاشرے میں درندروں کے طرح لوگوں کی جانوں سے کھیل جاتے ہیں۔ شادی شدہ خواتین اپنے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے پیروں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔ اسی کو سچ مانتی ہیں جو پیر کہتے ہیں پیروں پر اپنی ساری جمع پونجی اکثر اوقات نچھاور کر دیتی ہیں۔ گھریلو آزمائش، اولاد نہ ہونے کا خوف اور گھر سے نکال دیئے جانے کا خوف ایسی صورت حال ہیں جو خواتین کو پیروں کے پاس جانے کو مجبور کرتی ہیں۔ اور جو امور بھی پیر ان سے انجام دینا چاہتے ہیں دے سکتے ہیں۔ دیہاتوں میں جو شخص یا عورتیں کسی پیر کے مرید نہ

ہوں تو اسے برا سمجھا جاتا ہے۔ کئی لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی کسی پیر کا مرید ہو گا اس کا ایمان محفوظ ہو گا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ انسان پرہیز گار متقی اسی صورت بن سکتا ہے جب وہ کسی بھی پیر کا مرید ہوتا ہے۔ جعلی پیروں کی اصطلاح پاکستان میں ایک ایسے شخص کی ہے جو طاقت کا دعویدار اور کرشمہ ساز ہو اور دین اسلام سے کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق جوڑتے ہیں۔ بعض دیہاتوں کی جائل عورتیں اور توہم پرستوں کی کثیر تعداد نام نہاد پیروں کو اللہ کا ولی سمجھتے ہوئے ان کی مرید ہو جاتی ہیں۔ تعویز گنڈھوں کے ذریعے جعلی پیر کاروبار بھی کرتے ہیں اور خواتین کو بتاتے ہیں کہ ان پر ان کی اولاد پر اور ان کے شوہر پر کسی جنات کا سایہ ہو گیا ہے۔ اور وہ جنات کے علم پر عبور رکھتے ہوئے جنات سے چھٹکارا دلوا سکتے ہیں۔ جائل عورتوں کے ذہن میں قرآن مجید میں مذکور حضرت سلیمان علیہ اسلام اور جنات کے تذکروں کو اندھی تقلید اور پیروں سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زاہدہ حنا نے اپنے افسانے "باہر سور قص بسمل بود" میں پیر مریدی کے مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار "ماں" کا ہے جو اپنے بیٹے کی وجہ سے ماں بہت پریشان رہتی ہے۔

> ماہیں بیٹوں کے قریب ہونے کی دعائیں کرتی ہیں اور وہ مصلے پر سر رکھ کر اس کی خیریت سے واپسی کی دعائیں کر رہی تھیں ایک ہی بیٹا تھا اور انہوں نے اس کے باہر چلے جانے پر بھی کیسی کیسی دعائیں نہیں کی تھیں لیکن بلاخر پیر صاحب کا تعویز ہی کام آیا اور اگلے دن ہی بیٹا باہر چلا گیا۔(۱۲)

زاہدہ حنا نے روز مرہ زندگی میں پیچیدہ مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں روایتی اور عائلی نظام کی عکاسی افسانہ "سلیم سنگھ" میں کی ہے جو تعلیمی شعور کی کمی کے باعث توہم پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کے اندر بے اولادگی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ کوئی بھی خواتین اپنے آپ کو اولاد کے بغیر مکمل نہیں سمجھتی۔ اولاد بہت بڑی نعمت ہے۔ عائلی زندگی کے اندر خوشگوار تعلقات کی مرکزی حیثیت ہے میاں بیوی کے درمیان تعلقات اولاد کی وجہ سے اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اگر اولاد نہ ہو تو معاشرے کے اندر قصور وار صرف عورت کو سمجھا جاتا ہے۔ حتی کہ عورت کو گھر سے بے گھر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ معاشرے کے اندر عورتوں کو بے اولاد ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اولاد نہ ہونے کی ذمہ داری بیوی پر عائد کر دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات گھر بچانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتی ہیں۔

زاہدہ حنا اپنے افسانے "رانا سلیم سنگھ" ایک شاہکار افسانہ ہے جس میں زاہدہ حنا نے عائلی زندگی کے اندر اولاد کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار جو رشتہ ازواج سے منسلک ہو جاتی ہے لیکن جب اس کی اولاد نہیں ہوتی تو اس کا گھر رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار اپنے گھر بچانے کے لیے سادھو سنت پیر کے پاس ننگے پاؤں درگاہ پہنچ جاتی ہے۔ اور واپس آ کے شوہر سے جھوٹ بولتی ہے کہ پیر و مرشد نے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار اپنا گھر بچانے کی خاطر اتنی بے بس اور اتنی مجبور ہوتی ہے کہ ساری زندگی جھوٹ، خوف اور ڈر کے ساتھ ساری زندگی بسر کر دیتی ہے اور اپنے گھر کے اندر بھی جب اس کا شوہر داخل ہوتا تو مارے خوف کے تھر تھر کانپا کرتی ہے

> ماتا جی کی شادی کو کئی برس ہو گئے تھے پر اولاد نہیں ہوتی تھی جب وہ ہر سادھو سنت، پیر فقیر سے مایوسی ہو گئیں تو ننگے پاؤں، نازں سر، حضرت سلیم چشتی کی درگاہ پہنچی۔ صاحب ادھر انہوں نے منت مانگی اور ادھر دس مہینے کے بعد ہم وارد ہو گئے ماتا جی نے ترنت ہمارا نام سلیم سنگھ رکھ دیا۔(۱۳)

زاہدہ حنا اپنے افسانے "رانا سلیم سنگھ" میں ایک ایسی عورت کی عکاسی کی ہے۔ جو اپنے دکھ درد اور وجود کو بھلا کر خانگاہوں میں منتیں مانگتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ ان کی تمام مشکلات کا حل ان پیروں کے پاس ہے۔ وہ اپنی مذہبی احکامات بالا طاق رکھ کر صرف اور صرف پیروں سے ہی اپنی مشکلات کا حل نکالنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر سیما صغیر لکھتی ہیں:

> عورت کے پسماندہ ہونے میں دیگر اسباب کے علاوہ مرد حساس معاشرہ سب زیادہ ذمہ دار ہے۔ طبقہ نسواں کو چراغ خانہ بنا کر مرد اساس معاشرے نے نہ صرف ذہنی و جسمانی استحصال کیا ہے بلکہ دنیا کی ترقی کے راستے بھی محدود کیے ہیں۔ جس کے باعث آفاقی ترقی کی رفتار میں سستی واقع ہوئی ہے۔(۱۴)

اسی کشمکش کی صورتحال کی عکاسی خالد فتح محمد نے اپنے افسانے "میرے بھی بس کچھ خواب" میں کی ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار "رقیہ" کا ہے جو بچے نہ ہونے کی وجہ سے وہ نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ شوہر سے بھی دل برداشتہ رہتی ہے۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دونوں اپنی اپنی جگہ ڈپریشن کا شکار تھے۔ رقیہ کو نفسیاتی گھٹن سے نکالنے کے لیے وہ اسے ہر مہینے مری لے جاتے گھماتے، پھیراتے لیکن اگر کوئی انجان آدمی ان سے ان کے بچوں کے بارے میں پوچھ لیتا تو وہ پریشان ہو جاتے۔

مجھے جب احساس ہوا کہ ہمارے ہاں بچے نہ ہونا میرا زر خیر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس کے بعد کے ٹیسٹوں نے جو کہ میں نے رقیہ سے چوری کرائے تھے تصدیق کر دی۔ تو میں ایک گہری مایوسی میں ڈوب گیا اتنی گہری کہ گھر سے باہر نکلنا مشکل عمل لگتا اور میں خود سے ہی اس سوچ میں مبتلا ہو گیا کہ سائنسی ایجادات کے علاوہ اس دنیا میں یہ نام نہاد پیروں کی دنیا ہے۔(۱۵)

افسانے "میرے بھی بس کچھ خواب" میں خالد فتح محمد نے عائلی زندگی کی نفسیاتی کشمکش کی تصویر کشی کی ہے کہ اولاد نہ ہونا میاں اور بیوی دونوں کے لیے تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے۔ اور اندر ہی اندر اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہوتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں مسئلہ یہ بھی ہے کہ مرد کبھی بھی خود کو قصوروار تصور نہیں کرتا وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اولاد نہ ہونے میں وہ قصوروار ہے۔ کیونکہ عورت کو ہی بانجھ پن کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ عورت ساری زندگی خود کو اسی اذیت میں مبتلا رکھتی ہے۔ عاشرے کے اندر جب کسی جوڑے کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی ہوتی تو عموماً عورت پر اس کا الزام ڈال دیا جاتا ہے۔ مسئلہ چاہے عورت کی طرف سے نہ ہو لیکن قصوروار عورت کو ہی مانا جاتا ہے۔ یہ ایک غیر منصفانہ اور غلط رویہ ہے۔ مرد اور عورت دونوں میں کوئی ایک ذمہ دار ہو سکتا ہے لیکن عورتوں کو اس معاملے میں زیادہ معاشرتی دباؤ اور نفسیاتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب اولاد کی نعمت کسی شادی شدہ جوڑے کو حاصل نہیں۔ تو عموماً رشتہ دار اور خاندان کے لوگ عورت پر بے اولادی کے تیر برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ عورت پر شوہر کے خاندان کی طرف سے بھی دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ شوہر کی دوسری شادی کروائے یا اپنا علاج کروائے ان تمام صورتحال میں عورت ذہنی اذیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ جذباتی اور ذہنی کیفیت مزید خراب ہو جاتی ہے۔ عورت خود کو کمتر سمجھنا شروع ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ خود کو احساس جرم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ڈپریشن اور مایوسی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ عائلی نظام میں جب عورت اور مرد ایک دوسرے کا ساتھ دیں تو گھر کا ماحول محبت اور مثبت ہو جاتا ہے۔ بے اولادی کو ایک مشترکہ مسئلہ سمجھنا اور حل تلاش کرنا گھر کی خوشحالی کے لیے بہت ضروری ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار میں شوہر اندرونی کشمکش میں مبتلا ہے جو اپنی عائلی زندگی میں محرومیوں اور مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔ خاص طور پر بے اولادی اور ذات کی ناکامی کے وجہ سے مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور میاں اور بیوی کے درمیان اعتماد کا بھی فقدان ہے۔ اور بیوی کو بھی ڈر کے مارے نہیں بتاتا کہ کمی اس میں ہے کیونکہ وہ بیوی

کے شدید جذباتی رد عمل سے بھی ڈرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی بیوی کسی تلخ سچائی حقیقت کو برداشت نہیں کر پائے گی۔ کیونکہ اس کی بیوی خوبواں اور حقیقت سے جڑی ہوئی ہے۔ ہماری شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے۔ ریت کی طرح وقت ہماری مٹھی سے پھسلتا رہا۔ بچے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے تعلقات بھی ویسے نہیں رہے۔ میں اسے کہی بار بتا دینا چاہتا تھا کہ کمی مجھ میں موجود ہے لیکن میری کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ بعض اوقات مرانگی بیچ میں آجاتی اور کبھی کبھی میری انا۔

طبی لحاظ سے بے اولادی کا مسئلہ مرد اور عورت دونوں میں ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو ہمارا معاشرہ قبول ہی نہیں کرتا اور اکثر انکاری میں ہوتا ہے۔ مردانہ غلبے میں سماجی ڈھانچے کی جڑیں پیوستہ ہیں۔ جہاں مرد کو فخر ،طاقت اور نام کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی نفسیاتی اور جسمانی کمزوری کو نا قابل قبول عیب تصور کیا جاتا ہے۔ مرد میں بھی بانجھ پن ہو سکتا ہے۔ مگر طعنہ کا شکار ہمیشہ عورتیں رہتی ہیں۔ جو میاں بیوی کے درمیان نا چاقی کا باعث بنتی ہیں۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش لکھتی ہیں

> عورت ہر معاملے میں زیادہ پایہ زنجیر بے بس اور مجبور ہوتی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے سماج گھر، رشتوں حتی کہ وجود تک کی تشکیل مرد کے ساختہ قوائد و ضوابط، مرد کی عائد کردہ پابندیوں، قدغنوں اور مرد کے مدون کردہ قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ عورت کے انفرادی وجود کی احساس کی شخصیت کی نمو اور ذات کی متنوع جات کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے بجائے اسے ایسے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے یا اس سے ایسے سانچے میں ڈھالنے کی توقع کی جاتی ہے جو ہر لحاظ سے مرد کے لیے سود مند ہوتا ہے۔(۱۶)

معاشرے میں اولاد کی پیدائش کا ذریعہ عورت کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تمام خوبیوں، مقام اور کردار کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں پس پشت ڈال دیا جاتا ہے سسرال کی باتیں، خاندانی دباؤ اور وراثت کی طلب عورت کے وجود کو کمزور کر دیتا ہے۔ سچ نہ کہنے کی ہمت، مرد کی خاموشی دراصل ایک اجتماعی جھوٹ کی پرورش ہے۔ جو برادری اور انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔ بے اولادی عورت کے لیے طبی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ بقا کی جنگ رشتوں میں بن جاتی ہے۔ ایسے جوڑوں کی مدد کرنے کے بجائے معاشرہ ان پر فتوے لگاتا ہے جس سے نفسیاتی اور جذباتی زخم مزید گہرے ہوتے ہیں۔ عورت کے ساتھ یہ طرز فکر نہ صرف بے انصافی ہے۔ بلکہ مرد کے ساتھ اس کی کمزوریوں کو دبا کر ان کے آپس کے تعلقات مزید پیچیدہ بنا دیے جاتے ہیں۔ افسانے کی

مرکزی کردار جس کی اولا کی بے انتہا خواہش ہوتی ہے۔ وہ اندر ہی اندر گھل رہی ہوتی ہے کہ اگر اس کے اندر کوئی کمزوری نہ ہوتی تو وہ اپنے شوہر کو اولاد جیسی خوشی سے ضرور نوازتی۔ اب ان دونوں کے تعلقات اتنے پیچیدہ ہو گئے کہ سامنے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بہت انجان ہو رہے تھے۔ اس کی حالت ایک ڈھانچے کی صورتحال بنتی جارہی تھی۔ وہ ہر لمحے اولاد کے حوالے سے سوچتی رہتی۔ رقیہ بے اولادی کی وجہ سے نفسیاتی اور ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گی تھی اور اپنے ہی شوہر سے وہ نظریں نہیں ملا پارہی تھی۔ اولاد نہ ہونا میاں اور بیوی کے بس میں میں نہیں ہوتا بلکہ یہ قدرت کی طرف سے کرشمہ ہوتا ہے لیکن رقیہ کسی بھی صورت اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

> رقیہ ایک نفسیاتی ڈھانچہ بنتی جارہی تھی اور اس کی ایسی کیفیت میں اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرانہ۔ ہمارے بچے نہیں تھے اور میں اپنے نکارہ ہو جانے سے سمجھوتا کر چکا تھا اور اگر میں اسے بتا دیتا تو وہ ایک جنونی کیفیت میں دیواروں سے ٹکر مارنا شرع کر دیتی کیونکہ میں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ ابھی تک اپنی امید کے دامن سے لپٹی ہوئی تھی۔ ہماری شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ میری بیوی کو بچوں کی شدید خواہش تھی لیکن قدرت کا کرنا یہ ہوا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔(۱۷)

افسانے میں رقیہ کا کردار ایک ایسا کردار ہے۔ جو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی یا جذباتی کیفیت کا سامنا کر رہی تھی۔ وہ خود کو ناکامی اور حادثے کا ذمہ دار سمجھتی تھی اور ہر وقت خود کو ملامت کرتی رہتی تھی۔ اپنے حالات سے لڑنے کی کوشش کرتی رہتی لیکن اس کی ہر کوشش بے سود ہوتی اور وہ ذہنی کیفیت میں مبتلا رہتی۔ خالد فتح محمد نے افسانے "ہم وہاں ہیں جہاں" میں ایک ایسے مسائل کی عکاسی کی ہے کہ جہاں مرد شادی کے بعد بیوی کو چھوڑ کر خود ملازمت کرنے باہر چلے جاتے ہیں اور بیوی صرف اس کے گھر والوں کی خدمت کرتے ہوئے وقت پورا کرتی ہے۔ اور اس کے آنے کا انتظار کرتی ہے۔ ایسی صورت حال کی عکاسی انہوں نے اپنے افسانے "ہم وہاں ہیں جہاں" میں کی ہے کہ اس کی شادی کو دس برس بیت جاتے ہیں لیکن اس کا شوہر ان دس سالوں میں تین مرتبہ آتا ہے اور ایک مہینہ کے لیے آتا ہے اور وہ مہینہ بھی سو سو کر گزار دیتا ہے۔ اس کے آنے کے بعد بھی وہ اکیلی ہی رہتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے ساتھ اس طرح کی قربت اور رشتہ محسوس نہیں کرتا جیسا ایک ازدواجی تعلق میں ضروری ہوتا ہے۔ مالیاتی وجوہات کی بنا پر اس کا شوہر ملازمت کرنے کے لیے باہر جاتا ہے۔ اور اپنے خاندان کی مالی ضروریات پورا کرنے کے لیے اسے اپنی بیوی سے دور رہنا پڑتا

ہے۔ بہت سے شوہر معاشی مسائل کی وجہ سے بیوی کے ساتھ وقت نہ گزارنے کی قربانی دیتے ہیں کیونکہ اس کے مالی حالات اتنے مستحکم نہیں ہوتے کہ گھر کی ضروریات کو آسانی سے پورا کیا جاسکے۔ اور اس کا اثر ازدواجی تعلقات پر بھی براہ راست مرتب ہوتا ہے۔ خالد فتح محمد نے اس افسانے میں افسانے کی مرکزی کردار کے گہرے جذباتی تناؤ اور اس کی صورتحال اور ازدواجی ناانصافی کی عکاسی کی ہیں کہ بہت سی شادی شدہ عورتوں کی خاموش حقیقت ہے شوہر جب خاص طور پر بیرون ملک ہو صرف نام تک ازدواجی رشتہ محدود ہوں۔ افسانے کی مرکزی کردار ایک مصابر مگر تھکی ہوئی بیوی جو اپنے شوہر کا پچھلے دس سالوں سے انتظار کر رہی ہوتی ہے اور اس کا شوہر ایک خاموش مرد ہے جو دبئ میں ملازمت کرتا ہے اور شادی سے پہلے بھی وہ دبئ میں مقیم تھا اوران کی شادی بھی اس شرط میں ہوتی ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کے جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی دبئ اکیلے چلا جاتا ہے شادی کو دس سال بیت چکے اور ان دس سالوں میں وہ بس تین بار ہی گھر آتا ہے اور گھر آنے کے بعد نہ ہو کوئی بات کرتا ہے اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان قربت ہوتی ہے۔ عائشہ کے لیے شادی ایک جذباتی قید بن جاتی ہے۔ نہ مکمل جدائی اور نہ مکمل رشتہ۔ افسانے کی مرکزی کردار داخلی کشمکش کا شکار ہو جاتی ہے کہ اب وہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر گھر ہی نہ آیا کرے کیونکہ شوہر کے آنے کے بعد ہی گھر اور خاندان والے بھی اس سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں کہ اب کی بار یہ ہمیں اولاد کی خوشخبری سنائی گئی۔ حالانکہ اس کے شوہر کو نیند پوری کرنے کے علاوہ کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ حالانکہ شوہر کا بیرون ملک جانا صرف معاشی استحکام کے لیے تھا لیکن ان کی دوری نے ان کے ازواجی رشتوں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اس کا شوہر اسے معاشی خود کفالت تو دیتا ہے لیکن زندگی کا کوئی لمس نہیں دے سکتا ہے عائشہ اسی کشمکش میں مبتلا رہتی ہے کہ پیسے ازواجی رشتوں کی مضبوط جڑ نہیں ہو سکتے جب تک میاں بیوں کی درمیان قربت، محبت کا رشتہ نہ ہوں۔

> میں شادی شدہ ہوں میرا خاوند دبئ میں ہے وہ شادی سے پہلے ہی وہی تھا۔ ان دس سالوں میں وہ تین مرتبہ آیا ایک مہینہ کے لیے وہ ایک مہینہ سوتے ہوئے گزار دیتا ہے۔ اور میں اس کے آنے کے بعد بھی اکیلی ہی ہوتی ہوں سچ تو یہ ہے کہ اب میں چاہتی ہوں کہ وہ نہ ہی آئے۔(۱۸)

خالد فتح محمد نے روایتی سماج میں ایسی عورتوں کی نشان دہی کی ہے جن کو نکاح کے بندھن میں باندھ تو

دیا جاتا ہے جبکہ ان کے ہاتھوں سے مہندی کا رنگ بھی نہیں اترا ہوتا تو شوہر ان کو بے یار و مدد گار چھوڑ کر معاش کی تلاش میں باہر چلا جاتا ہے۔ اس طرح بیوی پر گھر کی تمام ذمہ داری عائد کر جاتا ہے۔ بیوی کو روایتی معاشرے میں خاندان کی بہو کی حیثیت دی جاتی ہے۔ شوہر سے زیادہ اس کی پہچان سسرال کی خادمہ کے طور پر بنتی ہے شوہر بیوی کو گھر والوں کی خدمت کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔ اس طرح بیوی جذباتی، ازدواجی اور سماجی طور پر استحصال کا شکار ہو جاتی ہے نان نفقہ سے ہی عائلی زندگی نہیں چلتی بلکہ یہ جذباتی، مساوات کی شرکت اور ایک دوسرے کے لیے وقت کی عدم موجودگی سے ازواجی زندگی مکمل ہوتی ہے۔ اس کے جذبات انسانی حقوق اور نسوانیت اس وقت انکاری ہو جاتی ہے جب شوہر بیوی کو سسرال میں اکیلا چھوڑ کر سسرال کی خدمت کے لیے پابند کر جاتا ہے۔ عائلی زندگی کی خوشحالی کی بنیاد شراکت داری اور محبت پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ فراموش، نظر انداز اور قربانی پر۔ وہ ازدواجی بندھن میں تو باندھ جاتے ہیں لیکن ان سے قربت کا پہلو اتنا میسر نہیں آتا کہ اولاد پیدا کر سکے۔ شوہر خود تو باہر چلا جاتا ہے۔ لیکن پیچھے سے بیوی کو ہر وقت بے اولادی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

افسانے کی مرکزی کردار کا شوہر معاش کی تلاش کے لیے اور بہتر مستقبل کی تلاش میں دبئ چلا گیا تھا اور تب سب نے بولا کہ "زینب" بہت خوش نصیب ہے جس کا شوہر باہر ہے اور ڈالر کما کے لائے گا اور اس کی آنے والی زندگی سنور جائے گئی۔ زینب تب بہت زیادہ ہنسی اور خوش بھی ہوئی لیکن اس کے اندر ایک خلارہ گیا تھا اس نے اپنے تمام خواب اور امیدوں کو بند الماری میں قید کر دیا۔ محلے کی عورتیں اپنے اپنے بچوں کو اٹھا کے آتی تو زینب انھیں مسکرا کر دیکھتی تھی کیونکہ اس کی گود خالی تھی اور اس کا دل بوجھل تھا

یاسر تین بار واپس آیا سالوں بعد ہر بار ایک مہینہ۔ ان مہینوں میں بھی۔۔۔ بہت تھکا ہوں۔۔۔ سو لینے دو۔۔۔ دبئ میں دماغ خراب ہو جاتا ہے۔(۱۹)

خالد فتح محمد نے افسانہ "میں یہاں ہوں جہاں "زینب" اس کے آنے بعد ہر روز نئے نئے کھانے بناتی۔ خود کو سنوارتی، سرخی لگاتی مگر یاسر کی نگائیں کبھی بھی اپنی بیوی کی طرف نہ جاتی تھی کیونکہ دبئ سے آنے کے بعد اسے سونے اور آرام کرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اور کبھی زینب یاسر سے شکوہ کرتی تو وہ ہر بار یہی کہہ دیتا کہ میں یہ سب کچھ تمہارے ہی لیے کر رہا ہوں۔ اور زینب اسے بہت دفعہ سمجھانے کی بھی کوشش کرتی کہ مجھے پیسے نہیں بلکہ تم اور تمہارا ساتھ چاہیے۔ لیکن جب یاسر دوبارہ چلا گیا ہمیشہ کی طرح۔ اس کے دبہی

جانے کے بعد بے اوالادی کا طعنے بھی سننا پڑتے۔

میں یاسر کے گھر والوں کے ساتھ ان کے آبائی گاؤں میں رہتی تھی وہاں بچہ نہ ہونے کا ہر وقت ایک دباؤ رہتا تھا۔ ایک طرف سے میں پریشر ککر میں ڈھل ہوتی تھی بعض اوقات مجھے محسوس ہوتا کہ وہ یاسر کی دوسری شادی کا بھی سوچ رہے ہیں۔(۲۰)

خالد فتح محمد نے اس افسانے میں ان لاکھوں عورتوں کی کہانی کی عکاسی کی ہے جو شوہر کے بیرون ملک جانے کے بعد بھی بیوی کے درجے پر فائز رہتی ہے لیکن بیوی ہونے کا کوئی حق نہیں رکھتی ہے۔ شوہر کے جانے کے بعد ہر چیز کے دباؤ میں رہتی ہیں۔ خالد فتح محمد نے اس افسانے میں قربت، رفاقت اور جذباتی موجودگی کی غیر موجودگی کو گہرے درد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دیش بگھت لال دیال لکھتے ہیں کہ

زمانہ جدید کو زمانہ گزشتہ کی ماتاؤں کو اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کر کے اپنی جنسی پاکیزگی و تقدیس کو بھی محفوظ رکھنا چاہیے اور اس کی عظمت و شان بڑھانے کے لیے دیگر ہر طرح کی صفات اور خوبیاں اپنے اندر پیدا کر کے ہمیشہ کوشاں رہنا چاہیے۔(۲۱)

عثمان عالم نے اپنے افسانے "ایک، مکمل کہانی" میں عورت کا استحصال بحیثیت بہو کی عکاسی ہے۔ کہ آج کے دور میں بھی عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کو گھر میں کسی قسم کا اختیار نہیں دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عورت بہو، بیوی، ماں، بہن، بیٹی حتی کہ ہر رویہ میں اس کا کردار خوبصورت ہوتا ہے۔ اور بہت سی قربانیوں میں بیوی جکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن الفت و محبت اور غمگساری کی جیتی جاگتی تصویر ہوتی ہے۔ لیکن بحیثیت بہو عورت امتیازی سلوک، تشدد، مار پیٹ اور جہیز کی وجہ سے استحصال کا شکار ہے۔ اسی کی عکاسی عثمان عالم نے اپنے افسانے "ایک مکمل کہانی" میں کی ہے۔ عثمان عالم کے افسانے "ایک مکمل کہانی" میں آغاز سے آخر تک مایوسی، خوف اور کم ہمتی کا احساس بہت گہرا نظر آتا ہے۔ سماج میں مرد اور عورت دونوں آزادانہ زندگی گزارانے کے خواہاں ہے۔ عورت اپنے وجود کا تحفظ شوہر کے ساتھ سمجھتی ہے۔ مرد کے سہارے کے بغیر عورت زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ خانگی زندگی کے اندر عورتوں کو سب سے بڑا مسئلہ طلاق کا ہے طلاق جدید معاشرے کے اندر پروان چڑھ چکی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار کو جب جمیل مار پیٹ اور قتل کی دھمکی دے رہا ہوتا ہے تو وہ یہ سب چپ چاپ سہتی ہے کہ اگر اسے طلاق دی گئی تو اس کے نام کی پہچان کیا رہ جائے گی، اس کا وجود کیا ہو گا، اس کی شناخت کیا ہو گی۔ لیکن وہ بہت خاموشی سے سب سہتی رہتی ہے کوئی بھی بات کا جواب نہیں دیتی۔ اس کی ساس اسے دن بھر طعنے دیتی رہتی کہ تم ہمارے گھر خالی ہاتھ آگئی ہو۔

میرے بڑے ارمان تھے کہ میں جب بھی بیٹے کی شادی کروں گی کہ تو وہ میرا گھر سامان سے بھر دے گا۔
افسانے "ایک مکمل کہانی" میں بے زاری اور گھٹن کے ماحول میں پھنسی ہوئی عورت کی تصویر کشی ملتی ہے۔

> شوہر اور ساس نے زبردستی تیزاب پلا دیا اور اس کا ساتھ ہی انتقال ہو گیا کیونکہ شادی کے بعد وہ اپنے ساتھ کوئی جہیز نہیں لائی تھی جہیز کی کمی کا طعنہ، تو کبھی میکے کی طرف سے خواہش پوری نہ ہونے پر تشدد اور اولاد نہ ہونے کا ذمہ دار ٹھہرا دینا۔(۲۲)

دراصل عثمان عالم نے خوف اور ہیجان جیسے رویوں کو علامتی انداز میں پیش کر کے عورت کے جذبات محسوسات اور دلی کیفیات کو بڑے متاثر کن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ آج کے دور کے اندر بھی مرد کے نام کے ساتھ عورت خود کو محفوظ سمجھتی ہے مرد کے نام کے بغیر اپنا تصور بھی قائم نہیں کر سکتی۔ اور اس کی مار پیٹ برداشت کر لیتی ہے۔ لیکن ایک دن اس کا شوہر غصے کی حالت میں ہوتا ہے مار پیٹ کے بعد اس کو تیزاب پلا دیتا ہے عثمان عالم نے اس افسانے میں معاشرتی رویے کی عکاسی کی ہے کہ عائلی زندگی کے اندر جہیز ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ افسانے کی کردار کو سسرال خاص طور پر شوہر اور ساس تیزاب اس لیے پلاتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ جہیز نہیں لائی تھی۔ اسے نہ صرف جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا گیا بلکہ ماں اور بیٹے نے مل کر تیزاب بھی پلا دیا۔ جو ایک نئی نویلی دلہن کے موت کا باعث بن گیا۔ عثمان عالم نے معاشرے میں جہیز کے مسائل کی عکاسی کی ہے کہ معاشرے میں اہل خانہ اور شوہر کی طرف سے جہیز کا مطالبہ بہت بڑھ چکا ہے جہیز جیسی رسومات عائلی زندگی میں بہت حد تک بڑھ چکی ہیں۔ عائلی نظام میں اہل خاندان اور شوہر کی جانب سے بیوی پر ظلم و ستم ایک بڑی وجہ بن گئی ہے۔ معاشرے میں بیٹے کی شادی یہ سوچ کے کروائی جاتی ہے کہ بیوی اپنے ساتھ بہت زیادہ جہیز لائے گئی جس سے خاندان میں ان کی عزت و قار بلند ہو گا۔ افسانے کی مرکزی کردار پر اس کا شوہر اور ساس بھی اس لیے ظلم کرتا ہے کہ وہ بیاہ کے خود تو آگئی لیکن اپنے ساتھ جہیز نہیں لائی تھی۔ یہ تمام صورتحال عائلی نظام کی خرابیوں کو ظاہر کرتی ہے بیوی کو یہاں مساوی درجہ دینے کے بجائے اس کو مالی مفادات سے جوڑا جاتا ہے۔ افسانے کی کردار کو بھی نا قابل برداشت اذیت دی جاتی ہے۔ اور اس پر اس حد تک ظلم کیا جاتا ہے کہ وہ زندگی سے محروم ہو جاتی ہے۔

عائلی زندگی میں درحقیقت جہیز کی اہمیت ایک سماجی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک روایت بن چکی ہے۔ اگرچہ قانون اور شریعت دونوں اس کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ پہلے پہل لوگ

تحفے تحائف سے نوازتے تھے لیکن اب جہیز عائلی زندگی میں لازمی جزو بن گیا۔ عائلی زندگی میں بھی جہیز براہ راست اثرات مرتب کرتا ہے جہیز کی کمی یا جہیز نہ ہونے کی صورت میں شوہر اور اس کے خاندان کی طرف سے بیوی کے ساتھ امتیازی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جہیز کی کمی پیشی کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان رشتہ محبت و اعتماد پر نہیں ہوتا بلکہ شکایات اور لڑائی جھگڑوں پو قائم ہوتا ہے۔ بیوی کو کمتر اور بوجھ سمجھ کر اس کو مارا پیٹا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت اور قانون میں بھی جہیز کا تصور متصادم ہے۔ بلکہ باعزت اور خوشحال عائلی زندگی کے لیے بھی تباہ کن ہے۔ جہیز عائلی رشتوں کی بنیادوں کو کمزور کو کمزور کر دیتا ہے جس سے بیوی کی حیثیت بھی گھر میں بوجھ بن جاتی ہے۔ حالانکہ یہ سب فرسودہ رسم و رواج ہوتی ہے۔ نکاح کو سادگی و محبت پر قائم ہونا چاہیئے۔

عثمان عالم کا افسانہ "پالتو چوہے" ایک ایسا افسانہ ہے۔ جس میں شوہر اور بیوی کی معاشی مشکلات کی عکاسی کی گئی ہے۔ عثمان عالم نے اپنے افسانے "پالتو چوہے" میں بیوی کے تعلقات کے پیچیدہ پہلوؤں کو دکھایا ہے۔ ایک بیوی اور شوہر ایک کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ اس کی تنخواہ بہت کم ہوتی ہے جس سے نہ صرف گھر کا کرایہ پورا کرنا، بلکہ کھانے کا سامان، بچوں کی ضروریات، کپڑے اور دیگر اخراجات پورا کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اللہ نے اس کو دو بیٹوں سے بھی نواز دیتا ہے۔ اور ان کی کفالت کی ذمہ داری اس کے لیے اضافی بوجھ بن جاتا ہے۔ "پالتو چوہیے" میں عثمان عالم نے معاشرے کے متوسط اور نچلے طبقے کے مسائل کی عکاسی کی ہے کہ عائلی زندگی کے آغاز میں ان مسائل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ معاشی مسائل صرف ایک مالی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک نفسیاتی، جذباتی اور سماجی مسئلہ بن جاتی ہیں۔

عائلی زندگی کے اندر معاشی مسائل ایک انسان کی عزت نفس، خوشیوں اور رشتوں کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ شوہر جو بمشکل اپنا اور اپنی بیوی کا پیٹ بھر رہا ہوتا ہے لیکن دو بیٹیوں کی پیدائش کے بعد مسئلہ اور بھی خراب ہو جاتا ہے خالی جیب اور اس کی بے بسی نہ صرف ان کے خوابوں کو اور خوشیوں کو متاثر کرتی ہے بلکہ ان کے درمیان محبت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے مرد کی خودی بھی متاثر ہوتی ہے جب وہ اپنی بیوی اور بچوں کو بنیادی سولیات فراہم نہیں کر پاتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کو ناکام بوجھل اور کمزور محسوس کرتا ہے اندر ہی اندر وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اتنی محنت کے باوجود بھی وہ ایک اچھا باپ یا شوہر نہیں بن پایا۔ اس کی بیوی نے کبھی براہ راست اس سے کوئی شکایت نہیں کی مگر اس کے چہرے کے تاثرات، مایوسی اور اس

کی خاموشی اور قربانی کی داستان سنادیتے تھے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بیوی بھی قربانی دے رہی ہے تو وہ مزید شرمندہ ہو جاتا ہے۔ محبت اور قربت کی جگہ دونوں کے درمیان بہت سے دوریاں آجاتی ہیں۔ حالانکہ اندر ہی اندر دونوں کے دلوں میں درد موجود ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس کو یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ رہا تو اس کی بیٹیوں کی کفالت کی ذمہ داری کون پورا کرے گا۔ محنتی ہونے کے باوجود بھی وہ معاشرتی انصاف، ذہنی سکون اور معاشی تحفظ کا شکار رہتا ہے۔ بیٹیوں کی پیدائش پر اس کو بہت خوشی ہوتی ہے لیکن اس کی آمدنی بہت کم ہوتی ہے اوراخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔افسانہ پالتو چوہے میں عائلی زندگی میں معاشی حالات اور ان اثرات کے نتائج کی عکاسی کی گئی ہے۔ معاشی حالات کا اثر گھر کے تمام افراد پر پڑتا ہے۔ کیونکہ کمانے والا صرف پیسے ہی نہیں کماتا بلکہ پورے خاندان کی خوشیاں، تحفظ اور مستقبل کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پڑتا ہے۔

> جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ ریلوے کی قلیل تنخواہ میں اس کوارٹر میں آکر آباد ہوئی تو معاشی ضروریات چلانے کے لیے شوہر کی تنخواہ کم پڑنے لگی اور چند ہی برسوں میں اوپر نیچے اس کے دو بیٹوں نے آنکھ کھولی تو اخراجات کے پٹاری سے جن اندھیری راتوں کے ساتھ ساتھ دن کے چندھیاں جانے والی روشنیوں میں ظاہر ہونے لگا۔اور شوہر کے ساتھ ساتھ وہ بھی لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھنے لگی اور گھر کی صفائیوں میں مصروف ہوگئی تو آپس میں لڑائی جھگڑے بھی بڑھنے لگے۔(۲۳)

عثمان عالم نے جدائی ہجر اور فراق کو عورت کی احساس قرار دیا ہے۔ عثمان عالم نے اپنے افسانے "سورج کے عقب" کے ذریعے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ عورت کو ہر موڑ میں کوئی نہ کوئی جدائی اور تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ کبھی کسی ذات سے الگ ہونا پڑتا ہے اور کبھی اپنے خوابوں کو چکنا چور کرنا پڑتا ہے اور کبھی اپنے خیال اور تصورات کو رد کرنا پڑتا ہے۔اپنے اردگرد عورت بہت ہی حسین اور خوبصورت دنیا بنانا چاہتی ہے۔ لیکن ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد شوہر اس عورت کو ان تمام حقوق سے محروم کر دیتا ہے۔ جس سے عورت کرب سے گزرتی ہے۔اس کی عکاسی انہوں نے اپنے افسانے "سورج کے عقب " میں کی ہے۔ یہ کہانی ایک شوہر اور بیوی کی ہے۔ جو بڑے حوصلے کے ساتھ ایک ایسے شوہر کے ساتھ گزر بسر کرتی ہے۔ جو عیاش پسند ہے۔ وہ شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے۔ اور سال ہا سال اس کو ایک اولاد کا تحفہ دیتا رہتا ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار "حمیدہ" چپ چاپ اپنی ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔

> یہی وہ عورت تھی کہ جب وہ ماں کے شکم میں تھا تو اس نے ماں کو بیچ صحن میں بان کی

دسی کا کوڑا بنا کر اسے بے دردی سے مارا۔ فقط اس لیے کہ چولہے پر پڑی ہنڈیاں لگ گئی تھی اور پھر جب وہ ماں کے رحم میں سات ماہ کا تھا تو شوہر میں افرا تفری اور ہنگامہ آرائیوں کے باعث دوکان پر دو دن بسم اللہ نہ ہو سکی۔ وہ ظالم جو وقت کا کھانا ماں کو دیتا تھا وہ بھی بتا کر دیتا۔ ماں بلبلائے، روئے، چیخے، چیلائے، فریاد لگائے، شوہر کی منت سماجت کرے سسر کو مقیم نگاہوں سے دیکھے مگر بے سود و بے کار۔(۲۴)

شادی پوری عمر کا ساتھ ہوتا ہے۔ اس ساتھ میں لڑکے اور لڑکی کی ذہنی ہم آہنگی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زندگی کا سفر بہت محال ہو جاتا ہے۔ اسی موضوع کا احاطہ عثمان عالم نے اپنے افسانے "سورج کے عقب" میں بے جوڑ شادی کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ کہ روایتی سماج کے اندر والدین کی مرضی کی شادی کے معاملات طے پا جاتے ہیں جو اکثر بے سکونی اور ناچاقی کا باعث بنتے ہیں۔ اس افسانے کے مرکزی کردار بھی ایک ایسی عورت ہے کہ جس کے ساتھ ایک ایسا سلوک رکھا جاتا ہے۔ جیسے اسے بیاہ کر نہیں خرید کر لایا گیا ہے۔ روایتی سماج کے اندر مرد ہمیشہ عورت کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے ساتھ منسلک ہونے کے بعد وہ سمجھتا ہے۔ کہ عورت اس کی غلام ہو گئی ہے۔ وہ عورت کو انسان نہیں سمجھتا ہے اس کو لگتا ہے کہ یہ ایک شے ہے۔ وہ مرد کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتی۔ ایسے شوہر چاہتے ہیں کہ عورت ان کا نام سن کر بھی خوف زدہ ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں کے جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ شوہر گالم گلوچ اور مار پیٹ کو اپنی شان سمجھتا ہے۔ جانوروں کی طرح عورتوں کو مارا پیٹا جاتا ہے۔ تمام تر نا انصافیوں کے باوجود معاشرے کی نیک پروین سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ شوہر کے ہر رویے کو خوشی خوشی اور خوش اسلوبی سے برداشت کرے اسی افسانے کی مرکزی کردار "حمیدہ" جس کا شوہر اس کو مارتا پیٹتا ہے۔ وہ ماں کو پاؤں اور بازوں سے گھسیٹتا ہوا صحن تک لے آیا۔

ماں نے واویلا مچانا اور چیخنا، چلانا شروع کر دیا اور باپ نے بازو چھوڑا کر پیٹنا شروع کر دیا۔ چچی شلوار دیکھ کر چلانے لگی ہائے خون ہائے خون۔(۲۵)

بد قسمتی سے پاکستان کی دیہی معاشروں میں عائلی زندگی کو ناگوں مسائل سے دوچار ہے۔ عثمان عالم نے ایک ایسی عورت کی عکاسی کی ہے۔ جس کو شادی کے بعد بچے پیدا کرنے والی مشین سمجھ لیا جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے بھی اس کو کھانے کے لیے کچھ نہیں دیا جاتا۔ شادی اور دیگر معاملات زندگی میں نہ ہی اس سے رائے لی جاتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے وجود کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی حدود کو پھلانگنا

چاہے تو باغی ٹھہرائی جاتی ہے۔ عائلی زندگی میں بحیثیت بیوی آج بھی اپنے وجود کا جواز ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار "حمیدہ" جو پیٹ سے تھی لیکن اس کو کھانے کے لیے کچھ نہ دیا جارہا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا۔

> دو دن اور دو راتیں اس کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھے اس کی ناک کے ساتھ لگی نالی جس میں سے اس کے لیے کچھ روکھا سوکھا ٹپکتا رہتا تھا گزشتہ دو دن سے اس میں عو عو کی آوازیں برآمد ہو رہیں تھیں۔ دل کی رفتار سست پڑنے لگی شکم کی اندرونی دیوار کے ساتھ وہ دبک کر رہ گیا تھا۔۔۔ چچی اس کے شوہر کے خوف کے باوجود باورچی خانے میں باسی روٹی کے ٹکڑوں کو پانی میں بگو کر لے آئی ماں نے ان ٹکڑوں کو من و سلویٰ سمجھ کر حلق سے پار کیا۔(۲۵)

عثمان عالم افسانے میں عائلی زندگی کے انتہائی پست اور دردناک پہلو کی عکاسی کی ہے اور ایسے گھرانے کی تصویر کشی کی ہے جہاں مردانہ ظلم، معاشی بدحالی اور عورتوں کی بے بسی ایک حقیقت بن چکی ہے۔ ماں کا پیٹ سے خالی ہونے کی وجہ سے ہوں ہوں کی آوازیں آرہی ہے اور اسے کھانے کے لیے اس لیے کچھ نہیں دیا جارہا ہے کیونکہ اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے۔ شوہر کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بیٹی کو پیدا کیا ہے مارے خوف کے کوئی بھی اس کو روکنے کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ معاشرے میں آج بھی بحیثیت بیوی جسمانی، جذباتی اور سماجی سطح پر بھی قید ہے۔ چچی باروچی خانے میں جاکر باسی روٹی کو بگو کر لے آتی ہے تاکہ وہ کچھ کھا سکے۔ روایتی معاشرے میں عورت کو ظلمانہ انداز میں مارا پیٹا جاتا ہے۔ پیٹ سے ہونے کے باوجود بھی اس کی کوئی عزت و آبرو نہیں کی جاتی ڈاکٹر ایم سلطانہ بخشش لکھتی ہیں۔

> بیویاں ہر معاملے میں زیادہ مجبور، بے بس، اور پایاں زنجیر ہوتی ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کا سماج، گھر، رشتوں حتی کہ وجود تک کی تشکیل مرد کے ساختہ قواعد و ضوابط مرد کے عائد کردہ پابندیوں اور قدغوں اور مرد کے پیدا کردہ قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ عورت کے انفرادی وجود، احساس اس کی شخصیت کی عضو اور اس کی ذات کی تنوع جات کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی بجائے اسے ایسے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے یا اسے ایسے سانچے میں ڈالنے کی توقع کی جاتی ہے جو ہر لحاظ سے مرد کے لیے سود مند ہو۔(۲۶)

عائلی زندگی کے اندر معاش ہی ہے جو ازدواجی زندگی کی خوشگوار زندگی کے لیے رکاوٹ بنتا ہے۔ معاش کی شکل کی عکاسی عثمان عالم نے اپنے افسانے "بھوک منور" میں کی ہے۔ عائلی زندگی میں میاں اور بیوی کو معاش، جنس اور شناخت کا مسئلہ درپیش ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسی عورت ہے جو معاش کے مسائل سے دوچار ہے۔

> ارے صبح کی بھوکی پیاسی پڑی ہوں میرا خیال بھی آیا تجھے تو کھاپی کر آیا ہے ناجو باتیں بنا رہا ہے۔۔۔ یہ تیرا کام تھا کما کر لاتی اور مجھے بھی کھلاتی۔ سوہنے نے خیمے کا بڑا خود لپیٹتے ہوئے کہا وہ چیخ چلا کر بھولی توں مجھے روزی کا وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔ ارے میں کہتا ہوں چپ کر جا مرد سے زبان چلاتی ہے وہ تلخ لہجے میں بولا۔(۲۷)

ازدواجی زندگی کے اندر گھر کی تمام ذمہ داریاں اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری عورت پر عائد کر دی جاتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی معاشی خود کفالت کی ذمہ داری بھی عورت کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ معاش انسان کا پیدائشی مسئلہ ہے۔ انسانیت کا مشترکہ حل ڈھونڈنے کی بجائے معاشرے کی عمومی سوچ ایک صنف کو لاتعلق کرتی ہے۔ عورت کا کام اس کی سوچ کے مطابق صرف بچے پیدا کرنا ہے۔ جب کہ مرد صرف معاشی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ مناسب ذرائع اللہ تعالی نے معاشی مسائل کے حل کے لیے تخلیق کیے ہیں جیسے پہاڑ، پانی اور زمین وغیرہ۔ معاشی ضروریات سے عورت خود کو ہمیشہ وقتی طور پر دور رکھتی ہے۔ لیکن عورت حالات کی وجہ سے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں ایسے مردوں کی کمی نہیں ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر جیسے نشے کی لت، شراب، جوا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ گھر کی معیشت پر گھر والوں کی کفالت کرنے کی بجائے ان پر بوجھ بنے رہتے ہیں اور عورت کیونکہ ازدواجی زندگی سے منسلک ہوتی ہے۔ اور اسے پیچھے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو وہ ان حالات سے مجبور ہو کر معاش کی ذمہ داری اٹھا لیتی ہے۔ اسی کی عکاسی عثمان عالم نے اپنے افسانے "بھوک منور" میں کی ہے۔ جس کی مرکزی کردار اپنے گھر کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

> اس کے دو دل تھے ایک کہتا تھا سراج کو چھوڑ جاوں اور اس عذاب سے نجات حاصل کر لوں۔ دوسرا روکتا تھا تمھیں معلوم ہے یہ قدم اٹھانا سراج کو قتل کر دینے کے برابر

ہے لیکن تم نے اس آدمی کی خاطر ساری دنیا تباہ کر دی تھی سو اب کیا پریشانی ہے وہ
الجھی چلی گئی اور کچھ فیصلہ نہ کر پاتی۔(۲۸)

خواتین معاشی طور پر خود مختار نہیں ہوتی ان کا آپنی آمدنی پر کسی قسم کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ دن رات اپنے بچوں کی خاطر محنت کرتی ہیں تا کہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ عورتوں کی اکثریت اپنے شوہروں کی تابعدار ہوتی ہے۔ تمام حالات کا مقابلہ وہ چپ چاپ کرتی رہتی ہیں۔ بے روزگاری کی سب سے بڑی وجہ معاشی بحران ہے۔ اس کی عکاسی مبین مرزا نے اپنے افسانے "دل کو دل سے راہ" میں کی ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردرار "نائلہ" کا ہے۔ نائلہ کو اس کی ماں نے بتایا کہ اس کی ماں کے دو خاوند تھے ایک وہ جس سے وہ رشتہ ازدواج سے منسلک تھی اور اس کا شوہر بے روزگار تھا اور اس کی ماں دوسروں کے گھروں میں جا کر کام کرتی تھی۔ وہ اپنی شادی سے پہلے جو اس کا محبوب تھا وہ اس کے گھر میں کام کرتی تھی علی کا باپ اس کو گھر کی تنخواہ کے ساتھ ساتھ گھر کے تمام اخراجات کو پورا کرنے میں مدد کرتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن گھر والوں نے ان کی شادی نہیں ہونے دی۔ لیکن اس کے باوجود نائلہ کی مان جو اپنے رشتہ ازدواج کو بھی نبھا رہی تھی اور اپنی محبت کے ساتھ بھی تعلق وابستہ رکھے ہوئے تھی کیونکہ اس کو گھر چلانے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔

امی کے دو خاوند تھے جن کے ساتھ وہ رشتہ رکھے ہوئے تھی تمہارے ڈیڈی کے ساتھ
ان کو محبت تھی اور میرے والد کے ساتھ ہمدردی۔ وہ دونوں ایک عرصہ تک ان کا حق
دیتی رہی اوور میرے باپ کے ساتھ اپنے ذرائع نہیں تھے وہ باعزت زندگی گزارتی
تمہارے ڈیڈی اب تک ہمیں سپورٹ کرتے رہے۔(۲۹)

مبین مرزا نے عائلی زندگی میں معاش کے مسائل کو اجاگر کیا ہے کہ افسانہ " دل کو دل سے راہ میں" مرکزی کردار اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ اس کے برعکس مرد کا کردار والد کا ہے۔ جو صرف کھاتا پیتا ہے اور سوتا ہے۔ جس کو گھر کے معاشی حالات اور بچوں کی پرورش سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جبکہ ماں اپنے بچوں کو مستقبل سنوارنے کے لیے اور ان کا پیٹ پالنے کے لیے اپنی عزت کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہے۔ اور ان کی

زندگیوں میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے آخری حد تک جاتی ہے۔

شعیب خالق کا شمار اکیسویں صدی کے فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ بطور فکشن نگار شعیب خالق ذہانت سے معمولی سے معمولی بات کو اتنا بڑا تیر بنا کر پیش کرتے ہیں کہ کہانی پڑنے والا کہانی پڑنے کے بعد بھی اسی سوچ میں گم رہتا ہے۔ شعیب خالق کے فکشن میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ جہاں انھوں نے قارئین کی توجہ دیگر موضوعات کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہیں ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع عائلی زندگی کے مسائل بھی ہیں جو بظاہر عام نظر آتے ہیں لیکن ان کے خاندان کے افراد پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

شعیب خالق نے اپنے افسانے "چھتری نما کہانیاں" میں نفسیات کی عکاسی بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔ اس کا مرکزی کردار "یوسف" ہے۔ جو "دادا" کے ساتھ رہتا تھا۔ یوسف کے والدین اپنی ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ طلاق کا سب سے زیادہ اثر اولاد پر مرتب ہوتا ہے۔ "دادا" جب تک زندہ تھا وہ اپنے پوتے کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اس کو سکول چھوڑنے جاتا اور اس کی ہر ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ دادا کی وفات کے بعد دادا نے اپنے دوست کو اپنی نشانی کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری تھی۔ جنسی ہوس میں جنسی تشدد بھی ہمارے معاشرے کا اہم حصہ ہے۔ اس ضمن میں یاسمین فاطمہ لکھتی ہیں۔

> آج کا انسان نام کا خول اپنے اوپر چڑھائے دوسروں میں امتیاز حاصل کرتا ہے اور نام کے خول کے اندر دھڑکتا گروہ وہ خواہشات ہے۔ جن کی کوئی انتہا نہیں لیکن ہر نام والی چیزوں کے ساتھ ہزار پایا موت بھی ہوتی ہے جو ہر چیز کا انجام ہے۔ وجود کی اس بدنیتی کو ایکسرے رپورٹ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔(۳۰)

افسانے کا مرکزی کردار یوسف ایک ایسا بچہ ہے جسے والدین بیچ راہوں پر چھوڑ کر خود رخصت ہو جاتے ہیں۔ یوسف چونکہ نہایت خوبصورت لڑکا تھا جس کو وہاں کے لوگ جنسی تشدد کا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ والدین کی اکثر ناچاکی اور لاپرواہی بچوں کو بوگتنا پڑتی ہے۔ بچے جب نے یارو مددگار ہو جاتے ہیں تو وہ دوسروں

لوگوں میں اس پیار کو تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس دن کے بعد اس نے یوسف کو احاطے میں لانا ترک کر دیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ یوسف کو سالم تانگے پر چھوڑتا اور واپسی پر سکول سے سیدھا گھر کی گلی تک سامنے اتارتا جب تک یوسف گھر کے اندر داخل نہ ہوتا، سمندرا وہیں تانگے پر کھڑے کھڑے گلی میں آتے جاتے لوگوں مشکوک نگاہوں سے دیکھتا۔ لیکن ملکی، فیاضا اور حنیفا اس پر بری نظریں جمائے بیٹھے تھے۔(۳۱)

بچوں کی زندگی ماں باپ کے لیے بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ والدین کی آپس میں ناچاقی سے بچے بہت زیادہ مسائل کا سامنا کرتے ہیں۔ کوئی بھی رشتہ والدین کا نعم لبدل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی رشتہ والدین کی کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ یوسف دادا کی نگرانی میں پلا بڑا۔ دادا کی وفات کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری سمندرا نے لے لی۔ "سمندرا" روزانہ اسے سکول چھوڑنے جاتا اور اسے بحفاظت گھر تک پہنچاتا۔ جب یوسف تھوڑا بڑا ہوا تو اس کی خوبصورتی کے چرچے تانگہ بانوں کے احاطے میں سنائی دینے لگے۔ یوسف خوبصورت تھا تانگہ باز اسے جنسی تشدد کا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ سمندرا ہمیشہ یوسف کی حفاظت کے لیے ان کی راہ میں آڑے آجاتا۔ تانگہ باز کے احاطوں میں سمندرا کو ہی شک کی نگاہ سے پکارا جانے لگا۔ اسے طرح طرح کے طعنے دیئے جانے لگے کہ وہ تو یوسف کا عاشق ہے۔ عائلی زندگی میں جب والدین اپنی اولاد کی ذمہ داری دوسروں کو سونپ دیتے ہیں یا ان کی ناچاقی کی وجہ سے بچے دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ تو یہ معاشرہ طرح طرح کے ظلم ڈھانا شروع کر دیتا ہے۔ حتیٰ کے معاشرہ کے اندر ہر وقت ان کو جنسی تشدد کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں تا کہ وہ ان کو اپنی حوس کا نشانہ بنا سکے۔ شعیب خالق نے عائلی زندگی کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ عائلی زندگی کا آغاز بڑی سوچ بچار سے کرنا چاہیے کیونکہ اگر ایک عورت اور مرد کے درمیان ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے تو ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی کی عکاسی شعیب خالق نے اپنے افسانے "مندرجہ ذیل" میں کی ہے۔

تعلیم یافتہ کلچر سے آراستہ اولاد سے بڑی بیٹی اور ایک بیٹا اپنے حال اور مستقبل کی چمک

لیے پروان چڑے۔ بیٹی سے گہری محبت ، اس کی شادی اور رخصتی کے ساتھ ہی جیسے
چپ چپ کر روتے ہوئے سطح پر آگئی اور پھر جب بیٹا بھی بیوی گھر لے آیا تو وہ بھی
باپ کی خوش آنکھوں میں ڈوبا اور کہیں گم ہو گیا۔(۳۲)

شعیب خالق نے افسانے میں ایک باپ کی زندگی کے آخری لمحات کی عکاسی کی ہے کہ تعلیم یافتہ ما حول میں پروان چڑھنے والی اولاد ایک بیٹا اور ایک بیٹی جو دونوں اپنے باپ کے آنکھوں کے نور تھے۔ دونوں بچے باپ کی قربانیوں محبت اور محنت کے سائے میں بڑے ہوئے ۔ باپ کے دل کا سکون ان دونوں کی مسکراہٹ تھی۔ بیٹی کی شادی اور اس کی رخصتی باپ کے لیے خاموش طوفان کی مانند تھی۔ جیسے باپ کی ذات کا ٹکڑا چپ چاپ خاموشی کے ساتھ دوسرے کنارے چلا گیا۔ لیکن بیٹی کے رخصت ہو جانے کے بعد باپ کو امید تھی کہ بیٹا اس کے پاس ہے اسے تنہائی کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ لیکن بیٹے نے جب نئی دہلیز پر قدم رکھا اور اپنی زندگی کے نئے سفر کا آغاز کیا۔ اور بیوی کو گھر لے آیا۔ باپ کو لگا کہ بہو کے آنے کے بعد اب اس کا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔ مگر کچھ دن بعد ہی بیٹا باپ کی محبت، اس کی قربانی کو بھول گیا۔ باپ جیسے گھر کے کسی کونے میں خاموش ہو گیا اور بیٹا اپنی زندگی میں ایسے مصروف ہوا کہ اس کے پاس باپ کے لیے دو منٹ بھی نہیں تھے۔ اور باپ ایک بار پھر گھر میں تنہا ہو گیا۔ زندگی بھر جو اپنے بچوں کے لیے محنت کرتا رہا اب اپنے سائے سے باتیں کرنے میں مجبور ہو گیا۔ پرانی تصویریں، خاموش کمرہ اور خالی دیواریں۔ بس یہی تک اس کی دنیا رہ گئی تھی۔ یہ تنہائی نہ صرف روح میں بلکہ جسم کی گہرائیوں تک پہنچ گئی۔ اور باپ زندگی کے آخری ایام میں خاموش مسافر بن کے رہ گیا۔

جہاں بڑی بیٹی کی رخصتی اور بیٹے کے شادی کے بعد وہ تنہا ہو جاتا ہے۔ افسانے "مونولاگ" شعیب خالق کا ایک شاہکار افسانہ ہے۔ جس میں شعیب خالق نے احساس کیفیت کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے۔ مونو لاگ افسانے کا مرکزی کردار نصرت علی چیمہ کا ہے۔ جو اپنے گھر کے حالات کو اپنی ذہانت کی بدولت بہتر بنالیتا ہے۔ اس کا ایک بیٹا اور بیٹی ہوتی ہے۔ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے بعد بیٹی کی شادی اور بیٹے کی بے جا

مصروفیت کے باعث اس کے اندر احساس تنہائی کی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ عائلی زندگی میں ایک مسئلہ یہ بھی در پیش ہے کہ ابتداء میں جب بچوں کو والد کی ضرورت ہوتی ہے تو والد اس وقت ایک معاش کی تلاش میں خود کو مصروف رکھتا ہے۔ اور دولت کمانے میں مگن رہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ بچے جب جواں ہوتے رہتے ہیں ان کو والد کے ہونے نہ ہونے کا احساس ہی نہیں رہتا۔ اس تمام صورت حال کی عکاسی شعیب خالق نے اپنے افسانے "مونولاگ" میں کی ہے۔ نصرت علی چیمہ جو اولاد کی دولت سے مالا مال تھا۔ اس کے باوجود بھی احساس تنہائی کی کیفیت میں مبتلا رہنے لگا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ جیسے گھر کے کسی بھی افراد کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا وجود ایک بے کار شے کی مانند ہو گیا۔ افسانے کا مرکزی کردار "چیمہ" جو زندگی کی رنگینیوں میں اور عیش و آرائش میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ تمام عیش و آرائش اور تمام تر کمائی ہوئی دولت کی وجہ سے اس نے زندگی کی تمام چیزوں کا ذائقہ چکھا اور ان سے لطف اندوز بھی ہوا۔ لیکن گھر والوں کی لا تعلقی کی وجہ سے اس کی زندگی کے رنگ آہستہ آہستہ پھیکے پڑنا شروع ہو گئے۔ ارد گرد بہت سے لوگ ہونے کے باوجود بھی وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگا۔

> پینسٹھ سالہ عمر کی تمام تر کمائی دولت و آسائش کی بے معنویت اور آخرت کی تشکیل کی اس کی روح کو جیسے جلسائے ہوئے تھی۔ اس نے زندگی کا جو بھی خواب دیکھا اور چکھا اس خواب کا تعبیری ذائقہ اب زندگی کا پھیکا پن بن کر اس کی رگوں میں سرعیت کیے جا رہا تھا۔ زندگی کے اس ادھیڑ عمر میں بھی بیوی کے ساتھ ہر وقت بحث و مباحثہ جاری رہتا۔(۳۳)

احساس تنہائی زیادہ تر عمر رسیدہ افراد میں پائی جاتی ہے جو دوسرے افراد کی توجہ اس عمر میں حاصل کرنا چاہتے ہے۔ عائلی خاندان کے اندر جب ہر انسان اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو جاتا ہے تو مسئلہ عمر رسیدہ افراد کے لیے بن جاتا ہے جن کے لیے گھر والوں کے پاس وقت تک نہیں ہوتا۔ عمر رسیدہ افراد کو گھر میں ٹی وی سکرین پر بیٹھا دیا جاتا ہے۔ گھر والوں کو یہی لگتا ہے کہ اب ان کا ایک اچھا وقت گزر جائے گا حالانکہ ٹی وی ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے عائلی خاندان کے لوگوں کی زندگیوں کو بے سکون کر کے رکھ دیا ہے۔ اسے

عمر رسید افراد داخلی تنہائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ داخلی تنہائی کو دور کرنے کے لیے مرد ٹی وی اور اخباروں کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن جدید ٹی وی سکرین پر بم دھماکوں، لڑائی جھگڑوں اور خودکشی جیسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ ان پروگرام کو احساس تنہائی جیسے افراد جب دیکھتے ہیں تو اس کے اندر نفسیاتی کشمکش جیسی صورتحال پہلے سے بھی زیادہ فروغ پا رہی ہوتی ہے۔ مونولاگ جیسی کیفیت سے افراد ان تمام صورتحال سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اپنی کوئی بھی بات دوسروں تک منتقل نہیں کر سکتے۔ مگر خود کلامی جیسی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شعیب خالق اس کی عکاسی افسانے کے اندریوں کی ہے

> ٹی وی سکرین پر خودکش حملے، ٹارگٹ کلنگ، ریموٹ بم دھماکے اور غربت کے ہاتھوں خود کو آگ کی نظر کرتی ہوئی زندگی کی بے توقیری نے اس کے مونولاگ میں آہستہ آہستہ تلخی بڑھانا شروع کر دی۔ پھر ایک دن اچانک وہ خود ہی اپنی خود کلامی سے چونک اٹھا اور اسے اپنے بارے میں نیم آسیبی سا احساس ہونے لگا جیسے اس کے خاموش ہونٹ لوگوں کو ہلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔(۳۴)

گھر والوں کی لاپروائی کی وجہ سے انسان کے اندر خود کلامی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان جب اپنے احساسات اور جذبات دوسرے تک منتقل نہیں کرتا اور اندر ہی اندر زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے جو گھر کا سربراہ ہوتا ہے جب اس کے ساتھ بات کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اس کے اندر خود کلامی کی کیفیت ابھر آتی ہے۔ جب خود کلامی کی کیفیت بہت حد تک بڑھ گئی تو اس کے بعد بچوں کو احساس ہوا کہ یہ سب والد کو توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ بچوں نے اپنے والد کو وقت دینا شروع کیا ان کی خدمت کی۔ لیکن جیسے ہی باپ کچھ روٹین میں آنا شروع ہوئے تو بچے ایک پھر سے مصروف ہو گئے۔

> غالباً بیٹے نے باپ کو کچھ وقت دینا۔ اور اسے باہر کھانے کے لیے لے جانا۔۔۔ ڈاکٹر کی تاکید بجالاتے ہوئے نبھایا۔۔۔ مگر جلد ہی بچے واپس اپنی روٹین میں الجھ گئے۔۔۔۔ بیٹی بھی امریکہ سے دوڑی آئی اور باپ کی محبت و خدمت نبھائی اور آخر میں بھائی اور ماں کو یہ کہہ کر واپس چلی گئی کہ پاپا کو کچھ نہیں ہوا بس ان کا خیال رکھا کریں اور انھیں وقت

دیا کریں۔ (۳۵)

فرد کے اندر احساس تنہائی کی کیفیت پروان چڑھتی ہے۔ جب گھر کے اندر بہت سے لوگ ہونے کے باوجود بھی انسان خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ گھر والوں کی توجہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ گھر کے دیگر افراد کو اپنی جانب مائل کرنا چاہتا ہے۔ مگر جب گھر والے اس شخص کو وقت دیتے ہیں تو اس کے اندر ڈر، خوف اور احساس تنہائی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر عمر رسیدہ افراد کو گھر والوں کے وقت کی خاص ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات اپنی بیوی بچوں کے لیے ہی وقف کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ افسانے کا مرکزی کردار جس طرح احساس تنہائی کا شکار ہوتا ہے لیکن جیسے ہی اس کے اپنے بچے اس کے لیے وقت نکالتے ہیں اس سے باتیں کرتے ہیں اس کی باتیں سنتے ہیں تو وہ ایک نارمل انسان کی طرح زندگی بسر کرنا شروع کر دیتا ہے

شعیب خالق نے ایک اور نقطے کی طرف اپنے اس افسانے میں عکاسی کی ہے کہ جس کی وجہ سے عائلی زندگی کے اندر فرد آج بھی مسائل سے دوچار ہے۔ جدید معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسان حقائق کا سامنا کرنے کے بجائے آج بھی اپنے مسائل کا فرسودہ اور پرانے رسم و رواج میں ڈھونڈے کوشش کرتا ہے۔ ایک دوسرے کو ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وقت نہیں دے پا رہے ہوتے۔ مگر پرانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے تعویذ گنڈوں میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان کے پاس بھی ان مسائل کا حل موجود ہے۔ حس طرح افسانے کا مرکزی کردار "چیمہ" کی بیوی اس کو وقت دینے کے بجائے اس کی بگڑتی حالت دیکھ کر پیروں کے پاس سے تعویذ لاتی ہے اور پانی دم کروا کے لاتی ہیں۔ تاکہ اس کا شوہر پہلے جیسا ٹھیک ہو جائے۔ مگر باتیں کرنے کے لیے اور باتیں سننے کے لیے بیوی اور بچوں کے پاس کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اصل میں مسٹر چیمہ کو سب سے زیادہ گھر والوں کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حالت دن بدن مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔

> بیوی شوہر کی بگڑتی ذہنی حالت کے سنبھلاؤ کی خاطر ایک دور زیارت پر بھی گئی۔ اور دعا کے علاوہ تعویذ اور دم کیا پانی بھی لائی۔ اسے بہانے سے پلایا۔ مگر حالت سدھرنے کی بجائے ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ اور زیادہ گھمبیر ہوتی چلی گئی۔ (۳۶)

گھر کا سربراہ آپنوں کی لاپروائی سے احساس تنہائی اور داخلی کرب کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جدید معاشرے کے اندر بھی اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے بہت سے لوگ پیر مریدوں کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن گھر کو لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ نفسیاتی مریض بنانے والے اپنے ہی دوست احباب اور رشتہ دار ہوتے ہیں۔ گھر والوں اور خاندان کی لاپروائی کی بدولت فرد احساس تنہائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس اقتباس میں افسانے کی مرکزی کردار کی زندگی میں والدین کی علحیدگی کے اثرات کی عکاسی کی ہے کہ والدین کا ساتھ زندگی میں بہت انمول ہوتا ہے جب والدین بچوں کی زندگیوں سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں خلا اور اداسی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ماں باپ کی جدائی کا عکاس اسے نیند میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ بے بسی، مایوسی اور تنہائی محسوس کرتا ہے۔

ایک فرد کی شخصیت سازی میں خاندانی نظام بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب اولاد کے ہوتے ہوئے والدین میں علیحدگی ہو جاتی ہے۔ تو بچے پر اس کے جذباتی اور نفسیاتی اثرات بہت گہرے مرتب ہوتے ہیں بچے کو محبت اور تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے والدین ہی سے ملتی ہے اس بنیاد کو والدین کی علیحدگی ہلا کے رکھ دیتی ہے۔ جس سے بچہ غیر یقینی خوف اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے۔ نیند میں بھی وہی پریشانی جھلکتی ہے جو کردار کی اندرونی کیفیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ والدین کا رشتہ بچے کی شخصیت، جذباتی کیفیت بہت ضروری ہے۔ اسد محمد خان کا افسانہ "قافلے کے ساتھ ساتھ" ایک شکاہکارافسانہ ہے۔ عائلی زندگی میں ایک عورت کا کردار بہت مثبت ہوتا ہے۔ شریک حیات کا دوسرا نام قربانی اور سمجھداری کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار جو سیرک کی بیوی ہے شوہر کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتی ہے کیونکہ اس کے گاؤں میں حالت اس قدر خراب ہوتے ہیں کہ اسے ان حالات میں شوہر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بچوں اور سامان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اپنے سر لیے لیتی ہے۔ اور سیرک کی بیوی اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ذمہ داری نبھاتی ہے کیونکہ اسے احساس تھا کہ اس کا کردار صرف ذاتی نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاندان کے امن، حفاظت اور جذباتی استحکام کی ضامن بھی ہے۔ شادی شدہ زندگی میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے صحت،

معاشی اور معاشرتی حوالے سے۔ سیرک کی بیوی بھی ان تمام حالات کا بڑے حوصلے سے مقابلہ کرتی ہے اور اپنے خاندان کو بکھرنے سے بچاتی ہے۔ کیونکہ وہ سیرک سے بے پناہ محبت کرتی ہے کیونکہ ازدواجی رشتہ صرف معاشرتی یا قانونی بندھن نہیں ہوتا بلکہ روحانی گہری وابستگی بھی ہے۔ شادی شدہ زندگی معولات زندگی اور ذمہ داریوں کا نام نہیں بلکہ عائلی زندگی غیر معمولی قربانیوں کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

> سیرک کی بیوی سلجھے ہوئے دماغ کی عورت تھی۔ میدانوں میں پلی پڑی تھی اس نے رًاب کے گھڑے سر بند کیے اور اپنے آدمی کے سپرد کر دیے کہ وہ گھانس پھونس کے جکڑ باندھ کے انھیں سنبھال لے، بات بے بات الجھنا چھوڑے۔ عورت خود گاڑی میں لڑکے لڑکیوں کے بیٹھنے کا بندوبست کرنے لگی۔ سیرک نے صیح وقت میں اس عورت سے بیاہ نہ کر لیا ہوتا تو وہ اب تک تیس چالیس دفعہ مارا گیا ہوتا۔ (۳۷)

اسد محمد خان نے "قافلے کے ساتھ ساتھ" افسانے میں ایک عورت جو ہمت، محبت اور حوصلہ کے ساتھ ساتھ قربانی کا بھی جذبہ رکھتی ہے عکاسی کی ہے کہ سیرک کی بیوی فہم، شعور اور ہمت کی پہچان ہے۔ یہ صرف ایک بیوی نہیں بلکہ میدان عمل میں قدم رکھنے والی، شوہر کی حفاظت کرنے والی اور مشکل وقت میں فیصلہ کرنے والی شخصیت ہے۔ اگر وہ ہوشیار، بہادر اور ہمت والی نہ ہوتی تو دس دفعہ شاید وہ اپنے شوہر کو کھو چکی ہوتی۔ ازواجی زندگی ایک عورت اور مرد کے درمیان شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ جو عائلی زندگی کی ایک نئی اکائی بناتی ہے۔ اگر عائلی زندگی خوشگوار ہو گئی پوار خاندان سکون کی زندفی بسر کرتا ہے۔ اور بچوں کی تربیت میں بھی ایسا خاندان بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ روزگار، مالی تحفظ آمدنی، بنیادی سولیات عائلی زندگی کا بنیادی ستون ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام وسائل کی کمی رہ جائے تو ازواجی زندگی خاندانی زندگی کشیدگی اور جھگڑوں کا باعث بن جاتی ہے۔ معاشرہ ان تمام نظاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جہاں روزگار، تعلیم، رسم ورواج اور اقدار کا تعین کرتا ہے وہاں معاشرے کا نظام بھی چلانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام عائلی زندگی میں بہت زیادہ اثرات مرتب کرتا ہے۔ کیونکہ مشترکہ خاندانی نظام میں لوگ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور کمانے والے کم رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں شادی شادہ لوگ اس طرح خوشحال زندگی بسر نہیں کر

پاتے جس طرح ان کو زندگیاں گزارنی چاہیے۔ مشترکہ خاندانی نظام سے عورتیں باطنی کرب، نازک کا احساس اور خاندانی جھگڑوں میں جکڑی ہوتی ہے۔ بچوں اور گھر کے دیگر افراد کی بھی ذمہ داری گھر میں آنے والی عورت پر عائد کر دی جاتی ہے۔

میاں بیوی ساتھ رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کو بالکل وقت تک نہیں دے پاتے اور ساری زندگی ایسے ہی مایوسی میں گزار دیتی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس نہ ہی وقت ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے باتیں کر سکے اور ایک دوسرے کو سمجھ سکے کیونکہ ذمہ داریوں میں جکڑے ہوئے شادی شدہ زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ ان کے پاس بچوں کی تربیت کرنے کا بھی وقت نہیں ہوتا۔ معاشی ضروریات کو ہی پورا کرتے کرتے زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ ان تمام قربانیوں کے باوجود بھی بے قدری تشدد اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شادی سے پہلے عورتوں کو نصیحت کر دی جاتی ہے کہ اب جو بھی ہو گا تمہارا اپنا نصیب ہو گا۔ شادی کے بعد تمہارا مرنا جینا شوہر کے گھر ہے۔ واپسی کے تمام راستے تمہارے لیے بند ہو گئے ہے۔ جس کی وجہ سے عورت ذات مرد کے غرور، خاندانی انا اور جھوٹی مردانگی کے بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ مرد کے ساتھ ساتھ مشترکہ خاندانی نظام میں اس کا خاندان اور سماجی پس منظر کے بھی بھنیٹ چڑھ جاتی ہے۔ معاشی اور معاشرتی حوالے سے وسائلی کی فراہمی نہ ہو تو شادی کے بعد ظلم، غیر انسانی سلوک اور زوال پذیری کا شکار ہو جاتی ہے۔ جہاں عائلی نظام میں عورتوں کو عزت، محبت اور تحفظ کا ذریعہ ہونا چاہیے وہی وہ ہی گھر عورت کے لیے تشدد، قید خانہ اور تذلیل کا مرکز بن جاتا ہے۔ عائلی زندگی کا سفر اس وقت راحت اور حسن کا ذریعہ ہوتا ہے جب اس سفر میں مسائل نہ ہوں لیکن رشتوں کے درمیان نفرت، حسد، شک آجائے تو اس وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن عورتیں اپنا گھر بچانے کے لیے آخری حد تک تگ و دو کرتی ہے۔ بہت سی تکالیف برداشت کر لیتی ہے کہ شوہر کے گھر دو گز زمین میں رہنے کو جگہ مل جائے۔ لیکن شوہروں کو بیوی کی یہ قربانی نظر نہیں آتی۔ بلکہ شوہر بیوی کی زندگیوں کو تذلیل کا شکار بنا کے رکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں کو یہی لگتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے طلاق ہو گئی تو ان کے وجود کا ہی خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن عائلی نظام میں مرد ہمشہ خود کو حاکم سمجھتا ہے۔

گھر کے اندر اس شوہر کی حیثیت ایک حکمران کی ہوتی ہے جس کی بہت ساری رعایا ہوتی ہے لیکن ہمیشہ اپنا ہی فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے شادی کے بعد اکثر عورتیں تنہائی کا شکار ہو جاتی ہے معاشی حوالے سے بھی اتنی مضبوط نہیں ہوتی کہ وہ شوہر کی محتاجی کے بغیر زندگی گزار سکے۔ معاشی و معاشرتی مسائل کی وجہ سے ان کی زندگی ایک رسمی بندھن بن جاتی ہے۔ حالانکہ عورتیں اپنی انا کو ختم کر کے خود کو مرد کے حوالے کر دیتی ہے۔

معاشرتی حوالے سے دیکھا جائے تو اولاد کا دباؤ بھی عورتوں پر ہی ڈالا جاتا ہے اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تمام خوبیوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ حالانکہ کمی مرد اور عورت دونوں میں سکتی ہے لیکن ہمارا معاشرہ اس بات کو ماننے سے صاف انکار کر دیتا ہے کہ مرد بے اولادی کی وجہ ہے۔ بلکہ ہمیشہ عورت کو بے اولادی کی وجہ سے لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورت ہمیشہ مظلوموں کی طرح ان تمام لعن طعن خاموشی سے سہہ لیتی ہے۔ بے اولادی صرف طبی مسئلہ ہی نہیں رہتا بلکہ بقا کی جنگ بن جاتی ہے۔ اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ بھی معاشی مسائل ہے کیوں کہ شادی کے بعد مرد معاش کی تلاش میں گھروں سے نکل جاتے ہیں اور کتنے کتنے سال گھر ہی لوٹ کے نہیں آتے اور جب واپس ملک بھی آئے تو تب بھی دوستوں، رشتہ داروں اور سونے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ میاں بیوی کے درمیان قربت ہو سکے۔ اور اس کے بعد بے اولاد کا قصوروار صرف معاشرہ عورت کو ٹھہرا دیتا ہے۔ معاشی مسائل عائلی زندگی کے اندر بے پناہ مسائل پیدا کرتے ہیں۔ کم اجرت اور کرایہ کے مقام پر رہنے والے افراد جب عائلی زندگی سے منسلک ہوتے ہیں تو ابتدا ہی زندگی آسانی سے گزر جاتی ہے لیکن جیسے جیسے گھر کے اندر افراد کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ان کے حالات اور مشکل ہو جاتے ہیں۔ عورتیں اکثریت شوہروں کی تابعدار ہوتی ہے تمام حالات واقعات کا مقابلہ چپ چاپ خاموشی سے کرتی رہتی ہے۔ لیکن کم اجرت بھی معاشی بحران کے ساتھ ساتھ گھر کا تمام سکون چھین لیتا ہے۔

بچوں کی زندگیوں میں ماں باپ دونوں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشی و معاشرتی بحران سے

دونوں میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑوں میں دن بدن اضافے کی وجہ سے ناچاقی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے جس سے بچوں پر براہ راست اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شادی شدہ عورت کی معاشرتی اور معاشی حیثیت صرف بیوی یا بہو تک محدود نہیں ہونی چاہیے اگر اسے موقع، سپورٹ اور آزادی دی جائے تو وہ نہ صرف گھر کو سنوار سکتی ہے بلکہ معاشرے اور خاندان کی خوشحالی کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

حوالہ جات

1۔ فردوس انور قاضی ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۰، ص۵۵۶

۲۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ رقص بسمل، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۳۹

۳۔ مبین مرزا ،ریت کی دیوار مشمولہ خوف آسمان کے تلے، فکشن ہاوس لاہور، ۲۰۲۱، ص ۱۱۲

۴۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۵۔ طاہرہ اقبال، تبینا، مشمولہ، سنگ بستہ، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۴۸

۶۔ طاہرہ اقبال، تبینا، مشمولہ، سنگ بستہ، ص ۵۰

۷۔ طاہرہ اقبال، اسیر ان ذات مشمولہ، سنگ بستہ، ص۱۰۸

۸۔ ڈاکٹر سلیم اختر، عورت جنس اور جذبات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳، ص ۲۵۰

۹۔ اکبر ایس احمد، پاکستانی معاشرہ جنوبی ایشیا میں اسلام نسل پرستی اور قیادت، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۸۸، ص۲۹

۱۰۔ طاہرہ اقبال، شب خون، مشمولہ سنگ بستہ، ص، ۱۹

۱۱۔ زاہدہ حنا، بریر سور قص بسمل بود، مشمولہ، رقص بسمل، ص، ۹۷

۱۲۔ زاہدہ حنا، رانا سلیم سنگھ، مشمولہ رقص بسمل، ص، ۱۲۳

۱۳۔ سیما صغیر ڈاکٹر، تانیثیت اور اردو ادب روایت، مسائل اور امکانات، براؤں بک پبلی کیشنز، نئی دہلی، ص ۱۱

۱۴۔ خالد فتح محمد، میرے بھی بس کچھ خواب، مشمولہ، میں، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص، ۱۶۳

۱۵۔ خالد فتح محمد، میرے بھی بس کچھ خواب، مشمولہ، میں، ص، ۱۶۶

۱۶۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، پاکستانی اہل قلم خواتین کا ادبی جائزہ، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۳، ص۸

۱۷۔ خالد فتح محمد، ہم وہاں ہیں جہاں، مشمولہ میں، ص۸

۱۸۔ خالد فتح محمد، ہم وہاں ہیں جہاں، مشمولہ میں، ص۸۶

۱۹۔ خالد فتح محمد، ہم وہاں ہیں جہاں، مشمولہ میں، ص۸۷

۲۰۔ دیش بگھت لال دیال، مذہب اور انسانیت، میسر الا چیت رائے اینڈ سنٹر، پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۳۸، ص۲۳۷

۲۱۔ عثمان عالم، ایک مکمل کہانی، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، مثال پبلی کیشنز، فصیل آباد، ۲۰۱۷، ص۴۲

۲۲۔ عثمان عالم، پالتو چوہے، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، ص۴۲

۲۳۔ عثمان عالم، سورج کے عقب میں، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، ص۴۲

۲۴۔ عثمان عالم، سورج کے عقب میں، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، ص۴۳

۲۵۔ عثمان عالم، سورج کے عقب میں، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، ص۴۴

۲۶۔ ایم سلطانہ، ڈاکٹر، پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۲، ص ۳۳۵

۲۷۔ عثمان عالم، بھوک منور، مشمولہ، پوسٹ مارٹم، ص۱۴۲

۲۸۔ مبین مرزا، خواب مارا آدمی، مشمولہ، خوف کے آسمان تلے، ص۱۲۹

۲۹۔ مبین مرزا، دل کو دل سے راہ، مشمولہ، خوف کے آسمان تلے، ص۱۰۰

۳۰۔ یاسمین فاطمہ، جدید اردو افسانوں میں عصری حیثیت، عکس پبلی کیشنز، لاہور ص۹۷

۳۱۔ شعیب خالق، چھتری نما کہانیاں، مشمولہ، چھتری نما کہانیاں، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص۴۶

۳۲۔ شعیب خالق، مندرجہ ذیل، مشمولہ، چھتری نما کہانیاں، ص۶۱

۳۳۔ شعیب خالق، مونولاگ، ص۹۷

۳۴۔ شعیب خالق، مونولاگ، مشمولہ چھتری نما کہانیاں ص۹۷

۳۵۔ شعیب خالق، مونولاگ، مشمولہ چھتری نما کہانیاں ص۸۰

۳۶۔ شعیب خالق، مونولاگ، مشمولہ چھتری نما کہانیاں، ص۸۱

۳۷۔ اسد محمد خان، قافلے کے ساتھ مشمولہ، اک ٹکڑا دھوپ کا، القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص۳۳

باب چہارم

معاصر اردو افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل کے اثرات
(داخلی، خارجی مسائل اور دیگر متفرقات کے تناظر میں)

انسان کی داخلی کیفیات انسان کی نفسیات کو براہ راست متاثر کرتی ہیں۔ فرد کی باطن کی دنیا سے داخلیت کا تعلق ہوتا ہے۔ اپنے نجی جذبات اور احساسات میں اپنی زندگی گزارتا ہے۔ عائلی زندگی کے اندر میاں بیوی کا صرف آپس میں تعلق نہیں ہوتا بلکہ خاندان کے دیگر افراد سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے۔ گھر کے دیگر تمام مسائل ازدواجی زندگی کے اوپر براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔ جس میں میاں اور بیوی داخلی اور خارجی مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ خارجی دنیا داخلی دنیا سے متاثر ہوتی ہے۔ انسان کو خارجی سطح پر درپیش مشکلات اکثر توڑ دیتی ہیں۔ وہ داخلی سطح پر اس طرح سے کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے مسائل میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ خارجیت داخلیت کے مقابلے میں اندرونی جذبات اور احساسات سے جڑی ہوتی ہے۔ پروفیسر انور جمال رقمطراز ہیں

> اندرون بین لوگ اپنی داخلی داستان میں مگن رہتے ہیں۔ اندرونی جذبات اور داخلی احساسات کو ہی جہنم دیتے ہیں۔ جبکہ بیرون بین اس کے الٹ ہوتے ہیں۔ عائلی زندگی میں فرد اپنی داخلی دنیا میں مگن ہونے کی وجہ سے اپنی ذات کی عینک سے اسے دیکھتے ہیں۔[1]

گھر کے ماحول اور حالات کی خرابی وغیرہ تمام افراد کو داخلی سطح پر متاثر کرتی ہے۔ ابتدائی چند دہائیوں میں جدید معاشرے کا ہر فرد کم سنی کی شادی، جبر و استحصال، عدم تحفظ، ذہنی تناؤ، ڈپریشن اور داخلی مسائل سے دوچار ہوا۔ داخلی اور خارجی مسائل کی وجہ سے گھر کے افراد جسمانی پابندیوں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہوئے۔ جاگیر درانہ نظام داخلی مسائل کا باعث بنے۔ اپنے ماحول سے وابستہ ہر انسان مختلف رشتوں میں جڑا ہوتا ہے۔ اپنے ماحول اور عارضی رشتوں سے چند احساس طبیعت کے مالک لوگ جڑے ہوتے ہیں۔ گھریلو جبر واستحصال، جہیز کا طعنہ، اولاد نہ ہونے کا طعنہ براہ راست احساس طبیعت کے مالک لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں نے عائلی زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل کو اپنی تخلیقی کاوشوں

کی بدولت اجاگر کیا ہے اور قارئین کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے۔ جس سے عائلی زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل اجاگر ہوتے ہیں۔ پروفیسر انور جمال رقمطراز ہیں

> ادب میں داخلیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے قلبی واردات، اپنے نجی جذبات واحساسات میں ہی اپنی تخلیقی زندگی گزارتا ہے۔ اگر وہ بیرون پر نظر ڈالتا بھی ہے تو ذات ہی کی رینگ سے اسے دیکھتا ہے۔ یہ رویہ کافی حد تک وارثتی ہے۔ تاہم ماحول کی ابتری حالات کی دیگر کوئی وغیرہ انسان کو داخلیت کا شکار کر دیتی ہیں۔ (۲)

مبین مرزا کا افسانہ "طویل سفر کے بعد" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں گھر کا سربراہ داخلی مسائل سے دوچار نظر آتا ہے۔ واحد متکلم کے کردار کے ذریعے اس افسانے کا کردار اپنی حقیقت کا متلاشی نظر آتا ہے۔ وہ اپنے حوالے سے جاننا چاہتا ہے کہ اس کی ذات کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی۔ وہ اپنی حقیقت کی اصل تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے اور مختلف رشتوں سے جڑا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں سو سو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اس کا وجود کیا ہے۔ حلانکہ ہر چیز کی تخلیق کسی نہ کسی مقصد کے تحت کی جاتی ہے۔ واحد متکلم کا کردار اسی کشمکش کی صورتحال میں نظر آتا ہے کہ اس کی پیدائش کے حوالے سے کوئی بھی حقیقت واضح نہیں ہو سکی۔ مبین مرزا کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ ان کی کہانی پڑھ کر مختلف قسم کا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ عائلی زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل کو احسن انداز سے قاری کے سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے تاثرات کمال طریقے سے قاری تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ واحد متکلم کا کردار محسوس کرتا ہے کہ وہ دنیا کی بھاگ دوڑ میں اس قدر محصور ہو گیا ہے کہ اس کے پاس عبادت وریاضت کے لیے بھی وقت نہیں رہا۔ وہ جدید معاشرے کے اندر اپنی عائلی زندگی کو سلجھانے اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ جوانی سے بڑھاپے کی خزاں کو پہنچ گیا ہے۔ لیکن مسائل اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔

> رشتے آقاس بیل کی طرح پھیلتے جاتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے یہ کسی کی جان اور کوئی اس کی جان۔ ارے سو سو رشتوں سے جڑا ہوا ہوں۔ اور مجھے یوں لگتا ہے کہ میں تنہا ہی ہوں۔ (۳)

مبین مرزا نے واحد متکلم کردار کے ایک گہرے اور چھو لینے والے احساس کو بیان کیا ہے۔ مرد جو

ایک ہی گھر میں بے شمار رشتوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد بہن، بیوی بچے اور دیگر تعلقات کا دائرہ کار ہوتا ہے۔ رشتے زندگی کا سہارا اور حسن ہوتے ہیں رشتوں میں جنم لیتے ہی بند جاتا ہے۔ ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، بچے اور بیوی کا ساتھ۔ عائلی خاندان میں یہ رشتے جزو لاینفک ہوتے ہیں۔ بظاہر ایک عائلی انسان معاشرتی اور جذباتی طور پر مکمل نظر آتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ انسان اندر سے تنہا، خالی اور ٹوٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ تنہائی دراصل رشتوں کی موجودگی میں جذباتی فاصلہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب خاندان کے اندر تعلقات ذمہ داری یا رسم ورواج بن جائے جب دل کی بات سننے والا کوئی نہ ہوں اور نہ سمجھنے والا ہوں تنہائی انسان کی روح میں جنم لیتی ہے۔

عائلی زندگی کی مصروفیات مسلسل تقاضے اور توقعات اپنے آپ سے انسان کو دور کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے خواب، خواہشات اور جذبات کو گھر والوں کی پرورش کی خاطر دباتا رہتا ہے۔ لیکن جب گھر والے ہی سب مصروف ہو جائے تو وہ گھر کے اندر خود کو اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اپنے ہی لوگوں کے درمیان اپنے ہی گھر میں تنہا محسوس کرتا ہے۔ یہ تنہائی خاندان زندگی میں اس بات کی بھی علامت ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی انفرادیت کو پہچان سکے گھر میں وحد متکلم بھی اپنی ذات اور اپنے احساسات کی قدر چاہتا ہے۔ رشتوں کے شور میں جو اکثر دب جاتی ہے۔

اسد محمد خان نے اپنے افسانے "کوکون" میں سماجی اور جذباتی مسئلے کی عکاسی کی ہے کہ شادی کے بعد عورت مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے افسانے کی مرکزی کردار جس کی پہلے دو بیٹیاں ہوتی ہے۔ جب تیسری مرتبہ وہ امید سے ہوتی ہے تو اس کا شوہر اسے گالی گلوچ کرتا ہے کہ اسے اس بار ہر حال میں بیٹا چاہیے۔ وہ داخلی کرب میں مبتلا رہتی ہے اور ذہنی اذیت کا شکار ہوتی ہے۔ اسد محمد خان نے عورت کی داخلی اور خارجی کشمکش کو بیان کیا ہے عائلی زندگی کے اندر عورتوں کو نہ صرف معاشرتی انصاف کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ شناخت کے بحران سے بھی گزرتی ہے۔ جب زاہدہ کی حالت خراب ہوتی ہے اور اسے ہسپتال منتقل کیا جاتا ہے تو اس کا شوہر اسے اکیلے چھوڑ کے وہاں سے واپس آجاتا ہے۔ اسی ہسپتال میں ایک نوکرانی نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ اس کے شوہر نے بھی کنارا کشی کر لی اور خاندان بھی سہارا نہ بنا۔ تو اس عورت نے فائدہ اٹھایا اور بچے کو چرا لیا۔ افسانے میں شوہر اپنی بیوی کا ساتھ نہیں دیتا عورت کا وجود خوشحالی کے دنوں کے لیے ہوتا ہے۔ جب اس کا بچہ چرا کے لے جاتا ہے تو ماں بنے کی خواہش، اس کی عزت اور داخلی دنیا بکھر کے رہ جاتی ہے۔

اس افسانے میں ایک ایسی عورت کی عکاسی کی گئی ہے جس نے ایک بچہ چرا کر نہ صرف اسے اپنی ماں اور گھر والوں سے دور کر دیا بلکہ اس کی شناخت اور اس کی زندگی پر قبضہ کر لیتی ہے۔ اصل ماضی سے جڑی ہوئی کہانیاں اسے سناتی تھی مگر اصل سچائی کو پردے میں رکھا۔ اصل ماں جو بچے کی تھی وہ سکول میں کہانیاں سنانے والی عورت تھی۔ اس کی موجودگی یا خواب اور دھندلے احساسات محدود رہے۔ شوہر کی غفلت کی وجہ سے نو سال بچہ اپنے ماں باپ سے دور رہا۔ ماں ہر روز مرتی اور جیتی رہتی۔ سوائے اپنی قسمت کے کسی کو دوش نہیں دیتی تھی۔ یہ تحریر ایک بچے کی ہی کہانی نہیں ہے بلکہ ازواجی زندگی میں چھوڑ دی گئی عورت کی تڑپ، شناخت اور بے بسی کے خاتمے کی بھی داستان ہے۔ شوہر کے چھوڑنے کے بعد وہ نہ صرف اکیلی ہو گئی بلکہ بیٹے کی ماں ہونے کی خواہش بھی ادھوری رہ گئی۔ شوہر کے کنارہ کش ہونے کے بعد عورت کی زندگی قانونی اور سماجی حیثیت سے بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

عائلی زندگی کے اندر مرد اور عورت دونوں ہی بچوں کی کفالت ان کی دیکھ بھال اور پرورش کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن معاشرے کے اندر بعض مرد ایسے بھی ہے جن کو ہر حال میں بیٹے چاہیے ہوتے ہیں۔ بیٹوں کے چکر میں ایک بیوی کی زندگی کو روند کے رکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک طبعی حقیقت ہے کہ عورت ان تمام باتوں کی ذمہ دار نہیں ہوتی لیکن مرد خود کو بیٹے کی پیدائش کے بعد مضبوط سمجھتا ہے اور اگر اس کے ہاں مسلسل دو بیٹیاں ہو جائیں تو وہ بیوی کی زندگی کو اجیرن بنا کر رکھ دیتا ہے۔ روایتی معاشروں میں بیٹے کو وراثت کا ضامن اور خاندان کی بقا سمجھا جاتا ہے۔ اور بیٹیوں کو اکثر بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی سوچ میں عورت محض ایک ذریعہ بن کر رہ جاتی ہے اور اسی عورت سے بیٹے کی پیدائش کی توقع کی جاتی ہے۔ اگر عورت بیٹے کو جنم نہ دیں تو اس پر مظالم اور ذہنی دباؤ بڑھ جاتے ہیں۔ افسانے کی مرکزی کردار بھی جب ہسپتال جاتی ہے تو شوہر اس کو بے یارو مددگار اور تنہا چھوڑ جاتا ہے۔ جس کا فائدہ اٹھا کر ایک عورت بچے کو ہی چھوڑا لیتی ہے۔

> ماں وہ نہیں تھی جیسے اس عورت نے اے اے نے بی بی کا نام دیا تھا۔ ماں وہ تھی جسے اس نے اسکول کی لڑکی کہا تھا۔۔۔ جھوٹ بولتی تھی وہ ماں میرے پاس ہسپتال سے ہی اٹھ آئی تھی۔ نو سال پہلے ہی کچھ گھنٹے کا تھا تو اس عورت نے مجھے چرا لیا تھا۔ وہ وہاں نوکری کرتی تھی۔ نئے شہر کی ایک پرانی ٹوٹی حویلی کو اس عورت اے اے نے کرائے پر لے کے حمام کو قید خانہ جیسا بنا لیا تھا۔ وہیں رہا تھا میں۔ پورے نو سال۔۔۔۔ اب پولیس والے اسے جگہ جگہ تلاش کر رہے ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے دیکھنا وہ ایک دن ضرور

پکڑی جائے گی۔ (۴)

مبین مرزا نے افسانہ "طلسمی دوڑ" میں داخلی مسائل کی عکاسی کی ہے۔انسان کے وجود کی اہمیت کیا ہے۔بہتر سے بہتر کی تلاش میں انسان ساری زندگی مگن رہتا ہے لیکن ایک دن خاک کے اندر مل جاتا ہے۔اس افسانے میں واحد متکلم کا کردار زندگی کے سفر میں زندگی کے لیے معنی تلاش کرنے کا متلاشی نظر آتا ہے کہ آخر زندگی کیا ہے؟ اس کی تخلیق کیا ہے؟اور اپنے داخلی مسائل سے جذبات اور احساسات کی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔اس کی عکاسی مبین مرزا نے اپنے افسانے کے اندر اس طرح کی ہے۔

> جسے ابا کی جگہ اس نے شروع کیا تھا۔اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شروع کرنے والا تھا۔اس نے رنج سے سوچا۔نہیں اسے اس دوڑ سے بچ جانا چاہیے تھا۔دوڑ دوڑ کے کیا حشر ہو جاتا ہے۔آدمی کا کیا کہ کیفیتیں گزری ہیں مجھ پر اور اب یہی سب کچھ میرے بیٹے کے ساتھ۔نہیں نہیں یہ تو زیادتی ہو گئی۔ (۵)

مبین مرزا نے اس افسانے میں واحد متکلم کے کردار کے ذریعے کشمکش کی صورتحال کی عکاسی کی ہے۔واحد متکلم کا کردار اپنے اوپر گزری ہوئے حالات کی وجہ سے داخلی مسائل سے دوچار نظر آتا ہے۔داخلی مسائل انسان کو اندر سے کمزور کر دیتے ہیں۔داخلی مسائل کی عکاسی خالد فتح محمد نے اپنے افسانے "میرے بھی کچھ خواب" میں کی ہے۔کہ عائلی زندگی میں اولاد بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔اولاد کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔شادی شدہ جوڑا اولاد کے بغیر خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔اس افسانے میں رقیہ اور اس کے شوہر پر مبنی کہانی ہے جو دونوں اپنے طور پر اس داخلی کرب میں مبتلا نظر آتے ہیں اور اولاد نہ ہونے کے ذمہ دار خود کو ٹھہراتے ہیں۔اور ڈپریشن کا شکار رہتے ہیں۔نفسیاتی طور اپنے ہی داخل میں کشمکش کی صورتحال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

> رقیہ ایک نفسیاتی ڈھانچہ بنتے جا رہی تھی۔اور اس کی ایسی کیفیت کا میں اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہراتا۔ہمارے بچے نہیں تھے۔اور میں شاہد اپنے ناکارہ ہو جانے سے سمجھوتا کر چکا تھا۔اور اگر میں اسے یہ بتا دیتا تو وہ ایک جنونا کیفیت میں دیواروں سے ٹکر مارنا شروع کر دیتی۔ (۶)

اس افسانے میں عائلی زندگی میں کرب کی کیفیت کو مختلف زاویوں کے حوالے سے عکاسی کی گئی ہے۔کہ رشتہ ازدواج سے منسلک ہونے کے ساتھ ہی انسان اپنے ساتھ بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے۔جیسا

کہ اولاد کا ہونا، اس کی تربیت کرنا، اس کو پالنا۔ اس کی سوچ میں بھی واضح تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اپنے وجود کے حوالے سے سوچ میں منفرد تبدیلی کے باعث سوچ بچار کرتا رہتا ہے کہ اگر اس کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی یا اس کے بچے نہیں ہیں تو اس کے وجود کی کیا اہمیت ہے۔ اور وہ اپنے وجود کے حوالے سے سوالات و جوابات کا متلاشی فرد اپنے وجود کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے۔ وجود کی اہمیت کی عکاسی اپنے افسانے میں اس طرح کی ہے۔

> میری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میری بیوی کو بچوں کی شاہد خواہش تھی۔ لیکن قدرت کا کرنا یہ ہوا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ اور میری بیوی کو اپنے جسم سے نکالے ہوئے بچے چاہیں۔ حالانکہ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ بچے نہ ہونا میرا ہی زرخیز نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ (۷)

اسد محمد خان کا افسانہ "کوکون" ایک شاہکار افسانہ ہے افسانے کی مرکزی کردار کی حالت اور اس کا گہرے سماجی حیثیت کا بیان ملتا ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو ایک بوجھ یا ضرورت سمجھتا ہے ایک مکمل انسان نہیں سمجھتا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس کے اندر بہت سی خواہشات اور احساسات ہوتے ہیں اور ایسی بیویوں کو بھی اسی وقت قبول کیا جاتا ہے جہاں وہ خاندانی اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کرے۔ افسانہ "کوکون" میں اسد محمد خان نے خاندانی پیشوں کی نسل در نسل اپنانے کی عکاسی کی ہے اور خاندانی حالات اور عورت کی ذات کو سماجی تناظر میں پیش کیا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار جس کا شوہر ایک گورکن تھا۔ لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا بھی گورکن بنے۔ نسل در نسل ایک پیشہ اختیار کرنا اور اسی پیشے کو ترجیح دینا ایک سماجی جبر کی علامت ہے۔ کہ مخصوص طبقے کے لوگ نسل در نسل ایک ہی پیشہ اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ پیشہ معاشرتی طور پر کتنا ہی کمتر کیونکہ نہ سمجھا جائے۔ شوہر بھی ساری زندگی ایک ہی پیشے کو اختیار کیے رکھتا ہے۔ لیکن اب بحیثیت ماں ایک عزم کرتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو کچھ اور بنا دے گئی لیکن گورکن نہیں بنائے گئی۔ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات کی وجہ سے وہ یہ فیصلہ کرتی ہے۔ ماضی میں اس کی بہت سی ایسی مجبوریاں رہی کہ وہ ایک اچھی زندگی نہیں گزار سکی اور اسی وجہ سے اپنے بیٹے کے لیے ایک اچھے مستقبل کی خواہش رکھتی ہے۔ معاشرتی تغیرات کی بدولت ماں کا کردار ایک مضبوط پہلو بن کر ابھرتا ہے۔ وہ صرف مظلوم نہیں ہے بلکہ فیصلہ کرنے والی اور مستقبل سنوارنے والی ماں بھی ہے۔ عائلی تناظر میں دیکھا

جائے تو ایک باشعور عورت کا کردار خاندان کے اندر بہت اہم ہوتا ہے وہ خاندان کی بنیادیں ہلا کے رکھ دیتی ہے اور جو اپنے روایتی زنجیروں سے اپنے بیٹے کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔

> اصل میں فرنیچر بنانے کا کام تو میں نے بعد میں سیکھا تھا۔ میرے والد گورکن تھے۔ اماں نہیں چاہتی تھی کہ میں بھی گورکن بن جاؤں۔ اور کوئی بات نہیں تھی ۔ بس وہ چاہتی تھی کہ میں کوئی ایسا پیشہ اپناؤں جس میں وقت سے کام پر جانا ہو۔ یہ نہیں رات برات، آندھی، برسات، جب بھی کام نکلے جا پڑے۔ پھر انھیں قبرستان کے پاس اکیلی جگہ میں رہنا بسنا کوئی زیادہ اچھا نہیں لگتا تھا۔ خیر ابا نے کسی سے کہہ کہ مجھے کسی کے گھر کام پر لگوا دیا۔ پیسے اچھے تھے۔ صبح سے شام تک کام تھا۔ ابا نہ کہہ دیا تھا کہ مغرب کے وقت آ کے لڑکے کو لے جایا کروں گا وہ لوگ راضی ہو گئے۔ (۸)

عائلی زندگی کے اندر عورت کا کردار اور نسلوں کی تشکیل کے حوالے سے بہت گہری معنویت رکھتا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار ماں کی شفقت کا مظاہرہ ہی نہیں کرتی بلکہ مستقبل بینی، دانائی اور بصیرت کا مظاہرہ کر رہی ہوتی ہے۔ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اس کا بیٹا بھی معاشرے کا ایک تجربہ کار فرد ہوتا ہے۔ اور اسے ایک نئے راستہ دینا تعمیری اور باعزت ہو اور خاندان کے حق میں بہتر ہو۔ اسد محمد خان نے اپنے افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار زینب کا ہے۔ زینب کے شوہر نے گھر کے تمام امور کی ذمہ داری اپنے کندھے پر اٹھالی۔ اس کا شوہر خاندان کے تمام افراد کی ذمہ داری کو بڑے احسن انداز میں انجام دے رہا ہوتا ہے۔ لیکن اچانک اس کی طبعیت خراب رہنے لگی تو وہ بہت پریشان ہوتا ہے کہ اگر اس کو کچھ ہو گیا تو اس کے گھر والوں کا کیا ہو گیا۔ لیکن ایک دن گھر سے کام کے سلسلے میں نکلتا ہے تو وہاں راستے میں اس کی طبعیت خراب ہو جاتی ہے۔ جب زینب کو اطلاع ملتی ہے تو وہ بہت پریشان ہوتی ہے کہ اب اس کے گھر کا نظام کیسے چلے گئے گا۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ داخلی کشمکش کا شکار ہو جاتی ہے شوہر کا یوں اچانک بچھڑنا ایک بیوی کے لیے مالی لحاظ سے اور جذباتی اور سماجی لحاظ سے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ جہاں عورت کی شناخت معاشرے کے اندر شوہر سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ بیوگی اس عورت کی شخصیت کو چیلنج کر کے رکھ ریتی ہے۔ اس کی زندگی میں بہت سے سوالات داخل ہوتے ہیں۔ زینب کی کہانی صرف ایک عورت کی کہانی نہیں ہے۔ ایسی ہزاروں عورتوں کی نمائندگی کرتی ہے جو بیوہ ہو جانے کے بعد نہ صرف ذاتی زندگی کا غم اٹھاتی ہے۔ بلکہ انہیں تعصبات اور سماجی توقعات، احساسات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

زندگی کے المیے کے بعد زینب جیسی خواتین جب اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی ہیں تو وہ نہ صرف خود کو مشکل سے لڑ کر سنبھال لیتی ہے بلکہ معاشرے کے لیے بھی ایک رول ماڈل بن جاتی ہے۔ کہ عورت صرف کسی کی بیوی، بیٹی یا ماں نہیں ہے بلکہ مکمل خود مختار اور ہمت والی انسان بھی ہے۔ خود کو مکمل کرنا ایک بیوہ عورت کا ایک مسلسل سفر ہے۔ وہ اپنی زندگی کو دوبارہ معنی دیتی ہے۔ اور اپنی ذات کو نئے سرے سے پہچانتی ہے۔ اور اپنے بچوں کے لیے ایک نئی روشنی بنتی ہے۔ زینب نے شادی سے پہلے پینٹنگ کا کام سیکھا تھا۔ لیکن اس کی ایک ایسے خاندان میں شادی ہوئی تھی کہ جہاں عورتوں کا کام کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس کے شوہر کی یہی سوچ تھی کہ جو ہوں وہ خود ہی گھر والوں کو کما کے کھلا سکتا ہے۔ لیکن زینب نے شوہر کی وفات کے بعد اپنے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری خود اٹھالی۔ اور خود کی پہچان بنالی۔

> پچھلے دس برسوں میں زینب نقوی نے پہلے تو اپنی بے مثل رپورٹریٹ پینٹنگ کے سبب اور پھر اپنے شوہر کی المناک موت کی وجہ سے مصوری اور میڈیا میں نام کمایا تھا۔۔۔ زینب ایک بیوہ عورت تھی۔ زینب کی جب پینٹنگ جب سامنے آئی تو میڈیا نے یہ بتانا ضروری سمجھا کہ ان کے میاں محمد عون کو بے وجہ مار دیا گیا تھا۔ اور شاید ٹارگٹ کلینگ تھی۔ (۹)

عائلی زندگی میں غربت کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر اولاد ہوتی ہے۔ عثمان عالم نے اپنے افسانے "وجود سے لپیٹا رہزن" میں واحد متکلم کا کردار کے متعلق منظر کشی کی ہے جو داخلی مسائل سے دوچار نظر آتا ہے کہ کس طرح انسان اپنی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ اپنی شکلوں میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس طرح اس کی سوچ شعور کی سطح تک پہنچ جاتی ہے۔ شعور میں پختگی کے باعث انسان داخلی مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس افسانے کا کردار ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے گھر میں کوئی چور گھس گیا ہے۔ پہلی اور دوسری منزل پر بھاگ بھاگ کر سفر کرتی ہے مگر سب کے سب خالی ملتے ہیں۔

> وہ گھر کی بربادی کا قصہ سناتا رہا۔ اور ماں اس کی علیحدہ ہو کر صحن کا چکر کاٹتی رہی۔ جب اس نے زیادہ زور دے کر چیخ کر اس سے کہا تو پھر اس کی بوڑھی ماں نے اطمینان کے ساتھ اس کو جواب دیا۔ بیگ، بکسے، الماریاں سب پہلے سے خالی تھے۔ کچھ نہیں لٹا، کچھ نہیں لٹا۔ (۱۰)

اس طرح انسان کی حقیقت کی عکاسی عثمان عالم نے اپنے افسانے "وجود سے لپیٹے رزن" میں کی

ہے۔انسان کے وجود اور اپنے ہونے کی تلاش کو مکالماتی انداز میں پیش کیا ہے کہ انسان کی زندگی میں چیزوں کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ جس طرح افسانے کا مرکزی کردار اپنے گھر کے ساتھ بیگ اور الماریاں خالی دیکھ کر داخلی کرب میں مبتلا رہا ہے اور بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کے گھر کے تمام بیگ خالی کے خالی ہیں۔

عائلی زندگی کے داخلی مسائل میں ایک اہم مسئلہ خوف کا بھی ہے۔اس سے فرد کے مسائل میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔خوف ایک نفسیاتی مسئلہ بھی ہے۔یہ خاندان کے اندر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ کسی خطرے یا مشکل کا شکار ہوں۔خوف میں مبتلا کوئی بھی شخص خواہ میاں بیوی ہوں یا اس کی اولاد خطرے یا پریشانی سے خود کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔اور اس خطرے سے خود کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔وقتاً فوقتاً اپنے بچاؤ کے لیے مختلف حربے بھی استعمال کرتا ہے۔جب عائلی زندگی کے اندر خوف کا عنصر نمایاں ہو جائے تو وہ نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔خاندان کا جب کوئی فرد خوف کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تو اس طرح کی کیفیات کا سامنا ہوتا ہے۔خوف کی بہت سی صورتیں ہیں کہ فرد اداسی اور پریشانی کی باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شادی کے بعد بیوی اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے شوہر سے توقعات لگا لیتی ہے۔اگر یہ توقعات پوری ہو جائیں تو وہ دماغی طور پر اور دلی طور پر پرسکون رہتی ہیں اور ردعمل اس توقعات کے برعکس آئے اور وہ توقعات پوری نہ ہو رہی ہوں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہوں تو اس وقت وہی عورت افسردگی،بیزاری اور مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے۔یہ تمام صورتیں اس کے داخل میں اثر انداز ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔اس کی عکاسی مبین مرزا نے اپنے افسانے "مزار" کے اندر کی ہے۔یہ افسانہ میاں اور بیوی پر مشتمل ایک کہانی ہے۔میاں کھلے دل والا آدمی تھا کہ تعلیم حاصل کیے بغیر اگر انسان مال و دولت کے حوالے سے مضبوط ہے تو وہ اچھی زندگی بسر کر سکتا ہے۔لیکن بیوی اس کی سوچ کی مخالف تھی۔ان کی ساری زندگی ناچاقی،لڑائی جھگڑے اور انا میں گزری۔ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو ان دونوں کے درمیان ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔میاں اور بیوی دونوں علیحدہ علیحدہ کمرے میں سوتے۔اور اگر ان کا بیٹا نہ ہوتا تو کب کے علیحدہ ہو جاتے۔وہ ہمیشہ خود کو کوستی رہتی کہ اس کی زندگی ایک ایسے شخص سے وابستہ ہو گئی کہ جو مال و دولت کی دنیا کو آسائش سمجھتا ہے۔اندر ہی اندر خود داخلی کرب کا شکار ہو جاتی ہے اور خود کو تنہا محسوس کرتی ہے۔وہ کہتی ہے کہ انسان کے اندر ہر چیز پرفیکٹ ہونی چاہیئے کہ انسان میں غلطی کا امکان ممکن نہیں۔مزاج میں ہم آہنگی

نہ ہونے کی وجہ سے وہ ساری زندگی ایک دوسرے سے انجان ہوتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے بالکل ایک دوسرے سے انجان ہوتے ہیں۔ اس کی عکاسی مبین مرزا نے افسانہ "مزار" میں یوں کی ہے۔

> والد کھلے دل والے تھے۔ اور ان کا نظریہ ہر کسی سے اپنے اچھے خیالات کی ساجھے داری کرنا تھا۔ وہاں اس کی سوچ کی مخالف تھی۔ مجھے تعلیم میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ جو والد کو قطعاً پسند نہیں تھا۔ وہ مجھے ہمیشہ کہتے کہ میں اتنا چھوڑ کر جارہا ہوں کہ تمہارے بچے بھی آرام سے زندگی بسر کر سکیں گئے۔ ماں دور بیٹھی کوستی رہتی کہ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوگئی ہے کہ جس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ خود کو تنہا محسوس کرتی۔ (11)

اس افسانے میں ایک اور پہلو بھی ہے وہ تمام مخلوقات پر اس کو برتری حاصل ہے۔ اس کے اندر لاشعوری خواہش اس قدر سراہیت کر جاتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لاشعوری طور پر ڈر اور خوف کا شکار نظر آتا ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار ماں ایک ایسی عورت ہے کہ جو اندر ہی اندر داخلی کرب کا شکار ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی کہ جو اس کا ہم مزاج ہوتا، اس کے جذبات کو سمجھتا، اس کے ساتھ وقت گزارتا۔ لیکن وہ اپنا زیادہ تر وقت ایک ہی کرسی پر بیٹھ کر گزار دیتی۔ عائلی زندگی میں میاں بیوی کا مزاج، سوچ اور جذبات میں ہم آہنگی نہ ہو تو وہ رشتہ آہستہ آہستہ محبت کا مرکز بنے کے بجائے اذیت، مایوسی اور افسردگی کا محور بن جاتا ہے۔ اس تمام صورتحال کا نہ صرف عورت پر بلکہ اس کے بچوں اور خاندان پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دو اجسام کا نام صرف شادی نہیں ہے بلکہ دو روحوں، دو ذہنوں اور دو دنیاؤں کا ملاپ ہے۔ اگر دونوں میں محبت، ہم آہنگی اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا جذبہ نہ ہو تو ظاہری طور پر وہ رشتہ قائم ہوتا ہے۔ مگر دل سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔ جب شوہر اس کا ہم مزاج نہ ہو اور اس کی باتوں کو نہ سمجھے اور اپنی بیوی کے احساسات کو نہ سمجھے اور اس کے جذبات کو نظر انداز کرے اور اس کے خوابوں کو حقیر جانے۔ ایسی عورت اندر ہی اندر ٹوٹنے لگتی ہے۔ ہم مزاج نہ ہونے کی وجہ سے بیوی احساس تنہائی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ رشتوں کے ہجوم میں موجود ہوتی ہے۔ اور شوہر کی بے رخی کی وجہ سے اسکی خود اعتمادی مجروح ہوتی ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار کو یوں لگتا ہے کہ اس کا وجود بے معنی ہو گیا ہے۔ افسردگی اور مایوسی کی کیفیات اس کی ذہنی صحت کو بہت متاثر کرتی ہے۔ وہ گھر میں شوہر اور بچے کے بغیر بھی

افسردہ اور مایوس ہی رہتی ہے۔ اس کی یہ کیفیت اس کے بچے میں بھی منتقل ہو جاتی ہے۔ اور بچے بھی رشتوں پر سے اعتماد کھو دیتے ہیں کیونکہ ماں کی اس اذیت کو بڑے قریب سے محسوس کرتے ہیں۔ یہ عائلی زندگی کے اندر ایک خاموش المیہ ہیں جس کا گھروں میں شعور سنائی تو نہیں دیتا مگر نسلوں تک اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے افسانے کی مرکزی کردار ایک ایسے آئینہ کی مانند ہے جس میں بحیثیت بیوی بکھری ہوئی اور اپنی ذات میں ٹوٹی ہوئی اور ادھوری پاتی ہے۔ وہ جیتی ہے مگر زندگی نہیں ہوتی وہ ہر حال میں مسکراتی ہے مگر اس کے باوجود بھی اس کی آنکھیں خالی ہی رہتی ہے۔

> وہ مجھے کبھی مصنوعی لگی۔ اس گڑیا کی طرح جو چال سے چلتی ہو۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ وہ گڑیا سے ماں بنتی جا رہی ہے۔ وہ اسی طرح خوبصورت تھی۔ لیکن اس خوبصورتی میں ایک اداسی در آئی جا رہی تھی، وہ کسی گمشدہ چیز کو ڈھونڈنا بھول گئی ہو۔ اس کی اداسی میں ایک لاتعلق بھی تھا۔ جس سے میں اسے شناخت کرنے کی کوشش میں رہتا۔ (۱۲)

خالد فتح محمد نے انسان کی داخلی کیفیت کی عکاسی کی ہے۔ کہ انسان تنہائی کے ذریعے داخلی کرب کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عائلی زندگی کی نفسیاتی الجھنوں کو پیش کیا ہے کہ نفسیات ایک ایسی چیز ہے جو فرد کو اپنے ماحول کے اندر تنہا کر دیتی ہے۔ نفسیات کو دیکھا جائے تو وہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت بنیادی طور پر انسان کی ذہنی اور دماغی زندگی کے مختلف پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ نفسیات ایسی ایک سائنس ہے جس کے تحت ایک فرد کے احساسات، ذہنی و دماغی خیالات اور اس سے سرزد ہونے والے مختلف افعال پر بحث کی جاتی ہے اس کے تحت انسان کی زندگی کے بے شمار پہلو زیر غور آتے ہیں نفسیات سے سماج اور فرد کے تعلق سے افعال پر بحث کی جاتی ہے فرد کی زندگی سماجی طور پر بھی متاثر ہوتی ہے عادات و اطوار، رسم ورواج اور فرد کا رشتہ اپنے ماحول جیسے مسائل پر بحث ہوتی ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نفسیات کی تعریف یوں کی ہے کہ: نفسیات ایک ایسا علم ہے جو فرد کے کردار کا سائنسی مطالعہ اس کے ماحول میں کرے۔" (۱۳)

تمام تر سماجی پریشانیوں اور الجھنوں کی وجہ سے خاندان کا سربراہ آہستہ آہستہ اکیلا ہو جاتا ہے۔ عائلی زندگی کے اندر حالات و واقعات میں جس قدر تیزی آرہی ہے اس حوالے سے گھر کے اندر افراد ایک دوسرے کے قریب رہتے ہوئے بھی انجان ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور اور انجان کے باعث تنہائی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ تنہائی انسان کو نفسیاتی الجھنوں کا شکار کر دیتی ہے کیونکہ بہت ساری چیزوں کو

تخلیقاتی دنیا میں فرض کر لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے رشتوں میں ذہنی خلل، بے چینی اور کشمکش کی صورتحال پیدا ہوتی ہے۔

عائلی زندگی کے مسائل میں ایک مسئلہ ذہنی کشمکش کا بھی ہے جو گھر کے سربراہ کو داخلی کرب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کی عکاسی شعیب خالق نے اپنے افسانے "بے حیرانگی" میں کی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک باپ ہے جو ساری زندگی خون پسینہ کی کمائی اولاد کی تعلیم و تربیت پر نچھاور کر دیتا ہے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی خوشی کے لیے اپنی بڑی سے بڑی قربانی دیتا ہے۔ تاکہ وہ کامیاب و کامران ہو کر آنے والی زندگی میں راحت و سکون حاصل کر سکیں۔ اولاد جب بڑی ہوتی ہے تو دنیاوی امور میں خود کو اس قدر مصروف کر لیتی ہے کہ انہیں گھر میں والد کے وجود کا احساس تک نہیں ہوتا اور گھر میں والد کے ہونے کے باوجود کا احساس تک نہیں رہتا۔ حالانکہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب ان کے والد کو ان کی توجہ اور خدمت کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار والد خوف اور نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گھر کے دیگر افراد سے بات چیت کم ہونے کی وجہ سے وہ ماضی کی یادوں میں اپنا راحت و سکون تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی عکاسی افسانے میں یوں کی ہے کہ

> میں بی بے زر ہمہ وقت تعاون پر آمادہ، کھانا پینا اپنے ہاتھوں سے اور اپنی ذات پر تاریخ کا بوجھ اٹھائے کبھی ٹیرس پر اور کبھی کمرے میں، سوچ آلود چہل قدمی پر کر لا کرتا تھا۔ بیٹے کے علاوہ اس کے گھر کے دیگر افراد اپنے تمام تر خلوص اور پیار کی آڑ میں شک کا لبادہ اڑے دکھائی دیتے۔ کسی کے پاس اس سے بات کرنے اور اس کا حال تک پوچھنے کا وقت تک نہیں ہوتا۔۔۔ وہ ہمیشہ ماضی کی یادوں میں رہتا۔ (۱۴)

جدید معاشرے کے اندر دنیاوی زندگی میں مصروفیت کی وجہ سے اولاد کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ گھر کے دیگر افراد پر ذمہ داریاں ڈالنے کی بجائے خود ان کو وقت دیں، ان کی خدمت کریں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، ان کو توجہ دیں تاکہ والدین کو سکون اور راحت محسوس ہو۔ عائلی زندگی کے اندر ایک اہم مسئلہ والدین سے بے رخی اختیار کر لینا ہے۔ وہ والدین جو اپنے بچوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ معاشی وسائل کی وجہ سے اولاد اس قدر کھو جاتی ہے کہ بچوں کے شعور سے والدین کا خیال رکھنا اور ان کی خدمت کا کے لیے وقت کم ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان کے والدین کو اپنے بچوں کی ذاتی توجہ کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ وہ والدین کے اس عمر تک پہنچتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی اولاد سے اس ہی طرح کی توقع کرتے

ہیں جس طرح بڑھاپے میں ان کو ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح ان کے بچے بھی ان کو اکثر نظر انداز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ عائلی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "یہ عشق نہیں آسان" میں خارجی مسائل کی عکاسی کی ہے کہ خارجی مسائل انسان کے ظاہر کو ختم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ دنیا میں چاہے مرد ہو یا عورت یا بچے ہر کسی کو جینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس حوالے سے ابو الاعجاز صدیقی رقمطراز ہیں "وہ اپنے آپ کو خارجی دنیا میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح مختلف اشیاء کی وہ عکاسی کرتا ہے۔ مگر ایسا کرنے میں وہ اپنی شخصیت کو زیادہ تر دور رکھتا ہے۔"(۱۵)

داخلیت کے برعکس خارجیت کا تعلق ظاہری سطح سے ہے۔ خارج اور داخل لازم وملزوم ہیں۔ ایک دوسرے کو دونوں متاثر کرتے ہیں۔ داخلیت کا تعلق داخلی کیفیات اور باطن سے ہے۔ خارجیت داخلیت پر اور داخلیت خارجیت پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ خارجی معاملات سے متاثر عائلی زندگی کے افراد جب مسائل کا شکار نظر آتے ہیں۔

طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "پتھر دھڑ والی شہزادی" میں خارجی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کہ خاندان کے اندر کم عمری میں ہی جب گھر کے بڑے رشتے طے کر دیتے ہیں تو وہ اکثر ناچاقی کا باعث بنتے ہیں۔ اس افسانے کی مرکزی کردار فرح کا ہے جس کی پھوپھو اپنے بیٹے جواد کے لیے جو ابھی بہت کم عمر تھی۔ اس کا ہاتھ مانگ لیتی ہے اور ان کے بڑے ہونے کا بھی انتظار نہیں کرتی۔ اس کی عکاسی انہوں نے اپنے افسانے کے اندر یوں کی ہے۔

> دیکھو سعیدہ فرح میری بیٹی بنے گئی۔ جواد اور فرح کی جوڑی خوب سجے گئی۔ اور اب دونوں میں گہری دوستی ہے۔ اکرم بھیا سے تو میں نے بات کر لی تھی۔ وہ تو رضامند ہو گئے تھے۔ مگر تمہاری رائے کے بغیر تو کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ امی نے بے چینی سے پلو بدلتے ہوئے کہا تھا۔ باجی بلا میری کیا رائے ہو گئی۔ لیکن بچوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ہم بیٹی غیروں میں تھوڑی ہی دے رہے ہیں۔ اپنے گھر اٹھے گی اور اپنے گھر جائے گی۔ (۱۶)

اس افسانے میں طاہرہ اقبال نے خارجی مسائل کی عکاسی کی ہے کہ خاندانی نظام میں جب بہت کم عمر میں رشتے طے کر دیے جاتے ہیں تو وہ اکثر ناچاقی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ بچپن ہی میں منگنیاں طے کر دی جاتی ہیں اور لڑکیوں کے فیصلوں کے اختیارات کے فیصلے سسرال والے

کرتے ہیں۔ کم عمری میں آزادی سے گھومنا، کھیلنے کی پابندی نافذ کر دی جاتی ہے۔ منگنی دراصل نکاح کا وعدہ ہوتا ہے۔ جو لڑکیاں ساری عمر انتظار میں رہتی ہیں۔ افسانے کی مرکزی کردار فرح جو جواد کے انتظار میں رہتی ہیں۔ جواد بیرون ملک ڈاکٹر جواد بننے چلا جاتا ہے اور اس کو انتظار میں بٹھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ پڑھائی کے دوران ایک دو بار واپس بھی آتا ہے۔ لیکن یہ کہ کر ٹال دیتا ہے کہ جب تک وہ ہاؤس جاب مکمل نہیں کرے گا وہ شادی نہیں کرے گا۔ وہ ایک بار پھر وعدہ کر کے اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ کم عمری میں منگنی کی وجہ سے وہ جذباتی طور پر تیار تو نہیں تھا لیکن جواد کی زندگی کی ترجیحات اور اہداف وقت کے ساتھ ساتھ بدل گے۔ جس کی وجہ سے سب کو رشتہ ٹوٹنے کا خطرہ بڑھ گیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی خاموشی کے ساتھ اس کا انتظار کرنے لگی۔

> وہ واپسی کے تمام راستے اب بھول چکا تھا۔ مگر یہ بات وہ سب کو کیسے سمجھاتی۔ ہر شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اپاپ سمجھ رہا تھا۔ یہ انتظار بہت طویل ہو جاتا ہے۔ اس وقت سب جواد کی کھوج میں لگ گئے۔ پھر جلد ہی پتا چل گیا کہ وہ تین بچوں کا باپ بھی بن چکا ہے۔ سب نے مجھے یوں دیکھا جیسے کہ رہے ہوں کہ کسی کا کیا دوش ہے۔ بیچاری کی قسمت ہی بری تھی۔ (۱۷)

کم عمری میں منگنی کرنے کی وجہ سے مختلف مسائل عائلی زندگی میں جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ اس عمر میں بچے ابھی بالغ بھی نہیں ہوتے اور نہ جذباتی طور پر تیار ہوتے ہیں۔ کم عمری کی منگنی اور شادی تعلیم اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی حائل کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر کم عمری میں ہی منگنی کر دی جائے تو تعلیم مکمل کرنے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کے حوالے سے دونوں فریقین تیار نہیں ہوتے۔ بعض اوقات جب زندگی کی ترجیحات میں تبدیلی آتی ہے تو مرد کو اپنی پسندیدہ سرگرمیاں، دوستیاں اور دلچسپیوں سے متعلق اپنا جیون ساتھی تلاش کرنا ہوتا ہے۔ تو وہ اس لڑکی سے جس سے کم عمری میں منگنی کر دی جاتی ہے وہ اس کو ساری زندگی انتظار کروا کر خود فرار حاصل کر لیتا ہے۔ کہ اس سے احساس کی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

عائلی زندگی کے مسائل میں کم عمری میں منگنی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ کم عمری میں بچوں کی پختگی اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ شادی اور کم عمری میں منگنی ایک بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ جس کے اثرات عائلی زندگی پر طویل عرصہ تک مرتب ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ہمارے معاشرے کے اندر جاگیر درانہ اور امیر طبقہ بیٹوں کی تو شادی کر دیتا ہے لیکن بیٹیوں کو صرف اس لیے شادی نہیں کروائی جاتی کہ کہیں ان کی جائیداد یا مال و دولت کا کوئی حصہ گھر سے باہر نہ چلا جائے۔ اس

کی عکاسی طاہرہ اقبال نے اپنے افسانے "شب خون" میں کی ہے۔ خارجی مسائل میں لکھا ہوا یہ افسانہ جاگیر درانہ طبقے کی عکاسی کرتا ہے۔ بیٹوں کی شادی تو اس لیے کر دی جاتی ہے کہ وہ نسل کی افزائش کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن بیٹیوں کو ساری زندگی گھر کی چار دیواری کے اندر قیعود کر لیا جاتا ہے۔ گھر کے باہر کسی سے بھی رشتہ اور تعلق قائم نہیں کرنے دیا جاتا۔ افسانے کی مرکزی کردار رابعہ جو انتہا کی خوبصورت ہے۔ جس کا والد شہباز خان ایک بہت بڑے رقبے کا مالک ہوتا ہے۔ اپنے علاقے کے اندر اس کی ایک خاص پہچان ہوتی ہے۔ اس کی بیٹی رابعہ کو گھر میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بیٹیوں کو اس وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکالتے کہ کہیں کوئی ان کی جائیداد کا حصہ دار نہ بن جائے۔

> لیکن تم خان شہباز خان بیٹی ہو جس کا جوڑ پورے علاقے میں کوئی نہیں۔ تم اپنی پھوپھو کی طرح س گھر کے اندر اپنے بال سفید کر دو گی۔ اس لیے شادی کے سنہرے خواب دیکھنا چھوڑ دو لیکن اس میں تمہارا کیا قصور ہے کیوں پیدا کیا خدا نے اتنے بڑے خاندان میں۔ (۱۸)

نیلوفر اقبال خارجی مسائل کی عکاسی اپنے افسانے "بت" میں کرتی ہیں۔ خارجی معاملات سے متاثر عائلی زندگی کے افراد مسائل کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان کے موضوعات کو پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ ان کے پاس اپنے سماج اور ماحول کے عصری مسائل کے مشاہدے کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ ان کی تحریروں میں ان کے مشاہدے اور تجربات کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے نیلوفر اقبال کا افسانہ ""بت" میں اس نے ایک ایسی لڑکی کی عکاسی کی ہے کہ جو انتہا کی خوبصورت تھی لیکن اس کی قسمت اتنی اچھی نہیں تھی۔ ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد ابتداء میں تو زندگی بڑی اچھی رہی تھی لیکن وسائل کی کمی وجہ سے دونوں کے رشتے میں ناچاقی کا عمل شروع ہو گیا۔

> رشتہ ازدواج سے منسلک ہونے کے بعد ان کی زندگی تو بڑے اچھے طریقے سے گزر رہی تھی۔ حمدان صبح جاگا۔ حسب عادت اس نے تین بار تالی بجائی۔ کچھ وقفے کے بعد دوبارہ بجائی۔ وہ انتظار کرتا رہا کہ خدام ناشتے کا مینو اور چائے لے کر حاضر ہو گا۔ لیکن وہ اس کشمکش میں رہا اور وہ نہ آیا۔ آخر اس نے چیخ کر اپنی بیوی کو آواز دی۔ بیوی گھر کا سارا راشن پانی ختم ہو گیا ہے کہ اس میں تمہارا پیٹ بھر سکوں۔ (۱۹)

طاہرہ اقبال نے نفسیاتی کشمکش کی صورتحال کی عکاسی کی ہے۔ کہ وسائل کی دستیابی انسان کے لیے

بہت ضروری ہوتی ہے۔ عائلی زندگی میں فرد کی ذہنی کشمکش کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کام کا بے جا بوجھ اس کی بنیادی وجہ ہوتا ہے۔ اور گھر کے افراد ذہنی کشمکش کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ ازدواجی زندگی سے وابستہ افراد کا بیشتر حصہ ذہنی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ ازدواجی زندگی میں اختلافات بہت معمولی سی بات ہو گی ہے۔ جدید معاشرے کے اندر بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی ازدواجی زندگی کے اختلافات اور مسائل سے تنگ آکر اپنی ذہنی الجھنوں اور کشمکش کو کم کرنے کے لیے نشیلی ادویات اور شراب کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ ذہنی کشمکش اور نفسیاتی پریشانیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ فرد خدا اور کائنات کے حوالے سے بھی غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ جب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے تو خدا کے وجود کے حوالے سے بھی سوچتا رہتا ہے کہ خدا کون ہے۔ اس نے کائنات کو کیوں تخلیق کیا۔

شعیب خالق نے اپنے افسانے "ایک نوکر کی کہانی" میں خارجی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار شہباز کا ہے۔ معاشی حالات بہتر بنانے کے لیے شہباز اپنے والدین کے لیے صرف ہزار روپے کی تنخواہ لے کر بھاری امور انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ شہباز کا والد اپنے معاشی حالات کی بہتری کے لیے اپنا ایک گردہ سمگلنگ کی زد کر دیتا ہے۔ عائلی زندگی میں ایک مسئلہ غربت بھی ہے۔ شعیب خالق نے اپنے افسانے "ایک نوکر کی کہانی" میں غربت میں پسے ہوئے خاندان کی عکاسی کی ہے کہ جس میں گھر کا سربراہ اپنے معاشی حالات سے تنگ آکر اپنا گردہ بھی فروخت کر دیتا ہے۔ اس کا بڑا بیٹا اپنے والدین کے معاشی حالات کی بہتری کے لیے بھاری امور سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ان ہی کے محلے میں جب کسی ایک شخص کا قتل ہو جاتا ہے تو ان کے بڑے بیٹے کا نام اس مقدمہ میں درج ہو جاتا ہے۔ گردہ فروخت کرنے کے بعد جو پیسہ اس کو وصول ہوتا ہے وہ پیسہ بیٹے کو بچانے پر لگا دیتا ہے۔

> گوانڈ میں کوئی قتل ہوا اور میں میرے وڈے پتر کا نام مقدمے میں دال دیا گیا۔ کھوتا گڈی بھی گئی، زمین بھی گئی۔ عدالت تولے کر جیل تک میرا اور میری گھر والی کا ایک گردہ وکیل کچہری کے رزق میں نکل گیا۔ (۲۰)

شعیب خالق کا افسانہ "بس ایک بسکٹ" میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی اس طرح کی گی ہے کہ غریب طبقے کے بچوں کو بھی دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ معاشی حالات سے تنگ آکر غریب والدین ابتداء ہی سے بچوں کو کام پر لگا دیتے ہیں۔ کم عمری میں ہی ان بچوں سے مشقت کروائی جاتی ہے۔ معاشرے

کے اندر چائلڈ لیبر کی وجہ سے خارجی مسائل کو فروخت ملتا ہے۔ شعیب خالق نے اس کی عکاسی افسانہ "بس ایک بسکٹ" میں کی ہے۔ ظہور اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ کم عمری میں ظہور پر مشقت کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ عموماً دیہاتوں میں رواج ہے۔ مالی حالات کی بہتری کے لیے بچے کو شہر میں کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ظہور گھریلو حالات سے تنگ آکر اپنے پڑوسی ظفر کے ساتھ شہر بھیج دیا جاتا ہے۔ تاکہ گھر کا مالی بوجھ کسی طریقے سے کم ہو سکے۔ گھر کے مالی حالات بہتر ہو جانے کی نوید سنا کر ظفر اسے شہر تو لے جاتا ہے۔ لیکن محض ایک ہزار روپے مہینہ اور بدلے میں اسے ایک نفسیاتی شخص کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے جو ہر وقت اسے مارتا پیٹا رہتا ہے۔ وہ آگے سے کچھ بول بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ بچے تو ہر گھر کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ دعائیں کر کر کے والدین اولاد مانگتے ہیں۔ لیکن غریب طبقے کے بچوں کو بچپن سے ہی دو وقت کی روٹی پر لگا دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کی عمریں گزر جاتی ہیں۔

> ظہور آگے بڑھتا ہے۔ منہ دانیال کی زد میں رکھتا ہے۔ سانس روکتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ظہور کے لیے تھپڑ محض ایک لمحے کے لیے دماغ زوں سون گالی کی سناتی مشقت بن کر رہ جاتا ہے۔ (۲۱)

ایک بہت بڑا معاشرتی مسئلہ ایمانتداری بھی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار جس طرح بڑی ایمانتداری کے ساتھ ایک ہزار روپے کی خاطر تھپڑ کھاتا لیکن کوئی بھی اس کا وش کو نہ سراہتا۔ بلکہ اس کو ہی قصور وار سمجھتے تھے۔ ایمانتداری معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ بھی ہے۔ نیلو فر اقبال نے اپنے افسانے "لفافہ" میں ایک ایسے انسان کی عکاسی کی ہے جو بظاہر بڑا ایمانتدار اور سچا انسان تھا لیکن اولاد اس کی خدمت کو سراہنے کی بجائے ہمیشہ اس کو قصوروار سمجھتی تھی۔

> آخر ایک دن ان کی ریٹائرمنٹ کا وقت بھی آپہنچا۔ کہ ان کے گھر والوں نے پوری زندگی تنگدستی میں گزاری تھی۔ پروفیسر صاحب کے بچے اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ اپنی زندگیوں کا موازنہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں سے کر سکتے تھے۔ ان کے باپ نے ایسے ہی محکموں میں کام کرنے والے دوسرے باپوں کی نسبت ان کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ (۲۲)

افسانے کا واحد متکلم کا کردار جس نے ساری زندگی ایمانتداری کے ساتھ اپنا گزر بسر کیا۔ ایمانتدار انسان کو اس کے اپنے بچے بھی قصوروار سمجھتے ہیں۔ اس افسانے کا مرکزی کردار اپنے اصولوں اور دیانتداری

کو اپنی زندگی کا حصہ مانتا تھا۔ اس کا یہ رویہ اس کے بچوں کے ساتھ کبھی کبھی تعلقات میں مشکلات پیدا کرتا ہے۔ کسی سخت توقعات یا اصول کے تحت بچے جب پروش پاتے ہیں تو وہ اپنی ذاتی پسند اور آزادی کی بنیاد پر اختلافات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

افسانہ نگاروں نے عائلی زندگی کی پیچیدگیوں اور چیلنجز کی بھی عکاسی کی ہے۔ شعیب خالق نے افسانہ "لاٹو" کے ذریعے ایک ایسے شخص کی کہانی کو پیش کیا ہے جس کے دل میں اپنوں کے دکھ، درد، بہتر وسائل کی تلاش اور دوسروں کے مستقبل کے ادھورے خواب موجود ہیں۔ دوسروں کی مدد کرنے کا خواہشمند مرکزی کردار بھیک مانگنے کے باوجود بھی اس کے بہت سے ادھورے خواب ہوتے ہیں۔ لاٹو کے کردار کے ذریعے شعیب خالق نے عائلی خاندان کے اندر غریب طبقے کے استحصال اور مسائل کی عکاسی کی ہے۔ بے روزگاری ہونے کی وجہ سے معاشرے کا بیشتر حصہ بھیک مانگنے پر مجبور ہے۔

> لاٹو پیدائشی طور پر فقیر نہیں تھا۔ اس کا باپ معذور تھا۔ جو فٹ پاتھوں، میلوں ٹھیلوں پر مجمع اکھٹا کر کے اپنے ہاتھ اور زبان کی صفائی کے کرتب دکھاتا تھا۔ لاٹو ابھی چار سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے باپ نے اسے بچے جمورے کے مکالمے رٹا دیے تھے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد لاٹو کی چادر کے تلے چھپی گردن پر چھری بھی پھرنے لگی۔ اور وہ اپنے لوگوں کی جیبوں سے سکے نکلوانے کا گر بھی پوری طرح سیکھ نہیں پایا تھا۔ اس کے باپ کی گردن پر قدرت نے چھری پھر دی اور لاٹو بھی یتیم ہو گیا۔ (۲۳)

شعیب خالق نے افسانہ "لاٹو" کے ذریعے عائلی خاندان کی تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اور ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقت اور جیتی جاگتی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ جدید معاشرے کے اندر اس طرح کے مسائل معاشرے میں عائلی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ عثمان عالم نے عائلی زندگی کے درمیان ناچاقی اور خارجی مسائل کی عکاسی افسانہ "انٹینا" میں کی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار شوہر اور بیوی کا ہے۔ شوہر صبح صبح دفتر کے لیے جب تیار ہوتا ہے تو بیوی نے سالن کی بجائے املیٹ دے دیا۔ اور پیچھے سے آواز لگائی کہ واپسی پر انٹینا بھی لے کر آنا۔ وہ دفتر کے معاملے میں اتنا الجھ گیا کہ اسے یاد بھی نہ رہا کہ اس نے انٹینا بھی خریدنا ہے۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچا تو اس کے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر بیوی اس پر برس پڑی۔ گھر میں بیگم اور دفتر میں ہاشمی اس کے دماغ کا دہی بنانے کو ہر وقت جیسے تیار رہتے۔

> وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ گھڑی پر نظر پڑی تو پانچ منٹ رہتے تھے۔ وہ بمشکل دفتر

پہنچا۔ ٹی وی انیٹنا اس چکر سے ذہن سے ایسے غائب ہوا جیسا بیگم کی جانب ایسا تقاضا کبھی نہ کیا گیا ہو۔ اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر وہ اس پر برس پڑی۔ اس نے خاموش رہنے میں مصلحت جانی۔ واش روم کا رخ کیا۔ نہا دھو کر کافی حد تک بیگم کا بلڈ پریشر کافی کم ہو چکا تھا۔ دفتر پہنچا تو ہاشمی صاحب کی سائنس، گویا اس پر برس پڑے۔ (۲۴)

عثمان عالم نے اپنے افسانے "انٹینا "میں معاشرے کی تلخ حقیقتوں اور خاندانی نظام کے وسائل کی عکاسی کی ہے کہ ایک شوہر جو ملازمت پیشہ ہے۔ اس کو وہاں بہت سارے امور سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ وہ اس کی الجھنوں اور شکلوں کو سمجھنے کی بجائے خود توقعات وابستہ کر لیتی ہے۔ یہ ایک کشیدہ صورتحال کو پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اور وہ اس وقت شوہر پر برستی ہے جب وہ محسوس کرتی ہے کہ اس کی توقعات کے مطابق شوہر نے کچھ نہیں کیا۔ کسی مسئلے میں غلطی یا بے پروائی کی ہے۔ عثمان عالم کے اس افسانے میں انسانی رشتہ، اعتماد اور دیگر مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ کہ زندگی کے روزمرہ مسائل اور جذباتی کشمکش خارجی مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ طاہرہ اقبال نے خارجی مسائل کی عکاسی افسانہ "یہ عشق نہیں آساں "میں کی ہے۔ اس افسانے کے دو مرکزی کردار شہزاد اور عاشی ہیں جو اپنے گھر کے اکلوتے وارث ہوتے ہیں۔ دونوں ہی پڑھائی میں لائق تھے اور میٹرک میں دونوں نے بورڈ ٹاپ کا تھا۔ جس ٹیوشن کے گھر جاتے تو وہاں جب عاشی کو چھٹی ہو رہی ہوتی تو شہزاد داخل ہو رہا ہوتا۔ آخر کار دونوں کی رضامندی کے ساتھ شادی ہو جاتی ہے۔ لیکن مالی حالات اتنے زیادہ مضبوط نہیں ہوتے کہ جس وجہ سے دونوں میں ناچاقی کا عنصر بڑھتا رہتا ہے۔

عاشی کا خوبصورت چہرہ خوف، تھکن اور بھوک سے نڈھال ہو کر بدصورت لگنے لگا تھا۔ شہزاد کا یہی جی چاہتا تھا کہ وہ عاشی کے نرم اور گرد سے اٹے رخسار پر زور ست تمانچہ دے مارے۔ کچھ دیر اس کو اسی غصے کی حالت میں دیکھتا رہا۔ (۲۵)

عثمان عالم نے اس افسانے میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کہ جب اپنی ذمہ داری کے بوجھ تلے ایک مزدور دب جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف اس کی جسمانی حالت متاثر ہوتی ہے بلکہ اس کے تعلقات جو اس کی شریک حیات کے ساتھ ہوتے ہیں ان میں بھی پیچیدگیاں آجاتی ہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت درپیش ہوتا ہے جب وسائل کی کمی واقع ہوتی ہے۔ خارجی مسائل کی عکاسی مبین مرزا نے افسانے "خوف کے آسمان تلے "میں کی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار پروفیسر کیانی کا ہے۔ پروفیسر کیانی نے فجر کی اذان سنتے ہی اپنے بستر کو چھوڑا، نماز پڑھی اور صبح کی سیر کو نکل گئے۔ واپس آئے تو بیگم نے چائے تیار کی ہوئی تھی۔ پروفیسر کیانی

کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ پروفیسر صاحب جب بھی گھر سے باہر نکل جاتے تو بیگم صاحبہ بیٹے کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیتی تاکہ وہ گھر کے کچھ امور سرانجام دے سکے۔ ایک دن پروفیسر صاحب جب گھر سے نکلے تو راستے میں قتل وغارت کا سماں پیدا ہو گیا۔ وہ بمشکل اپنے بیٹے کو اپنے پیچھے چھپا کر گھر کو لے آئے۔

> آپ کیوں جھگڑا مول لینے پتر تلے ہوئے ہیں۔ خیال کیجیے خدا راہ تین جوان بچیاں ہیں ہماری۔ ہم دشمنی کے چکر میں نہیں پڑ سکتے۔ بیگم سخت پریشان ہو گئیں۔ حال تو پروفیسر صاحب کا بھی ایسا تھا۔ ٹھنڈک اور خوف کا احساس ان کے بھی رویں رویں میں اتر رہا تھا۔ لیکن ان کی مردانگی اس کے اظہار یا اعتراف کے لیے امادہ نہیں تھے۔[۲۶]

مبین مرزا نے "دام وحشت" میں عائلی زندگی کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ اعتبار اور اعتماد کی کمی کی عکاسی کی ہے۔ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے جس میں معاشی اور معاشرتی دباؤ، جذباتی تعلق اور اعتماد شامل ہوتے ہیں۔ شادی شدہ زندگی میں اگرچہ سمجھ بوجھ اور اعتماد کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ بیوی اور شوہر میں سے کوئی بھی اگر ایک ملک سے باہر جائے تو دوسرے کو اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ مبین مرزا نے افسانہ "دوام بخش" میں ایک ایسے ہی شخص کی عکاسی کی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار شیخ سخاوت علی کا ہے جس کے دو بچے ہیں۔ بیوی امریکا میں ہی رہائش پذیر تھی۔ وہ کچھ عرصہ کراچی میں مقیم رہی۔ لیکن اس کی بیوی کی خواہش تھی کہ ایک بچہ امریکا میں پیدا ہو گا تو اسے امریکا کی نیشنلٹی مل جائے گی۔ وہ جیسے ہی امریکا روانہ ہوئی شیخ سخاوت علی آزادی مل گئی۔

> جوان اور صحت مند شیخ سخاوت علی نے بیوی کے جانے کے بعد چند مہینے تو خاموشی سے اور صبر سے گزارے ہیں۔ لیکن پھر عورت کی ضرورت پریشان کرنے لگی۔ وہ بہت متقی اور پرہیزگار آدمی تو نہیں تھا لیکن غلہ خورے کو شکر مل ہی جاتی ہے۔ دوستوں کے ذریعے سبیل بن گئی۔ اور پھر عورتیں اس کی زندگی میں داخل ہونے لگی۔ اس میں کسی چیز کا اصول ممکن نہ تھا۔ بس جیب میں روپے ہونا ضروری تھے۔[۲۷]

عائلی تناظر میں مبین مرزا نے افسانہ وحشت میں دام میں مرد کی جذباتی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ جس کی بیوی کسی وجہ سے اس چھوڑ کے چلی جاتی ہے۔ اور دونوں میاں بیوی کی رہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہے

مگر وقت جیسے جیسے گزرتا ہے۔ وہ تنہائی اور اندرونی اضطراب محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کی محبت کمزور تھی۔ انسان کی فطرت بعض اوقات تنہائی سے بھاگنے سے مجبور کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان نئے رشتے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ اگر شوہر کام کے سلسلے میں باہر جائے تو بحیثیت بیوی اس کا انتظار بڑی وفاداری سے کرتی ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر معاشی حالات بہتر کرنے کے لیے ہی بیرون ملک گیا ہے۔ اس افسانے میں مرد کی بے حسی کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ جب بیوی اس کے ساتھ رہتی تھی تو اس وقت اسے اپنی بیوی کی اتنی قدر نہیں تھی اور نہ ہی اس کی کمی کبھی اسے محسوس ہوئی تھی۔ مگر بیوی کے جانے کے بعد شدت سے اس کی اہمیت کا احساس ہوا۔ کیونکہ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ اس کی زندگی جیسے خالی ہو کے رہ گئی ہے۔ عائلی یا خاندانی تناظر میں بیوی اور شوہر کا ملک سے باہر جانا ایک نازک صورتحال پیدا کرتا ہے۔ خاص طور پر اگر سماجی اور جذباتی دباؤ یا بد اعتمادی کا عنصر شامل ہو تو عائلی تعلقات میں اعتماد ومحبت اور باہمی تعاون بنیادی ستون ہیں۔ کسی ایک میں اگر کمی ہے تو خاندانی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اسلم جمیل رقمطراز ہیں

> نچلے متوسط طبقے کی عورت کی زندگی زیادہ تلخ ہے۔ انہیں بچپن ہی سے گھروں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ باپ اور بھائیوں کا روپ، حالات کا جبر، زندگی کی محرومیاں اور ان کے عصاب پر قابل برداشت ہو جاتے ہیں۔ گھریلو ماحول سے بغاوت اکثر صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے۔ باہر کی دنیا میں وہ ایک دن بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یوں نوجوان لڑکیوں کے لیے حالات سے فرار کا ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔ اور وہ ہے اعصابی بیماریاں، بسٹریاں، بے ہوشی کے درد اور جسم کا شیل ہو جانا۔ (۲۸)

خانگی زندگی کے اندر دیکھا جائے مرد عورت کو اکثر دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے۔ معاشرے میں بھی بہت سے ایسے شادی شدہ لوگ ہے جو شادی کے بعد ایک عرصے سے اکھٹے رہ رہے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ گھر میں بیٹھ کر شوہر کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ مگر شوہر ہمیشہ گھر میں دیر سے ہی پہنچتا ہے۔ داخل اور خارج کی کشمکش میں پسے ہوئے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ میاں بیوی بہت سالوں سے اکھٹے رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور ان کے درمیان نہ ہی محبت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی احساس، بلکہ اولاد کی خاطر زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ جیسا کہ افسانے کی مرکزی کردار

جو شوہر کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اکیلا محسوس کرتی اسے یوں لگتا جیسے اسے کسی نے قید کر لیا ہے بس اپنی زندگی کے کچھ ایام گزار رہی ہے۔ کیوں اسے شوہر کے وجود سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی۔ اسے بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس کا شوہر گھر کے اندر موجود ہے یاں کہیں باہر ہے۔ اس نے کبھی بھی اس کے ہونے یا نہ ہونے کو محسوس نہیں کیا۔

معاشرے کے اندر بعض اوقات خاندان کی وجہ سے رشتے قائم کر تو دیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ رشتے ہمیشہ نہ چاقی کا ہی باعث رہتے ہیں۔ انسان کی داخلی کیفیات اور خارجی کیفیات انسان کی نفسیات کو براہ راست متاثر کرتی ہیں۔ فرد کی باطن کی دنیا سے داخلیت کا تعلق ہوتا ہے اور داخلی کشمکش سے گھر کے افراد جڑے ہوئے ہوتے ہیں ان تمام کا وجود تو حال میں سانس لے رہا ہوتا ہے۔ لیکن گھریلو حالات کی وجہ سے ماضی کے تحت و الشعور میں جا بیٹھتے ہیں میاں بیوی اپنے نجی جذبات اور احساسات میں اپنی زندگی گزارتے ہے لیکن بعض اوقات ان میں اتنی محبت نہیں ہوتی کہ وہ سارا وقت ایک دوسرے کو دے سکے جس کی وجہ سے اکثر مرد داخلی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عائلی زندگی کے اندر میاں بیوی کا صرف آپس میں تعلق نہیں ہوتا بلکہ خاندان کے دیگر افراد سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ عائلی زندگی میں استوار ہونے کے بعد شروع میں مرد خود کو گھر کی بہتری ہی کے لیے اتنا مصروف رکھتا ہے۔ جب گھر والوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اس کے وقت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ معاشی حالات کو بہتر بنانے میں مصروف رہتا ہے اس کے پاس تھوڑا بھی وقت نہیں ہوتا کہ وہ بچوں کے ساتھ کچھ وقت گزار سکے بچوں کی تربیت ان کو پالنے کی زمہ داری بیوی پر عائد کر دیتا ہے۔ اور بیوی بھی آہستہ آہستہ شوہر سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ گھر کے تمام امور کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت میں خود کو مصروف کر لیتی ہے۔ لیکن عمر کے آخری لمحات میں جب شوہر کو گھر والوں کی ضرورت پڑتی ہے تو گھر والوں کے پاس بھی وقت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو وقت دے سکے۔ جس کی وجہ سے عائلی نظام کے اندر داخلی اور خارجی مسائل پیدا ہوتے ہیں

بیوی کے علاوہ خاندان کے دیگر افراد سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے۔ گھر کے دیگر تمام مسائل ازدواجی زندگی کے اوپر براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔ داخلی اور خارجی مسائل اس وقت پروان چڑھتے ہیں جب ازدواجی زندگی میں دو لوگوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان کوئی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ گھر کے ایک چھت کے نیچے ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔ بے شک ان کی اولاد بھی ہو جائے لیکن اس کے باوجود

بھی داخلی مسائل کا شکار رہتے ہیں جس میں میاں اور بیوی داخلی اور خارجی مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ خارجی دنیا داخلی دنیا سے متاثر ہوتی ہے۔ انسان کو خارجی سطح پر درپیش مشکلات اکثر توڑ دیتے ہیں۔ وہ داخلی سطح پر اس طرح سے کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے مسائل میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ خارجیت داخلیت کے مقابلے میں اندرونی جذبات اور احساسات سے جڑی ہوتی ہے۔ گھر کے ماحول اور حالات کی خرابی وغیرہ تمام افراد کو داخلی سطح پر متاثر کرتی ہے۔ ابتدائی چند دہائیوں میں جدید معاشرے کا ہر فرد کم سنی کی شادی، جبر و استحصال، عدم تحفظ، ذہنی تناؤ، ڈپریشن اور داخلی مسائل سے دوچار ہوا۔ داخلی اور خارجی مسائل کی وجہ سے گھر کے افراد جسمانی پابندیوں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہوئے۔ جاگیردرانہ نظام داخلی مسائل کا باعث بنے۔ اپنے ماحول سے وابستہ ہر انسان مختلف رشتوں میں جڑا ہوتا ہے۔ اپنے ماحول اور عارضی رشتوں سے چند احساس طبیعت کے مالک لوگ جڑے ہوتے ہیں۔ گھریلو جبر و استحصال، جہیز کا طعنہ، اولاد نہ ہونے کا طعنہ براہ راست احساس طبیعت کے مالک لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں نے عائلی زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل کو اپنی تخلیقی کاوشوں کی بدولت اجاگر کیا ہے اور قارئین کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے۔ جس سے عائلی زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل اجاگر ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

۱ انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ۲۰۱۲ء، ص۹۷

۲۔ انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ۲۰۱۲ء، ص،۹۹

۳۔ مبین مرزا، طویل سفر کے بعد، مشمولہ خوف کے سمان تلے ، فکشن ہاوس ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص،۹۷

۴۔ مبین مرزا طلسمی دوڑ، مشمولہ خوف کے آسمان تلے ص،۹۹

۵۔ خالد فتح محمد، میرے بھی کچھ خواب، مشمولہ، میں، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱۶، ص،۱۵

۶۔ مبین مرزا، میرے بھی کچھ خواب، مشمولہ خوف کے سمان تلے ص،۱۶۶

۷۔ اسد محمد خان، افسانہ کوکون، مشمولہ اک ٹکرا دھوپ کا، القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص،۷۹

۸۔ ایضاً، ص،۸۰

۹۔ اسد محمد خان، ملنگی کا قصہ، مشمولہ اک ٹکڑا دھوپ کا، ص،۱۱۱

۱۰۔ عثمان عالم، افسانہ جو دسے لپیٹا رزن، مشمولہ ،پوسٹ مارٹم مثال پبلی کیشنز، فصیل آباد، ۲۰۱۷، ص ۵۵،

۱۱۔ مبین مرزا، مشمولہ، خوف کے آسمان تلے، ص،۱۹

۱۲۔ خالد فتح محمد، افسانہ، مزار، مشمولہ، میں، ص،۴۶

۱۳۔ ایضا، ص،۴۷

۱۴۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں علامت نگاری، ریز پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۲، ص،۲۱۳

۱۵۔ شعیب خالق، بے حیرانگی، مشمولہ چھتری نما کہانیاں، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱۸، ص،۸۶

۱۶۔ ابو الاعجاز صدیقی، مرتب، کشاف تنقیدی اصطلاحات، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۲۰۱۸ء ص۹۳

۱۷۔ طاہرہ اقبال، پتھر دھڑ والی شہزادی، مشمولہ، سنگ بستہ، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص،۱۸۹

۱۸۔ طاہرہ اقبال، پتھر دھڑ والی شہزادی، مشمولہ، سنگ بستہ، ص،۱۹۵

۱۹۔ طاہرہ اقبال،، شب خون، مشمولہ، سنگ بست، ص،۶۱

۲۰۔ نیلوفر اقبال، افسانہ بت، مشمولہ، سیاہ سونا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ص، ۵۵
۲۱۔ شعیب خالق، بے حیرانگی، مشمولہ چھتری نما کہانیاں، ص، ۸۱
۲۲۔ شعیب خالق، بس ایک بسکٹ، مشمولہ، چھتری نما کہانیاں، ص، ۶۸
۲۳۔ شعیب خالق، بس ایک بسکٹ، مشمولہ، چھتری نما کہانیاں، ص، ۶۹
۲۴۔ شعیب خالق، لاٹو، مشمولہ چھتری نما کہانیاں، ص، ۵۳
۲۵۔ عثمان عالم، انٹینا، مشمولہ، ہوسٹ مارٹم، ص ۵۷
۲۶۔ طاہرہ اقبال، یہ عشق نہیں آساں، مشمولہ، سنگ بستہ، ص، ۱۳۱
۲۷۔ مبین مرزا، افسانہ، "دام وحشت میں، مشمولہ خوف کے آسمان تلے، ص، ۴۵
۲۸۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، نسائی شعور کی تاریخ، اردو افسانہ اور عورت، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۹ء، ص، ۹۸

باب پنجم

ماحصل

مجموعی جائزہ

انسان اس عالمگیر کائنات کا جزولاینفک ہے۔ انسان کا وجود اللہ تعالیٰ نے ایک جرثومے کی شکل دے کر بنایا ہے۔ یہ کلیہ محض انسانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر ذی روح کی افزائش اور ترقی کا دارومدار اس کے زوج کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اس نے باقی جانداروں سے ممتاز ہو کر خاندان کی آبادکاری کی شرح اوراجتماعی معاشرے کے لیے راہیں ہموار کی ہیں۔ اسی خاندان کے افراد خانہ کے لیے عیال یا عائل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ عائلی نظام کے ممتاز قوانین کو عائلی قوانین کا نام دیا جاتا ہے۔ پاکستان کی عائلی زندگی پر بات کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عائل کے معنی سے واقفیت حاصل کی جائے۔ لفظ عائل کی جمع عائلات اور عیال ہے جس کے معنوں میں بیوی، بچے اور دیگر افراد خانہ شامل ہیں۔ جب کہ میاں، بیوی، اولاد اور بچے سے متعلق احکام عائلی قوانین کے زمرے میں آتے ہیں

تسلسل سماجی زندگی کی حقیقت ہے بدلتی سماجی صورتحال زندگی کا عکس ہوتا ہے سماج ماضی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور مستقبل کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ بدلتی سماجی صورتحال نے جہاں زندگی کے دیگر امور پر اثرات مرتب کیے وہیں عائلی زندگی پر بھی اثرات مرتب کیے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے سماجی تعلقات کے محتاج ہے انسان اپنے وجود، پرورش، تعلیم صحت اور ایک دوسرے کے سماجی تفاعل کا محتاج ہے۔ انسان بطور سماجی رکن اپنے وجود کے فوراً بعد جس معاشرتی ادارے کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ خاندان کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد ہے اس ادارے میں رہن سہن کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے۔ عائلی زندگی میں بنیادی اکائی کی حیثیت میاں بیوی کو حاصل ہے۔

شادی ایک سماجی ادارہ ہے اور اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ خود نسلِ انسانی۔ یہ ایک رشتہ (مرد اور عورتوں کے درمیان) کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے جو اپنی مرضی کے مطابق یا قانون کے مطابق پہچان لیا جاتا ہے۔ جس میں جوڑے اور ان کی اولاد کے مخصوص حقوق و فرائض شامل ہیں۔ ازدواجی زندگی اس طرح دو اہم کام کرتی ہے ایک یہ کہ انسانی معاشرے میں مرد اور عورت کے

درمیان ازدواجی تعلق قائم کرنے کے لیے اور ایک نظام کو پیش کرتی ہے جس کے ذریعے ایک بچے کا تعلق معاشرے سے متعین ہوتا ہے۔

معاشرہ عائلی زندگی کو صرف ازدواجی تعلق تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس بندھن کو وسیع تر تناظر میں دیکھتا ہے۔اس کے لیے وہ فریقین پر مختلف ذمہ داریاں اور فرائض عائد کرتا ہے۔ عائلی تعلقات ایک ہمہ گیر نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ صرف جسمانی تعلق تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان کا دائرہ جذباتی، مذہبی، نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی تعلقات تک پھیلا ہوا ہے۔ البتہ مرد اور عورت کا انداز فکر اور ان کی سماجی ذمہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کا طرزِ عمل، اندازِ بیاں اور ترجیحات مختلف ہو سکتی ہیں۔ یہ اختلافات مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ گھریلو کشیدگی اور بہت سے نفسیاتی مسائل کا سبب بنتے ہیں۔

جاگیر دارانہ معاشرت کے اثرات کے باعث اکثر مرد عورت کو پاؤں کی جوتی اور مرد کا کھلونا سمجھتے ہیں۔ نسائی شعور اس سوچ کے خلاف جب مزاحمت کرتا ہے تو نوبت لڑائی جھگڑوں سے ہوتی ہوئی طلاق پر منتج ہوتی ہے۔ جس سے اولاد بری طرح متاثر ہوتی ہے اور ایک ہنستا بستا گھر تنکوں کی طرح بکھر جاتا ہے۔

عصر حاضر میں گھریلو زندگی کے مسائل کی ایک وجہ اندھی ہوس ہے۔ اضافی خواہشات کے حصول نے گھروں میں طرح طرح کے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ سادہ زندگی گزارنے اور اپنے وسائل کے اندر رہنے کی بجائے دوسروں کو متاثر کرنے کی روش بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔ سوچ کا یہ کھوکھلا پن خاندان کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں، اولاد کی نافرمانی کی ایک بڑی وجہ اضافی خواہشات کا حصول ہے۔ اعلیٰ و ارفع انسانی اقدار جیسے اجتماعیت، بے غرضی، قربانی وغیرہ ختم ہو جاتی ہیں۔ گھر کا ہر فرد صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ بے حسی اور خود غرضی ان کا گھیراؤ کر لیتی ہے اور گھریلو نظام منتشر ہو جاتا ہے۔

عائلی زندگی کو درپیش مسائل میں ایک مسئلہ گھر کی سربراہی کا بھی ہے۔ شوہر اپنی جسمانی ساخت مرد دانہ طبیعت و جبلت اور عائلی ذمہ داریوں کے باعث اپنے آپ کو گھر کا قائد اور سربراہ منوانا چاہتا ہے۔ کیونکہ گھر ایک چھوٹا معاشرتی ادارہ ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے ادارے کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے نظام کو بہتر انداز میں چلانے، اس کے ممبران یا عملے کا خیال رکھنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انتظامی اور عقلی ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس ادارے

میں کسی کو بھی کمتر نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ یہ ایک انتظامی ضرورت ہے جس کے بغیر ادارے کا چلنا مشکل ہے۔

عائلہ، خاندان، کنبے یا فیملی کی داغ بیل ایک عورت اور مرد کے درمیان ایک ایسے تعلق سے پڑتی ہے جس میں طوالت اور تناسل بذریعہ ترویج ہو کر خاندان کی افزائش کا باعث بنیں۔ خاندان کنبے اور فیملی ایک معاشرے کے اجتماع کے ذریعے وجود میں آتے ہیں۔ معاشرہ چونکہ اجتماعیت کا متقاضی ہے اس لیے بعض قوانین وضع کر کے اجتماع کو قائم رکھا جاتا ہے۔

عائلی زندگی اور پاکستانی اردو افسانہ کے موضوعات آپس میں گہرے جڑے ہوئے ہیں۔ عائلی زندگی کی عکاسی افسانوں میں اس طرح کی گئی ہے کہ یہ نہ صرف ثقافتی، تہذیبی اور سماجی حقیقتوں کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ ان کے تنازعات اور پیچیدگیوں کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ پاکستانی اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی اپنی تخلیقات میں شامل کیا ہے۔ جیسے محبت، شادی بیاہ، لڑائی جھگڑا، بچوں کی پرورش اور خاندان کے افراد کا اخلاقی اور سماجی دباؤ۔ پاکستانی اردو افسانہ نگار عائلی زندگی کو اپنے افسانوں کا مرکزی موضوع بناتے ہیں۔ ان افسانوں میں خاندانی روابط، شادی کے بعد کی ذمہ داریاں، بیوی اور شوہر کے درمیان تعلقات اور بچوں کی تربیت کو مختلف زاویوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں اس بات کو بھی اجاگر کیا ہے کہ کس طرح معاشرتی توقعات، ذاتی خواہشات اور روایات کے درمیان توازن قائم کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پاکستانی اردو افسانہ نگاروں میں زاہدہ حنا، طاہرہ اقبال، خالدہ حسین اور احمد ندیم قاسمی شامل ہیں۔ ان کی تخلیقات میں عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اور عائلی مسائل کو بڑی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔

عائلی زندگی میں بے شمار ایسے مواقع انسان کی زندگی میں آتے ہیں جو اس کی زندگی نہایت حسین اور یادگار بنا دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں عائلی زندگی کو پیش کیا ہے۔ نہ صرف ان کی تکنیکی سطح بلند کی بلکہ وہ افسانوں کی معنویت کے نئے در بھی کھولتے ہیں۔ عائلی زندگی میں عورت کی شخصیت کی تلاش کی گمشدگی نظر آتی ہے۔ عورت کو بے حس معاشرہ کھلونا سمجھتا ہے۔ بحیثیت بیوی اور بحیثیت بہو عورت کی حیثیت ایک شئے سے زیادہ نہیں ہے۔ ضرورت جب ختم ہوتی ہے تو اٹھا کر پھینک دی جاتی ہے۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگار وہ افسانہ نگار ہیں جنہوں نے نوکیلی، خارجی اور کھردرے حصوں پر سر

چھوڑ لینے کو تخلیقیت گردانتے ہیں۔ شادی ایک بہت حسین بندھن ہے۔ یہ سفر اس وقت تک حسین لگتا ہے جب اس میں خلل نہ ہو۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ ہر انسانی زندگی میں آتے رہتے ہیں۔ ازدواجی زندگی میں مختلف مواقع ہوتے ہیں۔ جن پر لکھنے والوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ ان کو قارئین تک پہنچانے کی بھی سعی کی ہے۔ شادی بیاہ کے حوالے سے جو مختلف قسم کی رسومات ہیں ان رسومات میں عورتوں کو ساری زندگی جکڑ دیا جاتا ہے۔ اور شادی کرتے وقت غریب ماں باپ اولاد کی شادیوں کی خاطر کیا کیا تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لڑکی کی شادی کے لیے جہیز اکٹھا کرنا یہ ایک بہت کھٹن مرحلہ ہوتا ہے۔ لڑکے کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان والے بھی کسی چیز کے کم ہو جانے پر انگلی اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔ ہر وقت اس عورت کو طنز و ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہیز کی کمی کی وجہ سے بعض عورتوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا ہے اور بعض کو طلاق دے دی جاتی ہے۔ یہ جدید معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ عائلی زندگی کی بنیاد چیزوں پر رکھ دی جاتی ہے۔ شادی والے دن اگر بدمزگی پیدا ہو جائے تو شادی کا سارا مزا کڑکا ہو جاتا ہے۔

میاں بیوی جو گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ ایک پہیہ بھی اگر اس میں خراب ہو جائے تو گاڑی نہیں چلتی۔ لیکن بد قسمتی سے یہ معاشرہ صرف مردوں کا معاشرہ ہے جس میں ابتداء ہی سے مرد کی فوقیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ چاہیں تو زمانہ جاہلیت کی مثال لے لیں جہاں کو اچھوت سمجھا جاتا تھا اور عورت کو پاؤں کی جوتی تصور کیا جاتا تھا۔ اور جہاں مذہب اسلام نے ایک بیوی کو مقام اور درجہ دیا ہے اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ اسلام نے میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی مردوں کے قائم کردہ اصول و ضوابط کو ہمارے معاشرے میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ مرد آج بھی دور جہالت والا سلوک بیوی کے ساتھ رواں رکھتا ہے۔ اور اسے وہ مرتبہ اور مقام نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق ہے۔ مرد آج بھی گھریلو امور میں ہر طرح کے فیصلے خود ہی کرتا ہے۔ جائیداد میں حصے کا مسئلہ ہو، بچوں کی شادیاں ہوں یا ان کے تعلیمی مسائل، ہر معاملے میں اہمیت اور فوقیت اس کی رائے کو ہی دی جاتی ہے۔ خاوند کے لیے ایک بیوی اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں ملتا جس کی وہ مستحق ہوتی ہے۔ اکیسویں صدی کے نمائندہ افسانہ نگاروں میں زاہدہ حنا، طاہرہ اقبال، نیلوفر اقبال، عثمان عالم، خالد

فتح محمد اور اسد محمد خان وغیرہ کا شمار ان افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے جنہوں نے اکیسویں صدی کے بیشتر موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ان کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے۔انہوں نے افسانوں میں دیگر مسائل کی عکاسی کی ہے جس میں عورت کے سماجی،معاشی اور معاشرتی مسائل کو یکساں اہمیت دی ہے۔ایک بیوی کے کرب کو کھل کر بیان کرنا اور مکمل انسان کے طور پر اس کا سماجی،معاشی اور نفسیاتی تجزیہ بیان کرنے میں وہ طاق ہے۔عائلی زندگی میں عائلی زندگی کے مسائل اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کے افسانوں میں غالب نظر آتے ہیں۔عورت کے مختلف کرداروں کا تجزیہ،خانگی معاملات،سماج اور معاشرتی معیشت تجزیے سے جوڑ کر عائلی زندگی کا نفسیاتی تجزیہ کرنا ان کا کمال ہے۔عائلی زندگی میں غربت کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر اولاد ہوتی ہے۔عثمان عالم کا افسانہ"وجود سے لپیٹا رہزن" میں واحد متکلم کا کردار جو داخلی مسائل سے دوچار نظر آتا ہے۔اس افسانے کا کردار جو ہر وقت اس کشمکش میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کے گھر کے بیگ خالی کیوں رہتے ہیں۔اس افسانے کا کردار جس کے والدین غریب ہوتے ہیں ان کے پاس مال و زر کی کمی ہوتی ہے۔جس کا اثر اس کی اولاد پر پڑتا ہے کہ اس کی اولاد اس داخلی کرب میں مبتلا رہتی ہے کہ ان کے گھر کے بیگ خالی کیوں ہے۔شعیب خالق کا افسانہ "لاٹو" کے ذریعے عائلی خاندان کی تلخ حقیقت کی عکاسی کی گئی ہے۔"لاٹو"کے ذریعے شعیب خالق نے ایک ایسے خاندان کی عکاسی کی ہے کہ بے روزگاری کی وجہ سے معاشرے کے بیشتر خاندان بیگ مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔"لاٹو"ایک غریب اور معذور انسان تھا جو خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا تھا۔تو اس نے اپنے بیٹے کو ابتدائی عمر ہی سے کفالت سونپ دی تھی۔عثمان عالم نے اپنے افسانے"انٹینا"میں خاندانی نظام کے وسائل کی عکاسی کی ہے۔ایک شوہر جو ملازمت پیشہ ہے۔جو گھریلو امور کے ساتھ ساتھ دفتری امور بھی سرانجام دیتا ہے۔وہ بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے دن رات محنت کرتا ہے۔لیکن اس کی بیوی ہر وقت اس کو لعن طعن کا شکار کرتی رہتی ہے کہ اس کے پاس ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہے۔خالد فتح محمد نے اپنے افسانے شام ہونے سے پہلے میں بیٹیوں کے پیدائش کے مسائل کہ عکاسی کی ہے۔بعض مرد ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو ہر حال میں بیٹا ہی چاہیئے ہوتا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار تجمل جس کی تین بیٹیاں ہوتی ہیں۔اور

تیسری بیٹی کی پیدائش پر اس کا خاوند نہ صرف ا س کو ظلم وجبر کا نشانہ بناتا ہے بلکہ اس کو کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہیں دیتا۔کہ یہ کھا پی کر بھی حرام کر رہی ہے اور بدلے میں بیٹا بھی نہیں دے رہی۔خالد فتح محمد نے اپنے افسانے"میرے بھی کچھ خواب میں"رقیہ کے کردار کے ذریعے بے اولادی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔کہ اولاد نہ ہونا اور اس کی اذیت ہمیشہ عورت ہی کو سہنا پڑتی ہے اور مرد خود کو ہمیشہ بے قصور مانتا ہے۔اس افسانے کی مرکزی کردار رقیہ جس کا شوہر بانجھ پن کا شکار ہوتا ہے۔جس کو ٹیسٹ کروانے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ وہ خود ہے۔لیکن وہ اصلیت کو اپنی بیوی سے چھپائے رکھتا ہے۔اور رقیہ اندر ہی اندر نفسیاتی ڈھانچہ بنتے جارہی تھی۔کہ وہ اپنے شوہر کو اولاد کی خوشی نہیں دے پا رہی۔

طاہرہ اقبال کا افسانہ"دو شہزادیاں"جس میں انہوں نے ایک ایسی لڑکی کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ جو جاگیردرانہ طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔جائیداد کی تقسیم کے ڈر سے اس لڑکی کو چاردیواری کے اندر محدود کر دیا جاتا ہے اور گھر سے باہر بھی نکلنے نہیں دیا جاتا۔اس کے اندر بہت سی خداداد صلاحیتیں بھی ہوتی ہیں۔اس کی خداداد صلاحیتوں کو نکھارنے کی بجائے دبا دیا جاتا ہے۔اس کا باپ شہباز خان ایک بہت بڑے رقبے کا مالک ہوتا ہے۔وہ بیٹوں کی شادی تو کر دیتا ہے۔کیونکہ بیٹے نسل کی افزائش کا باعث بنتے ہیں۔لیکن بیٹیوں کی شادی وہ اس لیے نہیں کرتا کہ کہیں جائیداد میں بٹوارہ نہ ہو جائے۔طائرہ اقبال نے اپنے افسانے میں مردوں کی ان سوچ کی عکاسی کی ہے کہ جو جائیداد کی تقسیم کے ڈر سے بیٹیوں کو گھر کی چار دیورای ہی میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔اکیسویں صدی کے افسانوں میں گھٹی گھٹی اور دبی دبی دکھائی دیتی ہے۔جو کسی بھی نئ تبدیلی کو فوراً قبول کرنے کو تیار نہیں۔اور گھریلو مسائل کے حوالے سے احتجاج کرنے پر بھی قاصر ہے۔مثلاً مبین مرزا کا افسانہ"مزار"کو پڑھ کر لگتا ہے کہ عائلی زندگی کے اندر عورت کی شادی صرف شوہر سے نہیں ہوتی بلکہ گھر کے سارے افراد اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔افسانے کی مرکزی کردار رقیہ جس کے کندھوں پر ایک شوہر کے ساتھ ساتھ گھر کے تمام افراد کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے۔شادی کے پہلے دن ہی اس کا شوہر اس کو یہ درس دیتا ہے کہ اگر روٹی توے پر ڈال رکھی ہو ،ساس یا سسر میں سے کوئی آواز دے

تو فوراً اٹھ کر چلی جانا۔یہ مت دیکھنا کہ روٹی جل گئی ہے،میں جلی ہوئی روٹی کھا لوں گا لیکن ماں اور بابو جی کا جی جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔رقیہ کا شوہر چونکہ سپاہی تھا۔وہ سال میں تین چار بار گھر آتا۔رقیہ کی زندگی پہلے ساس کی خدمت میں گزری۔پھر نندوں کو اپنے گھر کا کیا۔اور اس کے تین بچے کی پرورش کی ذمہ داری بھی اس کے کندوں پر تھی۔وہ کبھی بھی اپنے لیے نہیں جی سکی۔اور اس کا وجود ایک مشین کی مانند ہو گیا جو ہر وقت چلتا رہتا ہے۔سیمیں درانی نے افسانہ"چھام چھاب"میں جس کا شوہر اس کا بیٹی کے ساتھ گھر سے نکال دیتا ہے۔وہ اپنا اور بیٹی کا بیٹ بھرنے کے لیے سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔وہاں سے گزرنے والا ایک صاحب روزانہ اس کو دس روپے دے کر گزر جاتا تھا۔لیکن ایک دن وہی صاحب اس کی بیٹی کو لے کر چلا گیا۔اور جنسی ہوس کا نشانہ بنا دیا۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نےعمدہ انداز میں عائلی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔کہ خاندانوں کے اندر عورت روایتوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی اور پسی ہوئی ہوتی ہے۔انہی روایتوں سے بغاوت سے کوشش کا رجحان کہیں کہیں نظر آتا ہے۔لیکن اپنا گھر بچانے کے لیے عورت بہت سی قربانیوں سے گزرتی ہے اور مردانہ جبر سے عورت خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔شادی کی راہ میں کہیں اس کی کمائی رکاوٹ بن جاتی ہے اور کہیں اس کمائی کی وجہ سے وہ دھوکے باز اور فریب کار لوگوں کا شکار ہو جاتی ہے۔جدید معاشرے کے اندر عورت اگر کمائی کی غرض سے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس کو دفتری امور انجام دینے کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش اور گھریلو امور کی ذمہ داری بھی انجام دینا پڑتی ہے۔اکیسویں صدی میں عورت اپنی زندگی کا مکمل وجود مرد کے ساتھ سمجھتی ہے۔اگر وہ مرد سے علیحدہ ہو جائے تو وہ اپنی ذات اور وجود کا خاتمہ سمجھ لیتی ہے۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے عورتوں کے حق میں آواز بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ان میں ایک اہم نام زاہدہ حنا کا بھی ہے۔زاہدہ حنا کا افسانہ"سیاہ سونا"ایک شاہکار افسانہ ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس کا شوہر اس کو ظلم وجبر کا نشانہ بناتا ہے۔وہ آئے روز مار پیٹ اور گالی گلوچ کرتا ہے۔وہ عورت اپنے گھریلو مسائل حل کرنے کے لیے مجبوراً پیروں کے پاس جانا شروع ہو جاتی ہے۔کیونکہ اس کا شوہر آوارہ گرد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو ہر وقت طلاق کی دھمکی

دیتا ہے۔اور وہ اپنا گھر بچانے کے لیے پیروں سے تعویذ گنڈے کرواتی ہے۔تاکہ وہ اپنا گھر بسا سکے۔

زاہدہ حنا سماج کے ملاپ سے افسانہ بُنتی ہیں۔جسے قاری پڑھنے کے بعد غور و فکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔افسانہ "مخدوم ابن مخدوم" میں ایک ایسی عورت کی عکاسی کی گئی ہے جو ساری زندگی بچوں اور شوہر کے لیے وقف کر دیتی ہے۔ابتداء میں میاں اور اس کا بیٹا بہت ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔لیکن اس کا شوہر اس پر اور اس کے بیٹے پرناحق زبردستی کرتا ہے اور ظلم وجبر کا نشانہ بناتا ہے۔جب بیٹا جوان ہوا اور ایک عہدے پر فائز ہوا تو اپنے والدین کو چھوڑ کر کراچی اپنی بیگم کے ساتھ رہنے لگا۔زاہدہ حنا شعور کی بازیابی اور انسانی نفسیات کی رنگ شناسی کے حوالے سے اور انسانی ذات کے حوالے سے عرفان حاصل کرتی ہیں۔زاہدہ حنا کے افسانوں کی عورت عائلی زندگی کے اندر بے بسی اور احساس کمتری کی شکار نظر آتی ہیں۔اکیسویں صدی میں اردو ادب میں عائلی مسائل ایک اہم موضوع ہے۔افسانوں میں سماجی مسائل،نفسیاتی و اقتصادی مسائل اور معاشی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔

تحقیقی نتائج

زیر تحقیق مقالے میں دس افسانوی مجموعے شامل کیے گئے ہیں۔اس میں موجود عائلی زندگی اور عائلی زندگی کے مسائل کے حوالے سے تفصیلاً جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۱ء تک دس افسانوی مجموعے شائع ہوئے جنہیں اس مقالے میں دوران تحقیق شامل کیا گیا۔تحقیق سے جو نتائج حاصل ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے عائلی زندگی کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے گو کہ یہ تمام مسائل اسی معاشرے کے گرد گھومتے ہیں ۔ سماجی اور معاشرتی حوالے سے افسانہ نگار شعیب خالق،خالد فتح محمد،زاہدہ حنا ، سیمیں درانی ، اور عثمان عالم کے مجموعے لیے گئے ہیں جبکہ نفسیاتی حوالے سے طاہرہ اقبال، مبین مرزا اور نیلو فر اقبال کے مجموعے لیے گئے ہی اکیسویں صدی کے ان افسانہ نگاروں نے عائلی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے ان کی کہانیاں کے ہر کردار کہانی کے آخر میں جا کر اپنی شخصیت کھو دیتے ہے مثلاً مبین

مرزا کا افسانہ "دو شہزادی" جس میں افسانے کی مرکزی کردار ساری زندگی شوہر کے ساتھ ساتھ اس کے گھر کی خدمت میں و قف کر دیتی ہے اور ایک ایسے دنگل میں پھنس جاتی ہے جہاں سے واپسی نہ ناممکن ہے۔اور اپنی ساری زندگی گھٹ گھٹ کر گزار دیتی ہے ۔

۲۔ جدید معاشرے کے حوالے سے دیکھا جائے تو عورت آج بھی ازواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد بے بس اور لا چار ہو جاتی ہے ۔ مرد خود کو گھر کا سر براہ مانتاہے۔ گھر کے تمام فیصلے خود کرتا ہے اور گھر والوں پر مسلط کرتا ہے جس کی وجہ سے خاندان عائلی مسائل سے دو چار ہے۔ان افسانوں کو جب سنجیدہ قارئین پڑھتا ہےتو بے اختیار یہ خواہش ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش کچھ ایسا ہو جائے کہ شادی سے پہلے سے ایسے مردوں کی اصلیت سامنے آجائے۔ خواتین ایسے مردوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچ جائے ۔

۳۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگارحقیقت نگار ہیں۔وہ عورت کی قوت اور سماج کو بیک وقت بیان کرتے ہیں۔ان کے نزدیک عورت کی کمزور حیثیت کے پیچھے اولاد کی محبت اور تربیت ہوتی ہے ساری زندگی مردوں کے ظلم و جبر کو خاموشی سے برداشت کر لیتی ہیں۔

۴۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے جدید معاشرے پر جا بجا طنز کیا ہے ۔عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک پر بھی بناوٹی معاشرے میں طنز کی کاٹ لا جواب ہے۔ اردو افسانوں میں ازدواجی زندگی کے تناظر میں مہنگائی ،کم آمدنی ،بے اولادی اور گھریلوں نا چاقی جیسے موضوعات ہر زمانے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کو ہمارے افسانہ نگاروں نے موضوع سخن بنایا ہے ۔

۵۔ ازواجی زندگی کا تعلق برہ راست معاشرے سے ہوتا ہے ۔افسانہ نگاروں نے ازواجی زندگی میں آنے والی اونچ نیچ کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں ۔بلکہ ان کی بدولت سماجی ، معاشی، نفسیاتی تبدیلیوں میں جو تغیر وتبدل رونما ہوا اس کی عکاسی سنجیدہ انداز میں کی ہے ازدواجی زندگی کے موضوعات کے حوالے سے اردو افسانوں میں تنوع پایا گیا ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تجسس اور نکھار پیدا ہوتا جا رہا ہے ۔

سفارشات

۱۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں کا شمار اردو کے قدآور ادیبوں میں ہوتا ہے ۔وہ ایک باریک بین تخلیق کار ہیں ۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو کم کم لوگوں کو نظر آتا ہے۔ان کے افسانے ہمہ جہت مطالعے کا تقاضا کرتے ہیں۔ان کے افسانوں میں طریقہ واردات کا نفسیاتی مطالعہ اور مذکورہ بالادست طبقے کی نفسیات کا مطالعہ خاصی دلچسپی کا حامل ہو سکتا ہے،

۲۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں پاکستانی معاشرے کو بیان کیا ہے۔پاکستان کی ثقافت اور روایتی معاشرے میں درپیش عورتوں کے مسائل ان کے افسانوں کا خاص موضوع ہیں۔اس حوالے سے ان کا تقابل کیا جائے تو کافی عمدہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۳۔ اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے روایتی اور جدید معاشرے کو بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے تقابل کیا جائے تو کافی عمدہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

۴۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانوں کا بیسویں صدی کے اردو افسانوں سے معاشی و معاشرتی حوالے سے تقابل کیا جائے تو بھی عمدہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

کتابیات

بنیادی مآخذ

اسد محمد خان، اک ٹکرا دھوپ کا، القاء پبلشر، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

خالد فتح محمد، میں، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۶

زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء

زاہدہ حنا، رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱

سیمیں دورانی، آنول نال، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء

شعیب خالق، بے حرف لفظ، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

شعیب خالق، چھتری نما کہانیاں، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

طاہرہ اقبال، سنگ بستہ، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء

عثمان عالم، پوسٹ مارٹم، مثال پبلی کیشنز، فیصل آباد، ۲۰۱۷ء

مبین مرزا، خوف آسمان کے تلے، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۴ء

نیلوفر اقبال، سیاہ سونا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء

ثانوی مآخذ

ابوالاعجاز صدیقی، مرتب، کشاف تنقیدی اصطلاحات، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۸

ارشد محمود، تشکیل انسانیت، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۴

اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں علامت نگاری، ریز پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۲،

انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ۲۰۱۲

ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، پاکستانی اہل قلم خواتین کا ادبی جائزہ، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۳

تجمل حسین عباسی، ہمارا معاشرہ اور ابلاغ پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۱ء

جعفر رضا، ڈاکٹر، پریم چند کہانی کار، عکس پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، (ااسلام اور جدید معاشرتی نظریات) الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۵ء

دیش بگھت لال دیال، مذہب اور انسانیت، میسر الاچیت رائے اینڈ سنٹر، پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۳۸
زاہدہ حنا، عورت زندگی کا زنداں۔ بک پوائینٹ باردوم، کراچی ۲۰۰۱،،
سلیم اختر، ڈاکٹر، عورت جنس اور جذبات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء
سید احمد دہلوی، اسلام کے عائلی قوانین، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۰۱۵
سید جلال الدین عمری، عورت اسلامی معاشرے میں، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۱۹۹۳
سیما اصغر، ڈاکٹر، تانیثیت اردو ادب ،روایت ، مسائل اور امکانات ، براؤں بک پبلی کیشنز، نئی دہلی،، ۲۰۱۸، ص، ۱۱
شعیب عتیق، ڈاکٹر، اردو کے افسانوی ادب پر فسادات ۱۹۴۷ کے اثرات، بیکن، بکس، لاہور، ۲۰۱۴
شکیل خاتون ڈاکٹر، اردو ناول میں طبقاتی کشمکش، میاں چیمپئنز 3 ٹمپل روڈ لاہور، ۲۰۱۸
شہزاد اقبال شام، اسلامی قانون کا ماخذ، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
طاہرہ اقبال، پاکستانی اردو افسانہ " فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۵ء
عبد المالک فہیم، عورت ازواجی زندگی، مکتبہ الجنات، دہلی، ۱۹۹۸ء
عبد المجید سالک، تشکیل انسانیت، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۴
عصمت جمیل، ڈاکٹر، نسائی شعور کی تاریخ، اردو افسانہ اور عورت، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۹
فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء
قاضی وحید الزماں، مولانا، القاموس الوحید (جلد اول) ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۱ء
محمد حسن، اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ، اردو نئی دہلی، ۱۹۲۰ء
مرتضی علی اطہر، فہمیدہ ریاض کی شاعری میں جدید عورت، کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۹
مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر، تہذیب کا رخ، یورپ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۴۸
مولانا سید جلال الدین عمری، اسلام کا عائلی نظام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶
وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۲ء ص ۱۰۰۴
وحید عشرت، ڈاکٹر، فلسفہ عمرانیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷
وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو افسانہ روایت و مسائل، القائدہ پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۸ء

وقار عظیم، اردو افسانہ اور روایت عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۱۸۷۷
یاسمین حمید، جدید اردو افسانوں میں عصری حیثیت، عکس پبلی کیشنز، لاہور

Dr.Ekram & M.Ride Beshir Ny Blissful Marriage: A Practical Islam Guide

Dr. Ghazi Al Shammari By The Prophet Muhammad Tge Best Of All Husbands

Gray Thomas By Devotions For A Sacred Marriage

لغات

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
شان الحق حقی (مرتبہ) فرہنگ تلفظ، ادارہ فروغ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۷ء
نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

رسائل و جرائد

آصف فرخی، دنیا زاد، کتابی سلسہ ۱۲۵، اے بی پرینٹنگ سروسز، کراچی،، ۲۰۱۷
انور قاضی، ڈاکٹر، مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، ۱۹۶۱ تحقیقی زاویے، (شمارہ ۱۷)
الخیر یونیورسٹی، بھمبر، ۲۰۱۷
فرزانہ کوکب، ڈاکٹر، ملتان کے افسانوی ادب کی نمائندہ خواتین لکھاریوں کی تخلیقات میں تانثی عناصر، مضمون (مشمولہ) دریافت (شمارہ ۱۸) نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
معیار، (شمارہ ۱۲) تحقیقی و تنقیدی مجلہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۵

مقالہ جات

"طاوس فقط رنگ" کے کرداروں کا نفسیاتی، ثقافتی اور عائلی زندگی کے تناظر میں تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، غیر مطبوعہ مقالہ جات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء
اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ازواجی زندگی کی عکاسی، غیر مطبوعہ مقالہ جات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء

حقوق نسواں کا پاکستان کے عائلی قوانین کے تناظر میں تحقیقی جائزہ، غیر مطبوعہ مقالہ جات، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، ۲۰۱۵

محمد رؤف اور اردو غزل میں عائلی رشتے (مضمون) تخلیقی ادب، شمارہ 7، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء